

Million Dollars \$py

اسرائیلی سیکرٹ سروس ”موساد“ کے خفیہ آپریشن

مشاق جدون صوابی

urdukutabkhanapk.blogspot



کتاب گھر کی پیشکش

وی ملین ڈالر سپائی، اسرائیلی سیکرٹ سروس "موساد" کے خفیہ آپریشن

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

The Million Dollar SPY

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

ملین ڈالر سپائی

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

مشتاق جدون صوابی وال

urdukutabkhanapk.blogspot

سیونٹھ سکاٹی پبلیکیشنز

غزنی سٹریٹ الحمد مارکیٹ 40 - اردو بازار لاہور

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

نام کتاب دی ملین ڈالرسپائی

اسرائیلی سکرٹ سروس ”موساد“ کے خفیہ آپریشن

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

مصنف مشتاق جدون صوابی وال

ناشر مسعود مفتی

سیونٹھ سکائی پبلیکیشنز

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

مطبع زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

کمپوزنگ انیس احمد

سن اشاعت نومبر 2008ء

قیمت =/250 روپے

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

..... ملنے کے چتے

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

سیونٹھ سکائی پبلیکیشنز

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

غزنی سٹریٹ الحمد مارکیٹ 40۔ اردو بازار لاہور

فون: 7223584 موبائل: 0300-4125230

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

اقتساب!

اقتساب!

اسبا جی

کتاب گھر کی پیشکش **ابا بی** کتاب گھر کی پیشکش

(وارنٹ آفیسر علی بہادر)

(وارنٹ آفیسر علی بہادر)

جب آپ اپنی بیماری سے صحت یاب ہو کر پہلی بار میرے پاس پشاور آئے تھے اور آپ بڑے مسکرا مسکرا کر میرے ساتھ کافی دیر باتیں کرتے رہے اُس وقت میرے دل میں آیا تھا اے اللہ یہ وقت ہمیشہ کیلئے رُک جائے تاکہ آپ بولتے جائیں اور میں سنتا جاؤں لیکن اباجی وقت کسی کے لیے کہاں رُکتا ہے۔ اور پھر ایک دن اچانک آپ میری نظروں سے ہمیشہ کیلئے اوجھل ہو گئے۔ اباجی آپ کی حسیں یادیں میری تنہائیوں میں مجھے رُلاتی ہیں!

۔۔۔ ہم سو گئے داستان کہتے کہتے

100 نامور خواتین

روبی پہلی کیشنر، لاہور کی خوبصورت پیش کش..... اماں حواسے بے نظیر بھٹونیک، دُنیا کی 100 نامور خواتین کے حالات زندگی۔ مصنف سلیم شہاب کی شاندار روزِ محنت کا نتیجہ..... کتاب میں شامل ان خواتین کو درج ذیل سیکشن میں تقسیم کیا گیا ہے.....

خانوادہ رسول ﷺ قرونِ اولیٰ عظیم مائیں عظیم بیویاں فنِ وادب
فلاحِ عامہ و خاصہ قیادت و سادت کھیل رنگ و آہنگ بد نصیبِ خواتین

ملنے کا پتہ: روٹی پبلی کیشنز، 13-الحمد مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور 042-37243301

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

http://kitaabghar.com

فہرست

http://kitaabghar.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
(1)	جاسوسی اصطلاحات	07
(2)	پیش لفظ	09
(3)	مصنف کے بارے میں	12
(4)	جاسوسی	13
(5)	موساد	18
(6)	ملٹری انٹیلی جنس (AMAN)	33
(7)	مگ - 21 کا اغواء	35
(8)	آپریشن موبس	45
(9)	دی ملین ڈالرسپائی	50
(10)	آپریشن بے بیلون	72
(11)	اسلامک جہاد: بیروت میں ڈراؤنا خواب	85
(12)	میونخ آپریشن	91
(13)	بلیو پرنس آف میراج	106
(14)	چربو خ کی میزائل بوٹس کا اغواء	121
(15)	منسٹر آف ڈیجھ	129
(16)	شمسین سپائی	151

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

<http://kitaabghar.com>

فہرست

<http://kitaabghar.com>

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
(17)	سیریل ہائی چیکینگ	167
(18)	سلیکٹ آپریشن۔ ابو جہاد	183
(19)	آپریشن ٹائیگر	191
(20)	ہاربر انشورنس	201
(21)	لیڈی ڈیانا کا پراسرار قتل	206
(22)	تاہوت میں جاؤس	210
(23)	آپریشن پورٹیم شپ	216
(24)	روگ آپریشن	222
(25)	موساد اور راء (Raw): ٹارگٹ پاکستان	226

آپ کے اشتہار / پیغام کی جگہ

کیا آپ کتاب گھر ذریعے ہزاروں لوگوں تک اپنا پیغام پہنچانا چاہتے ہیں؟؟ کیا آپ اس جگہ پر اپنا اشتہار / پیغام دیکھنا چاہتے ہیں؟؟
 آپ اپنی کتاب، ویب سائٹ، فورم (مسیج بورڈ) کاروبار یا کسی بھی قسم کے اشتہار / پیغام کے لیے رابطہ کر سکتے ہیں۔ رابطہ کے لیے
kitaabghar.com پر موجود Contact Us فارم استعمال کیجئے یا پھر kitaab_ghar@yahoo.com پر ای میل کیجئے۔

جائوسی اصطلاحات

1. **Academy (Midrasha):** officially called the Prime Minister's summer residence, It is the mossad training school north of Tel aviv.
2. **Agent:** A widely misused term. It is a recruit not a domestic employee of an Intelligence Agency.
3. **Aman:** Military Intelligence
4. **Base country:** Where ever the Mossad has bases.
5. **Day Light:** Highest state of alert of a Mossad station.
6. **Diamond:** A unit in the Mossad that handles Communications to agents in Target countries.
7. **Fiber Intelligence:** Observations that are not Physical such as economic indicators-rumors, morale, general feelings.
8. **Horse:** A high ranking person who helps you. Institute: The formal name of the Mossad.
9. **Katsa:** Case officer of Mossad who recruits enemy agents world wide.
10. **Jumpers:** Katsas stationed in Israel who Jump into various countries on a short-term basis.

11. **Sayan:** Volunteer Jewish helpers out side Israel.
12. **Target country:** Any Arab Country.
13. **Cover:** Identity assumed by intelligence officer when abroad.
14. **Dry cleaning:** Variouse techniques to avoid surveillance.
15. **Grinder:** Debriefing room.
16. **Honey-trap:** sexual entrapment for Intelligence purposes.
17. **Legend:** bogus biography for Katsa.
18. **Bug:** electronic device for hearing and recording.



کتاب گھر کا پیغام

ادارہ کتاب گھر اردو زبان کی ترقی و ترویج، اردو مصنفین کی موثر پہچان، اور اردو قارئین کے لیے بہترین اور دلچسپ کتب فراہم کرنے کے لیے کام کر رہا ہے۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں تو اس میں حصہ لیجئے۔ ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ کتاب گھر کو مدد دینے کے لیے آپ:

- ۱۔ <http://kitaabghar.com> کا نام اپنے دوست احباب تک پہنچائیے۔
- ۲۔ اگر آپ کے پاس کسی اچھے ناول/کتاب کی کمپوزنگ (ان پیج فائل) موجود ہے تو اسے دوسروں سے شیئر کرنے کے لیے کتاب گھر کو دیجئے۔
- ۳۔ کتاب گھر پر لگائے گئے اشتہارات کے ذریعے ہمارے سپانسرز کو نوٹ کریں۔ ایک دن میں آپ کی صرف ایک وزٹ ہماری مدد کے لیے کافی ہے۔

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

پیش لفظ <http://kitaabghar.com> <http://kitaabghar.com>

مشہور برطانوی جاسوسی ناول نگار جان لی کیرے (Johnle carre) اپنی ایک کتاب "ٹینکر، ٹیلر، سولڈیئر، سپی" (Tinker, Tailor, soldier, Spy) میں لکھتا ہے۔ "ٹینکر ایجنسیاں ہمیشہ کسی ایک قوم کے تحت الشعور (Sub-conscious) کی عکاسی کرتی ہیں۔" بالکل اسی طرح اسرائیل کا خفیہ ادارہ موساد بھی ایک ذہنی بیمار اور خوفزدہ یہودی قوم کے ضمیر کی عکاسی کرتا ہے۔ یہودی ایک ایسی نسل سے تعلق رکھتے ہیں جن کی رگوں میں خوف و ہراس، نفرت بے چینی، انتقام اور سفاکی ہزاروں برس سے چلی آ رہی ہے۔ اس درندگی کی واضح جھلک موساد یا اسرائیلی آرمی کے اُن آپریشنز میں دیکھی جاسکتی ہے۔ جو انہوں نے عرصہ دراز سے نہتے فلسطینیوں کے خلاف جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ستمبر 1982ء میں دنیا بھر کے لوگوں نے نیلے ویشن، اخبارات اور میگزین میں بے گناہ فلسطینیوں کے خوفناک قتل عام کی تصاویر دیکھیں۔ مردوں، عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کی لاشیں ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ حتیٰ کہ گھوڑوں اور مویشیوں کو بھی ہلاک کیا گیا تھا۔ انتقام کا نشانہ بننے والے بعض افراد کے سروں میں گولیوں سے سوراخ کیلئے گئے تھے اور بعض کے گلے سکے ہوئے تھے۔ یہ ہولناک منظر بیروت کے دو پناہ گزین۔ کیمپوں صارفہ اور شتیلہ کا تھا۔ اسرائیلی فوجوں نے قتل عام سے قبل ان کیمپوں کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا تھا۔ پھر لہران کی کرکچین ملیشیا نے اسرائیلی ٹینکوں میں بیٹھ کر صبح پانچ بجے ان دو کیمپوں پر چڑھائی کر دی، جہاں لوگ صبح کی نماز کی تیاری کر رہے تھے اور چھوٹے بچے ابھی گہری نیند سو رہے تھے۔

موساد کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کیلئے میں نے مکی اور غیر مکی کتابوں اور انٹرنیٹ سے سہارا لینا پڑا۔ میں نے 1992ء میں اس موضوع پر مطالعہ شروع کیا تھا۔ پشاور سے نکلے اسلام آباد، لاہور اور کراچی تک میں نے کوئی جگہ سٹور یا لائبریری نہیں چھوڑی جہاں موساد کے بارے میں بیرون ملک سے کوئی کتاب در آمد کی گئی ہو۔ موساد پر سب سے مستند کتاب جو عالمی مارکیٹ میں 1990ء میں آئی وہ سابق اسرائیلی ایجنٹ وکٹر اسٹروو کی By way of Deception تھی۔ اس شخص نے موساد سے تعلق تو ذکر کر لیا تھا مگر پناہ لے لی تھی۔ اس کتاب نے دنیا بھر میں زبردست بزنس کیا تھا۔ کچھ عرصے بعد اس کا دوسرا حصہ The other side of Deception بھی شائع ہوا۔ سٹیورٹ سیٹون کی کتاب The spymasters of Israel بھی ایک اعلیٰ درجے کی کتاب مانی جاتی ہے۔ یوں بے شمار برطانوی اور امریکی مصنفین نے اس ٹاپک پر طبع آزمائی کی۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان میں کسی نے اردو یا انگریزی میں کبھی اس قسم کی کتاب نہیں لکھی ہے۔ بہر حال اگر کسی نے لکھی بھی ہو تو کم از کم مجھے وہ مارکیٹ یا کسی لائبریری میں نظر نہیں آئی۔ اردو میں البتہ ناول آپ کو بہت ملیں گے جس میں موساد کا ذکر ہوگا۔ ناول اور حقیقت میں جو فرق ہوتا ہے اس سے آپ خوب واقف ہیں۔ ناول لکھنے کیلئے آپ کو اپنی ذہنی اخترا پر انحصار کرنا ہوتا ہے۔ جبکہ ایک ریسرچ ورک کیلئے لائق اعداد حقائق کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ آپ اس میں اپنی طرف سے کوئی بات نہیں لکھ سکتے۔

<http://kitaabghar.com>

یہ کتاب لکھنے کا مقصد میرا صرف یہ تھا کہ ہم مسلمانوں کو پتہ چل سکے کہ ہمارا وہ دشمن جس کی قرآن نے نشان دہی کی ہے کس قدر ترقی کر چکا ہے اور اس کے عزائم کس قدر خطرناک اور مکروہ ہیں۔ کتاب کو غیر ضروری طوالت سے بچانے کی خاطر میں نے موساد کے تاریخی پس منظر میں زیادہ جانے سے گریز کیا ہے۔ اس کے بجائے میں نے کوشش کی ہے کہ اس کے خفیہ آپریشنز کے متعلق لکھوں جو اس ادارے نے اپنے معاون انٹیلی جنس ایجنسیوں کے ہمراہ امت مسلمہ کے خلاف کئے ہیں۔

قارئین کو کتاب میں موساد کے علاوہ اسرائیلی ملٹری انٹیلی جنس (Amman) اور شین دھ (انٹرنل سیکیورٹی سروس) کے متعلق بھی پڑھنے کو ملے گا۔ اس کے علاوہ کتاب میں تصاویر، نقشے اور خاکے ہیں اور موساد کے زیر استعمال جاسوسی اصطلاحات کی تھوڑی بہت تفصیل درج ہے۔ زیر نظر کتاب میری پہلی کاوش ہے۔ دُعا ہے کہ یہ قارئین کو پسند آئے اور مجھے آئندہ لکھنے کیلئے حوصلہ افزائی ملے۔

اس کتاب کی تکمیل میں جن دوستوں نے میرا ہاتھ تھا اور مجھے امنگ عطا کی ان کا شکریہ ادا کرنے کیلئے ذہن پر دباؤ ڈالتا ہوں مگر موزوں الفاظ گرفت میں نہیں آتے۔ پاکستان کے دور دراز شہروں میں واقع کتب خانوں کے ملازمین نے جن کے مجھے اب نام بھی یاد نہیں، میری بڑی راہنمائی کی۔ ایک لائبریری جس کا بالخصوص ذکر کروں گا وہ ہے پشاور کی پبلک لائبریری اینڈ آرکائیوز۔ اس عظیم الشان لائبریری میں کتابوں کا ایک بیش قیمت ذخیرہ موجود ہے جس میں انیسویں صدی کے برطانوی دور اور موجودہ زمانہ کی کتابوں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ اس لائبریری کے چیف لائبریرین شاہ مراد صاحب کا اگر ذکر نہ کروں تو بڑی بے انصافی ہوگی انہوں نے انتہائی خلوص سے اپنے ریفرنس سیکشن میں مختلف کتابوں اور انسائیکلو پیڈیا کی نشاندہی کر کے میری بڑی مدد کی۔ وہ ایک انتہائی فرض شناس اور لوگوں سے تعاون کرنے والے افسر ہیں۔ کتابوں سے تو ایسا پیار کرتے ہیں جیسے یہ اُن کے اپنے بچے ہوں۔ انہی کے ایک جوئیر جناب شیر افضل کا پُر خلوص تعاون بھی میں کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا جنہوں نے کتابوں کے اس سمندر میں مجھے ڈھکے ڈھونڈ کر دیں جس کی مجھے اشد ضرورت تھی۔ اسی کتب خانے کے ایک سابق رکن محمد اسماعیل نے جو آج کل پشاور یونیورسٹی میں درس و تدریس سے وابستہ ہیں، کتاب کے ابتدائی مراحل میں میری بڑی مدد کی تھی۔ میں اُن کا بھی دل سے شکور ہوں۔

ایک اور صاحب جنہوں نے میری کتاب کا مسودہ پڑھنے کے بعد میری حوصلہ افزائی کیلئے کہا تھا کہ انشاء اللہ یہ کتاب پاکستان بھر زبردست پذیرائی حاصل کرے گی، اور وہ ہیں پشاور کے سب سے بڑے اور مشہور درسی اور جرنل کتب کے سٹور، دارالادب، کے مالک اور دینی سکالر جناب سید ارشد حسن صاحب بڑے دکھ کے ساتھ یہ الفاظ لکھ رہا ہوں کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہے۔

صوبہ سرحد میں تحریک استقلال کے دیرینہ کارکن اور وائس چیئرمین رابعہ ظہور احمد کا ذکر بھی نہایت ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ اُن کے محفل سے مجھے ذوق مطالعہ نصیب ہوا اور میرے دل میں پالاکریہ کتاب لکھنے کی تحریک پیدا ہوئی۔

میں اپنی اہلیہ ام جبران کا بھی بید ممنون ہوں، جنہوں نے یہ ریسرچ مکمل کرنے کیلئے مجھے پُر سکون ماحول فراہم کیا اور کتاب کے مسودے کو کم از کم بچوں کی پہنچ سے دور رکھا۔ ایک اور صاحب کا اگر میں ذکر نہ کروں تو بڑی زیادتی ہوگی کیونکہ اُن کے بے پناہ تعاون سے اس کتاب نے حقیقت

کا روپ دھارا اور وہ ہیں اُم جبران کے بھانجے جناب مولانا حیدر علی الہیوی انہوں نے ذاتی دل چسپی سے کتاب کے مسودے کو پڑھنے کے بعد اسے کمپوز کرنے کا انتظام کیا۔ اس کے علاوہ مسودے کی تصحیح کا کام جن صاحب نے کیا وہ ہیں مولانا شمس النواس حقانی۔ ان کی کاوشوں سے کتاب نے حقیقت کا روپ دھارا۔ میں ان کا بہت ممنون ہوں۔ اور سب سے آخر میں اگر مولانا عبدالباری صاحب کے بارے میں یہ کہوں کہ اگر ان کی دعائیں شامل حال نہ ہوتی تو یہ کتاب کبھی پریس میں نہ جاتی۔

اب میں سمجھتا ہوں کہ ہاں ان تمام دوستوں کے خلوص اور محبت کی بدولت اب یہ کتاب مکمل ہے۔

کتاب گھر کی پیشکش

مشتاق جدون صوابی وال

حیات آباد 13 جولائی 2008ء

0345-9110459

0333-9231567

کتاب گھر کی پیشکش

http://kitaabghar.com

کتاب گھر کی پیشکش

http://kitaabghar.com

کتاب گھر کی پیشکش

http://kitaabghar.com

کتاب گھر کا پیغام

آپ تک بہترین اردو کتابیں پہنچانے کے لیے ہمیں آپ ہی کے تعاون کی ضرورت ہے۔ ہم کتاب گھر کو اردو کی سب سے بڑی لائبریری بنانا چاہتے ہیں، لیکن اس کے لیے ہمیں بہت ساری کتابیں کمپوز کروانا پڑیں گی اور اسکے لیے مالی وسائل درکار ہوں گے۔

اگر آپ ہماری براہ راست مدد کرنا چاہیں تو ہم سے kitaab_ghar@yahoo.com پر رابطہ کریں۔ اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے تو کتاب گھر پر موجود ADS کے ذریعے ہمارے سپانسرز ویب سائٹس کو وزٹ کیجئے، آپ کی یہی مدد کافی ہوگی۔

یاد رہے، کتاب گھر کو صرف آپ بہتر بنا سکتے ہیں۔

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

مصنف کے بارے میں

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

مشتاق اے جدون ضلع صوابی کے ایک ذور افتادہ گاؤں میں پیدا ہوئے ہیں۔ وہ بنیادی طور پر تو سائنس گریجویٹ ہیں مگر مطالعہ جاؤسی ادب (True espionage) اور آٹو بیوگرافی کا کرتے ہیں۔ حقیقی جاؤسی کے سلسلے میں موساد اُن کی پہلی جامع کتاب ہے جسے اُنہوں نے آٹھ سال کے طویل عرصے میں مکمل کیا ہے۔

وہ ایک ملٹی نیشنل فارماسیوٹیکل کمپنی میں کام کرتے ہیں۔ اُنکی دو اور کتابیں تیاری کے مراحل میں ہیں، ان میں سے ایک کا نام برطانوی راج، مہاراجہ اور ہندوستان ہے جو تقسیم سے پہلے ہندوستان کی مختلف شاہی ریاستوں کے مہاراجاؤں اور نوابوں کے دلچسپ عادات اور واقعات پر مبنی ہے، جبکہ دوسری کتاب The pathans & British face to face ہے۔ جس میں سرحد کے غیور پٹھانوں کے انگریزوں کیساتھ خنزیر معرکوں کا ذکر ہے۔ مشتاق اے جدون اپنی فیملی کیساتھ پشاور میں مقیم ہیں۔



کتاب گھر کی پیشکش

آپریشن بلیو ستار

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

نوجوانوں کے پسندیدہ ترین مصنف طارق اسماعیل ساگر کا کتاب گھر پر پیش کیا جانے والا دوسرا ناول **آپریشن بلیو ستار** کہانی ہے ایسے سرچرے آزادی کے متوالے لوگوں کی جو اپنی حریت اور آزادی کی سانس کے بدلے اپنا سب کچھ داؤ پر لگانے کو تیار ہیں۔ ہندوستان میں سکھوں کے خالصتان کی تحریک کو کچلنے کے لیے کیا گیا بدنام زمانہ فوجی ایکشن جسے آپریشن بلیو ستار کا نام دیا گیا تھا، اسی آپریشن کے بعد ہندوستان کی سابقہ وزیر اعظم اندرا گاندھی کو اسکے اپنے سکھ باڈی گارڈز نے گولیوں سے اُڑا دیا۔ ہندو اور سکھوں کی باہمی چشتل اور کشمکش کے پس منظر میں لکھا گیا یہ ناول جلد ہی کتاب گھر پر پیش کیا جائے گا۔

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

<http://kitaabghar.com> جاسوسی <http://kitaabghar.com>

Espionage

کسی ملک کے انتہائی اہم رازوں کو خفیہ طور پر یقوں سے حاصل کرنا جاسوسی (Espionage) کے زمرے میں آتا ہے۔ مختلف ملک ایک دوسرے کے خلاف جو معلومات اور اعداد و شمار اکٹھی کرتے رہتے ہیں ان میں 80 فیصد تو انہیں کھلے ذرائع ابلاغ یعنی ریڈیو، اخبارات و جرائد سے حاصل ہو جاتی ہیں۔ سیاسی اور سٹریٹجک معلومات سفیروں اور ملٹری اتاشیوں سے مل جاتی ہیں۔ لیکن انتہائی حساس اور اہم انفارمیشن اس باقی ماندہ 20 فیصد میں پوشیدہ ہوتی ہیں، اور اسی کو حاصل کرنے کیلئے جاسوس یا ایجنٹ بھرتی کئے جاتے ہیں۔ دنیا میں جاسوسی کا فعل ملکی مفادات کے تحفظ کیلئے انتہائی ضروری سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ آج کل تو ایک خود مختار ریاست کی بقاء ہی جاسوسی اداروں کی بدولت ہے۔ یہ ادارے انگریزی کے ایک مقولے "to forewarn is to fore arm" پر یقین رکھتے ہیں۔

بین الاقوامی قانون کے تحت ہر ملک کو حالت جنگ میں حق حاصل ہے کہ وہ اپنے دشمن ملک کی جاسوسی کرے۔ 1907ء کے ہیک کنونشن کے آرٹیکل 29 میں جاسوس کی کچھ یوں تعریف کی گئی ہے۔

"a person can be considered a spy only when, he is collecting information clandestinely or under false pretenses. A uniformed Soldier in enemy territory for example, is not a spy, but if he wears civilian clothes to collect information he is a spy."

جاسوسی کا پیش ہزاروں سال پرانا ہے۔ سکندر اعظم اپنے دشمنوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لئے جاسوسوں سے مدد لیتا تھا۔ قدیم مصر کے فرعون تو تنخامن کی وفات (1324 ق م) کے بعد اُس کی بیوہ ملکہ نے ہسائے ملک کے بادشاہ کو خط لکھا کہ مجھے اپنا ایک بالغ بیٹا بھیج دو میں اُس کیساتھ شادی کر کے اُسے مصر کا بادشاہ بنانا چاہتی ہوں۔ لیکن اُس بادشاہ نے بیٹے کے بجائے ایک جاسوس کو مصر روانہ کیا۔ تاکہ وہ ملکہ کی پیشکش کا حقیقی پس منظر معلوم کرے۔ اسی طرح چنگیز خان نے بھی بارہویں صدی میں اپنے دشمن جاسوسوں کی مدد سے ایشیاء کے بیشتر ممالک کو روند ڈالا تھا۔ سیکرٹ سروس یا جاسوسی ادارے ایک ملک کے حساس دستاویزات یا تنصیبات کے متعلق معلومات اکٹھی کرنے کیلئے ایجنٹ بھرتی کرتے ہیں جنہیں وہ اپنی مخصوص زبان میں sources یا assets کہتے ہیں۔ یوں ان خفیہ اہل کاروں کا ایک جال یا نیٹ ورک نارگٹ ملک میں پھیلا یا جاتا ہے۔ متعلقہ ملک میں انجینیئر کا ایک شخص جسے ٹرینیشن چیف کہتے ہیں ان ایجنٹوں سے معلومات اکٹھی کر کے اپنے ملک بھیج رہتا ہے۔

ایجنٹوں کی بھرتی مختلف طریقوں سے کی جاتی ہے۔ اکثر افراد بیوس کے لالچ میں آکر ان کیلئے کام کرتے ہیں۔ کچھ نظریاتی یا مذہبی وابستگی کے جذبے سے سرشار رضا کارانہ طور پر کام کیلئے تیار ہو جاتے ہیں ایسے جاسوسوں کو Walk-In جاسوس کہتے ہیں کیونکہ انہیں کسی قسم کی ترغیب یا لالچ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

بعض لوگوں کو تو بلیک میلنگ یا ڈراہم کا کر پھنسا یا جاتا ہے لیکن یہ طریقہ کار خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ بھرتی کرنے والا شخص ایک تو غیر ملکی سرزمین پر کام کر رہا ہوتا ہے۔ وہ جسے پھانسنے کی کوشش کر رہا ہوتا ہے وہ کسی بھی وقت مقامی پولیس نشین پہنچ کر حکام کو ساری صورت حال بتا سکتا ہے۔

بھیس (Cover)

جاسوس عموماً مختلف بھیس بدلتے رہتے ہیں۔ وہ ٹارگٹ ملک میں تاجر، صحافی، یا سفارت کار کی حیثیت میں خفیہ سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہیں۔ ایک سفارت کار اگر جاسوسی کرتے ہوئے پکڑا جائے تو اسے سفارتی مدافعت (diplomatic immunity) کی وجہ سے گرفتار تو نہیں کیا جاسکتا لیکن اُسے متعلقہ ملک ناپسندیدہ شخص (persona non grata) قرار دیکر ملک سے نکل جانے کا حکم دیتا ہے۔ لیکن عام افراد کو اس جرم کی کڑی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔

Concealment

جدید دور میں جاسوسی آلات اور ہتھیار اور انٹیلے جنس ڈینا چھپانے کیلئے نئے طریقے استعمال ہوتے ہیں۔ جاسوسی آلات میں زیادہ تر منی ایچچو miniature ریڈیو ٹرانسمیٹر، کیمرے، ویڈیو کیمرے، شپ ریکارڈر، مائیکروفون وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔ خفیہ رپورٹ یا ڈینا کو مائیکرو ڈاٹ میں تبدیل کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجا جاتا ہے۔ مائیکروفونو گرافی کے ذریعے ایک پورے صفحے کی عبارت کو ایک بار ایک نقطے میں بدل دیا جاتا ہے۔ اب یہی نقطہ ایک عام خط کی عبارت میں چپا کر بھیج دیا جاتا ہے جسے کوئی بھی با آسانی دریافت نہیں کر سکتا۔

مائیکروفلیس عام گھریلو استعمال کی چیزوں مثلاً ریڈرپ سنک وغیرہ میں چھپائی جاسکتی ہیں۔ جاسوسی خطوط ایسی روشنائی سے لکھے جاتے ہیں جو عام نظر میں کسی کو دیکھا نہیں دیتے ہیں۔ اسے لہبار ٹری میں باقاعدہ کیمیکل کی مدد سے ڈی ویپ کر کے پڑھا جاتا ہے۔

نگرانی (Surveillance)

ہر ملک میں ایک شعبہ انسداد جاسوسی ہوتا ہے جو غیر ملکی جاسوسوں کی خفیہ سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھتے ہیں انہیں پتہ نہیں ہوتا کہ کوئی ان کی مسلسل نگرانی کر رہا ہے اور بالآخر پکڑے جاتے ہیں۔ اگر اس شعبہ کو کسی جاسوس کے ٹھکانے کا پتہ چل جاتا ہے تو وہ اس کے بیڈروم میں خفیہ آلات نصب کر دیتے ہیں جس میں ایسے نسخے نئے کیمرے ہوتے ہیں جو گھپ اندھیرے میں بھی تصاویر اتار لیتے ہیں اس میں انفراریڈ لائٹ استعمال ہوتی ہے جو کسی کو نظر نہیں آتی۔

انفراریڈ سنائر سکوپ (Infrared military Snifer Scope) جو امریکہ نے ویت نام کی جنگ میں استعمال کئے تھے اس کی

مدد سے اندھیرے میں با آسانی دیکھا جاسکتا ہے۔

کوڈز اور سائفرز: Codes & Ciphers: خفیہ مراسلوں اور اطلاعات کیلئے جاسوس کوڈز اور سائفرز ciphers استعمال کرتے ہیں۔ وہ خفیہ پیغامات میں عام الفاظ کی جگہ عدد سے، اشکال یا اُلٹے حروف چمبی استعمال کرتے ہیں جو دیکھنے میں بے معنی تحریر ہوتی ہے اور کسی دوسرے شخص کی سمجھ سے بالاتر ہوتے ہیں

اس کوڈ کو با آسانی توڑا (Break) نہیں کیا جاسکتا۔ کوڈ یا سائفر کو توڑنے کیلئے متعلقہ ایجنسیوں کے پاس باقاعدہ "Key" ہوتی ہیں۔ کوڈ کو پڑھنے یا توڑنے کے عمل کو جاسوسی اصطلاح decryption or de-ciphering کہتے ہیں۔ یہ عمل جدید دور میں کمپیوٹرز سے کیا جاتا ہے۔

Interception or Code-breaking

جیسا کہ سائفرز خفیہ پیغامات کو پیچیدہ اور پُر اسرار بناتا ہے اگر یہ چیز دشمن کے ہاتھ لگتی ہے تو وہ اسے پڑھنے کیلئے پہلے اس کی متعلقہ "Key" دریافت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسے کام کیلئے انٹیلی جنس ایجنسیاں ایسے اشخاص کو بھرتی کرتے ہیں جنہیں کوڈ بریکر یا Cryptanalyst کہتے ہیں۔ دوسری جنگ عظیم میں برطانوی سیکرٹ سروس نے جرمنی کے کپڑے گئے خفیہ پیغامات کو توڑنے کیلئے پانچ ہزار کوڈ بریکر بھرتی کئے تھے۔ جو روزانہ دو ہزار کوڈ لیز کا عقدہ کھولتے تھے۔

1941ء میں امریکی سائفر انکپرسٹس نے جاپان کے ایک خفیہ پیغام کا کوڈ فاش کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے جس میں ایک امریکی بحری اڈے پر حملے کا ذکر تھا اگر وہ اڈے کا نام اور حملے کی صحیح تاریخ اور وقت معلوم نہ کر سکے پھر جاپانیوں نے سات دسمبر کو پل ہاربر (ہوائی جزیرے) پر اچانک حملہ کر کے اسے تباہ کر دیا تھا جس میں 2300 امریکی ہلاک ہوئے اور یوں امریکہ کو مجبوراً دوم جنگ عظیم میں شامل ہونا پڑا۔ کوڈ بریکنگ Code breaking کے فن میں ہر برٹ اوسبورن (1889-1958) کا نام اول جنگ عظیم میں بے حد مشہور ہوا۔ اس نے جنگ عظیم اول میں امریکیوں کیلئے کام کیا۔ غیر ملکی انٹیلی جنس مواد پڑھنے کیلئے اس نے یو ایس آرمی میں ایک شعبہ Black Chamber کے نام سے قائم کیا۔

Double agents & Defectors

اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک جاسوس بظاہر اپنے ملک سے فرار (defect) ہو کر دشمن ملک میں سیاسی پناہ لے لیتا ہے۔ اور پھر انہی کیلئے اپنے ملک کے خلاف جاسوسی کرنے لگتا ہے درحقیقت وہ ڈبل ایجنٹ ہوتا ہے وہ میزبان ملک کے راز با آسانی چوری کر کے اپنے ملک بھیجتا رہتا ہے۔ لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایسے افراد پر میزبان ملک اعتبار نہیں کرتے، اُسے جھوٹ موٹ کے راز اور انفارمیشن دیکر ورغلا یا جاتا ہے وہ اپنے ملک کی انٹیلی جنس سروس کو یہ جعلی معلومات دیکر کنفیوژ کرتا رہتا ہے۔ ایسے شخص کو جو دشمن ملک میں پناہ لیتا ہے انگریزی اصطلاح میں defector کہتے ہیں۔ ایک قدیم چینی سپہ سالار سن زو (sun tzu) نے چوتھی صدی عیسوی میں اپنی کتاب: فن حرب: (The Art of war) میں سب

سے پہلے ڈبل ایجنٹ کے متعلق لکھا۔ اُسے اس قسم کے جاسوس کیلئے doomed spies یعنی تباہ شدہ جاسوس کا لفظ استعمال کیا۔

ہیرولڈ فلیسی (Harold Philby) (1912-88) 1930ء کی دہائی میں برطانوی سیکرٹ سروس (mi-6) کا ایجنٹ تھا۔ اس نے تیس سال اس ادارے میں جاسوسی کے مختلف آپریشن اور سرگرمیوں میں حصہ لیا۔ اپنے کیریئر کے دوران اس کا رویہ جاسوسی ادارے کے جی۔ بی۔ (KGB) کیساتھ درپردہ روابط قائم ہوئے اور وہ ڈبل ایجنٹ بن گیا۔ کچھ عرصہ بعد وہ 1970ء میں فرار ہو کر ماسکو پہنچا جہاں اسے سیاسی پناہ مل گئی۔ روسیوں نے اس برطانوی جاسوس کا والہانہ استقبال کیا۔ اسے پیشین اور رہنے کیلئے عالی شان بنگلہ دیا گیا۔ اس کے علاوہ اسے اعلیٰ ترین روسی اعزاز (order of the red Banner) بھی عطا کیا گیا اس واقعے سے اٹھارہ سال قبل برطانوی بادشاہ جارج پنجم نے اُسے آؤر آف دی برٹش ایمپائر عطا کیا تھا۔ اولیگ گورڈیوکی لندن میں کے جی بی کا کٹیشن چیف تھا۔ وہ برطانیہ میں روس کیلئے خفیہ سرگرمیوں میں ملوث رہا تھا لیکن 1966ء کے بعد وہ برطانوی سیکرٹ سروس کیلئے بھی اپنے ہی ملک کے خلاف جاسوسی کرنے لگا تھا۔ وہ سویت سسٹم سے سخت بیزار ہو چکا تھا۔

1985ء میں اُس نے اچانک سیاسی پناہ کیلئے برطانوی حکام سے رجوع کیا کیونکہ وہ کے۔ جی۔ بی کے دیگر کارندوں کی نظر میں آ گیا تھا جواب اُس کی نگرانی کر رہے تھے۔ اُس نے بعد میں کے جی بی کے متعلق اپنی یادداشتوں پر مبنی ایک کتاب شائع کی۔ آرکیڈی شیوچنکو اقوام متحدہ میں روسی مشن کی طرف سے بطور ایڈریٹر جزل کام کر رہا تھا۔ اسی دوران میں سی آئی اے کیساتھ اس کا رابطہ ہوا اور کچھ عرصہ بعد 1984ء میں ایک روز اس نے روسی مشن سے نکل کر نیویارک میں سی آئی اے کے ایک آفس میں پناہ لی۔

یہ شخص روسی تاریخ میں سب سے اعلیٰ ترین عہدہ دار تھا جس نے فرار ہونے کا فیصلہ کیا تھا ورنہ چھوٹے موٹے سرکاری اہل کار تو اکثر مغرب فرار ہوتے رہتے تھے۔ آرکیڈی نے بھی امریکہ سے اپنی کتاب شائع کی (breaking with moscow) جس نے لاکھوں ڈالر کا بزنس کیا۔

خفیہ ہتھیار Secret Weapons

جاسوسی اداروں کا ماضی ہمیشہ خونیں رہا ہے۔ زمانہ جنگ میں جاسوس اپنی خفیہ سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہیں لیکن امن کے وقت بھی یہ لوگ فارغ نہیں بیٹھتے، یہ لوگ اپنے ملک کے مخالفین کی قتل و غارت گری کرتے رہتے ہیں۔ خاص کر سرد جنگ کے خاتمے کے بعد وارسا پیکٹ اور نیٹو کے ملک ایک دوسرے کے اہم سیاسی لیڈروں کو خفیہ ہتھیاروں سے قتل کرنے لگے۔

مثلاً امریکی سی آئی اے نے کیوبا کے صدر فیڈرل کاسٹرو پر دوبارہ بار بار کام قاتلانہ حملے کرائے۔ ایک بار انہوں نے کسی طرح اس کے مخصوص سگاریں خطرناک بیکٹیریا انجکٹ کر دیے تھے۔ دوسری مرتبہ جب وہ سمندر میں تیراکی کر رہا تھا تو بڑے ایک ٹیوب میں طاقتور بم نصب کر کے اس کی طرف بھادیا گیا جو اس کیساتھ ٹکراتے ٹکراتے رہ گیا تھا ورنہ اس کے پرچے اڑ جاتے۔ بلغاریہ کا ایک سیاسی مخرب فرار ہو گیا تھا۔ جارجی مارکوف نے ایک بار بی بی سی سے اپنے ملک کی قیادت پر سخت تنقید کی تو بلغاریہ کی سیکرٹ سروس نے اُسے ٹھکانے لگا دیا۔

وہ 1978ء میں لندن میں ایک گلی سے گزر رہا تھا کہ اچانک اس نے اپنی گردن میں سخت جھنم محسوس کی۔ اس نے مڑ کر دیکھا کہ ایک

شخص سر پر چھتری کھولے تیزی سے ایک گلی میں غائب ہو گیا۔ مارکوف فوراً ہسپتال پہنچا۔ وہ تین دن سخت بخار میں مبتلا رہنے کے بعد مر گیا۔ اس کے قاتل نے ایک مخصوص قسم کی چھتری کی نوکیلی سائیز سے ایک جھرافاڑ کیا تھا جو ایک مہلک زہر سے بھرا ہوا تھا۔

کیونٹ روس کی خفیہ سروس کے جی بی کے ایجنٹ بعض اوقات اپنے ہدف کو ختم کرنے کیلئے اپنے ناول سگریٹ کیس میں ایسا سگریٹ رکھتے تھے جسے سلاگ کر وہ کچھ دیر پیتے تھے پھر ایک مخصوص وقفے کے بعد سگریٹ کا زرخ اس شخص کی طرف کر دیتے تھے سگریٹ کے جلتے ہوئے دھانے سے ایک انتہائی باریک سوئی جس میں سائیکل زہر بھرا ہوتا تھا، نکل کر اپنے ٹارگٹ کے بدن میں پوسٹ ہو جاتی تھی جس سے وہ غن فین میں وہیں ڈھیر ہو جاتا تھا۔ مزے کی بات یہ تھی کہ جی بی کے لیبارٹری میں تیار شدہ اس زہر کو دنیا کی کوئی لیبارٹری مقتول کے جسم سے پوسٹ مارٹم کے دوران برآمد نہیں کر سکتی تھی۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com> (Spies in fiction)

جاسوسی کے پیشے میں سنسنی خیزی کا وہ تمام تر سامان موجود ہوتا ہے جو ایک افسانے، ناول یا فلم میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ایک امریکی مصنف James Fenimore (1789-1851) نے انیسویں صدی میں اس موضوع پر پہلا ناول (the spy) لکھا، لیکن اس قسم کے ناولوں نے انیسویں صدی کے آخری سالوں میں بڑی شہرت حاصل کی۔ دنیا کے چند بہترین مصنف بذات خود جاسوسی کے پیشے سے منسلک رہ چکے ہیں۔ مثلاً مشہور زمانہ فلمی کردار جیمز بانڈ کے خالق Ian Fleming دوم جنگ عظیم کے دوران میں برطانوی نیول انٹیلی جنس کیلئے کام کرتا تھا۔ جان لی کیرے (Jhonle Carr) جو متعدد عالمی شہرت یافتہ جاسوسی ناولوں کا مصنف ہے۔ برطانوی جاسوسی اداروں Mi-5 اور Mi-6 میں ملازمت کر چکا ہے۔ ہالی ووڈ نے ان دونوں مصنفوں کی تحریروں کو کامیاب ترین فلموں میں ڈھال کر عالمی سطح پر پیش کر کے کروڑوں ڈالر کمائے۔ اس کے علاوہ بھی کئی لوگوں نے اس موضوع پر کتابیں لکھ کر خوب دولت کمائی مثلاً Len Deighton اور Frederick Forsyth کی کتابیں کئی ملین کی تعداد میں چھپ کر پوری دنیا میں بکتی ہیں بلکہ ان کے کئی زبانوں میں ترجمے بھی چھپتے ہیں۔



خوفناک جنگل

دلیر مجرم کی بے پناہ پذیرائی کے بعد پیش خدمت ہے ابن صفی کی جاسوسی دنیا سیریز کا دوسرا ناول..... **خوفناک جنگل**۔ ایک پراسرار اور خوفناک جنگل جہاں عجیب و غریب واقعات ہوتے تھے اور لاشیں برآمد ہورہی تھیں۔ لوگوں کا خیال تھا کہ یہ بھوتوں کی کارگزاری ہے۔ حمید اور فریدی کس طرح اس راز سے پردہ اٹھاتے ہیں، معلوم کرنے کے لیے پڑھیے **خوفناک جنگل**۔

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

موساد (Mossad)

<http://kitaabghar.com>

دنیا کی تمام انٹیلیجنس ایجنسیوں میں موساد سب سے زیادہ خفیہ اور پُر اسرار ہے۔ موساد دراصل عبرانی زبان کی ایک عبارت کا مخفف ہے جس کا انگریزی میں کچھ یوں ترجمہ ہوتا ہے۔

ڈیوڈ بن گوریان نے رکھی تھی۔ کہتے ہیں کسی۔ آئی۔ اے ایک ایجنسی ہے اس کے کارندے اسے "The company" کہتے ہیں، برطانوی اپنی سیکرٹ انٹیلیجنس سروس (SiS) کو "the firm" کہتے ہیں جبکہ اسرائیلی اپنے خفیہ ادارے کے بارے میں کچھ یوں کہتے ہیں۔

"Mossad is an Institute, academic & Scientific, combined with the firepower back of Special services." موساد کیوں اس قدر خفیہ اور پُر اسرار ہے۔ اس کا سیدھا سادہ جواب یوں ہے کہ اسرائیل چاروں طرف سے عربوں میں گھری ہوئی ایک ایسی ناجائز ریاست ہے جسے ہر لمحہ اپنی بقاء کی فکر لاحق ہے۔ اس کے شہری عرب آبادی سے خوف زدہ ہیں۔ یہاں ہمیشہ حالت جنگ کی کیفیت طاری رہتی ہے۔ خوف و ہراس یہودی قوم کو روٹے میں ملی ہے۔ یہاں ہر فرد کچھ لیٹھ کہ نفسیاتی عارضے یعنی Paranoia سے دوچار ہے۔ ہزاروں سال سے یہودی دھتکارے گئے ہیں۔ دوم جنگ عظیم کے دوران ہٹلر نے ساٹھ لاکھ یہودیوں کو اپنی ڈکھ فیکٹری کے نذر کیا جو جھگ گئے وہ آج اسرائیل میں آباد ہیں۔ اور اپنی نئی نسلوں کو ان ہولناک دنوں کی داستانیں سناتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر یہودی ہمیشہ ڈراؤنے خواب دیکھتے رہتے ہیں۔ اور نیند سے ہڑبڑا کر جاگتے ہیں۔ یہ نفسیاتی بیماری حکمران طبقے میں بھی پھیلی ہوئی ہے جس کی بنا پر ان کی سوچ اور حرکات بالکل abnormal رہتی ہے۔ اسرائیل مختلف جاسوسی اداروں کے ایک پیچیدہ جال میں لپٹا ہوا ہے۔ اس کے طرز حکومت کو اگر Spyocracy کہا جائے تو بے جا نہیں ہوگا۔

بہت عرصہ پہلے جرمنی کے ایک یہودی سائنسدان نے پیشن گوئی کی تھی کہ: ایک زمانہ آئے گا جب چھوٹی ریاستوں کی دفاعی صلاحیت کا انحصار صرف علم (Knowledge) پر ہوگا: آج اسرائیلیوں کیلئے یہ بات تو رات سے آیت سے کم نہیں ہے۔ اسرائیل اپنی جدید ترین انزوفرس، نیوی اور آرٹلری سے زیادہ موساد پر بھروسہ کرتا ہے کیونکہ یہ ادارہ اُسے بروقت انتہائی اہم معلومات فراہم کرتا ہے۔ اسرائیل کے اندر اس ادارے میں کام کرنے والے لوگ کبھی اس کا نام زبان پر نہیں لاتے اگر کوئی اُن سے پوچھے بھی تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم وزارت دفاع میں ملازم ہیں۔

ہر سال بجٹ میں ایک خفیہ رقم اس کی خفیہ کارروائیوں کیلئے مختص کی جاتی ہے۔ اس کے ڈائریکٹر کا عہدہ آرمی کے جنرل کے مساوی ہوتا ہے۔ اور وہ براہ راست وزیراعظم کو رپورٹ کرتا ہے۔ ملک کے کسی اخبار، جریدے یا دیگر ذرائع ابلاغ میں اس کا نام ظاہر نہیں ہوتا ہے۔ موساد کا

اپنا ایک موٹو ہے۔ "By way of deception thou shalt do war" اسرائیلی منورخ موساد کی اصل ابتداء کو ہزاروں سال پیچھے حضرت موسیٰ کے ایک ٹولے سے جوڑتے ہیں جس کا ذکر تورات میں کچھ یوں درج ہے۔

"And Moses sent them to spyout the Land of cananand see the land what it is the people that dwell there in, weather they be strong or weak or many". (Numt xiii 17-18)

یوں وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہودیوں میں جاسوسی کی روایت انتہائی قدیم زمانے سے چلی آ رہی ہے۔ امریکی جریدے "Time" کے مطابق سی آئی اے، برطانوی سیکرٹ سروس اور فرنچ انٹیلے جنس ایجنسی (DGSB) کے بعد دنیا میں اگر کوئی منورخ اور منظم خفیہ ادارہ ہے تو وہ یقیناً موساد ہے۔

اس میں ملازمت کیلئے اسرائیلی شہری از خود درخواست نہیں دے سکتے بلکہ یہ ادارہ خود ہی ملک کی یونیورسٹیوں، کالجوں اور دفاعی محکموں سے موزوں افراد کو چن لیتا ہے۔ اس کے باقاعدہ ملازم کو عبرانی میں Katsa کہتے ہیں جس کا مطلب کیس آفیسر ہے۔ صرف اسرائیلی یہودی Katsa بن سکتا ہے۔

ایک اندازے کے مطابق یہ افسر تعداد میں محض 35 (پننتیس) ہیں۔ یہ لوگ اپنی خفیہ سرگرمیوں کیلئے دنیا کے مختلف ملکوں میں ایجنٹ بھر تی کرتے ہیں۔ ہر کسٹا صرف بیس ایجنٹوں کو کنٹرول کرتا ہے، پھر ہر ایجنٹ آگے سب ایجنٹ Sub-agent رکھتا ہے۔ اس طرح ہزاروں سب ایجنٹ دن رات موساد کیلئے سرگرم رہتے ہیں۔ کسٹا کی ماہانہ تنخواہ ملک کے مروجہ سرکاری سکیل کے مطابق ہوتی ہے۔ انہیں خطرناک مہم کے دوران اضافی الاؤنس بھی دیا جاتا ہے۔ ایک ایجنٹ کو او۔ سٹین ہزار امریکی ڈالر ماہانہ تنخواہ اور تقریباً اتنا ہی بونس دیا جاتا ہے۔ بعض تو اس سے بھی کئی گنا زیادہ کمایتے ہیں۔ اس کا انحصار اُس کی فراہم کردہ انٹیلے جنس رپورٹ کی کوالٹی پر ہوتا ہے۔ مثلاً امریکی نیول انٹیلے جنس کا ایک یہودی اہل کار جو نا تھن پولارڈ ماہانہ 2500 ڈالر لیکر کافی عرصہ موساد کیلئے جاسوسی کرتا رہا۔ اس نے اسرائیل کو سی آئی اے کی چند حساس فائلیں فراہم کی تھیں۔ یہ فائلیں پاکستان، تیونس، لیبیا، ترکی اور سعودی عرب کے انٹرنیٹس سسٹم کے بارے میں تھیں۔ اس کے علاوہ اُس نے امریکہ کے جدید ہتھیاروں کی ٹیکنالوجی کے بارے میں بھی انتہائی قیمتی راز چوری کر کے اسرائیل کے حوالے کئے۔

وہ بالآخر ایک دن امریکی محکمہ رِسنائی FBI کے ہتے چڑھ گیا۔ اُس پر ایک عدالت میں جاسوسی کے الزام میں مقدمہ شروع ہوا تو موساد نے اس کے اخراجات کے لئے درپردہ دولاکھ ڈالر فراہم کئے۔ لیکن وہ پھر بھی سزا سے بچ نہ سکا۔ وہ اب ایک امریکی جیل میں عرقید کاٹ رہا ہے۔ جو نا تھن کی فراہم کردہ معلومات کے بل بوتے پر اسرائیلی انفرس کے لڑاکا طیاروں نے ستمبر 1985ء میں بحیرہ روم کو عبور کر کے تیونس میں پی ایل او کے ہیڈ کوارٹر کو تباہ کر دیا تھا۔ اس حملے میں پی ایل او کے ساتھ اہم عہدیدے دار ہلاک اور زخمی ہوئے۔ صرف ایجنٹوں کی ماہانہ تنخواہ پر موساد پندرہ ملین ڈالر خرچ کرتی ہے۔ اس کے علاوہ ایجنٹوں کیلئے محفوظ پناہ گاہوں اور گاڑیوں پر بھی لاکھوں ڈالر لگتے ہیں۔ ایک کسٹا اپنے ایجنٹوں کو ڈنریا

لج کھلانے کیلئے یومیہ ایک ہزار ڈالر خرچ کر سکتا ہے۔

یوں موساد اپنے تمام کٹسا کے اخراجات کیلئے یومیہ 35 ہزار ڈالر فراہم کر رہا ہے۔ بیرون ملک ایجنٹوں کی تعداد ایک اندازے کے مطابق 35 ہزار کے لگ بھگ ہے جن میں پندرہ ہزار Sleepers ہیں وہ گنجل ملتے ہی حرکت میں آتے ہیں۔ ایجنٹ دو طرح کے ہوتے ہیں، بلیک ایجنٹ عرب باشندے کو جبکہ وائٹ ایجنٹ کسی بھی غیر عرب کو کہتے ہیں۔ بلیک ایجنٹوں میں کچھ واریٹنگ ایجنٹ ہوتے ہیں جو عرب ملکوں میں رہتے ہیں۔ اور اسرائیل کو وقت فوقتاً متعلقہ ملک کی جنگی تیاریوں کے بارے میں خبر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر شام کے کسی ہسپتال میں کوئی ڈاکٹر، نرس، ڈسپینسر وغیرہ ہسپتال کی فارمیسی میں دواؤں اور مرہم بیڈوں کی سپلائی میں اچانک تیزی نوٹ کرتا ہے، یا نیول بیس (Naval Base) میں کام کرنے والا کوئی شخص جنگی جہازوں کی نقل و حرکت میں غیر معمولی سرگرمی محسوس کرتا ہے تو اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ ملک جنگی تیاریوں میں مصروف ہے۔ یہ اہم اطلاع اسی روز قل ایب میں موصول ہو جاتی ہے۔

اسرائیل سے باہر عرب، یورپ، امریکہ اور افریقہ میں آباد یہودی اکثر موساد کیلئے رضا کارانہ طور پر کام کرتے ہیں۔ ایسے یہودی رضا کار کو موساد کی زبان میں "Sayan" کہتے ہیں۔ یہ لوگ اگرچہ اسرائیلی شہریت کے حامل نہیں ہوتے مگر موساد ان تک رسائی کیلئے اسرائیل میں آباد ان کے رشتہ داروں سے مدد لیتا ہے۔ انہیں قائل کیا جاتا ہے کہ وہ یہودی نسل کی بقاء کیلئے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ یہ افراد مذہبی فریضہ کے طور پر موساد کی مدد کرتے ہیں۔

یوں دنیا میں ایسے ہزاروں رضا کار سرگرم عمل ہیں۔ صرف لندن میں دو ہزار یہودی رضا کار ہیں جبکہ پانچ ہزار لسٹ پر ہیں انہیں کسی بھی لمحے بلایا جاسکتا ہے۔ وہ موساد کے کسی آپریشن میں مختلف طریقوں سے مدد کرتے ہیں۔ مثلاً ایک یہودی جو کرائے کی کاروں اور گاڑیوں کی ایجنسی چلا رہا ہے وہ موساد کے کسی ایجنٹ کو بوقت ضرورت کا فراہم کر سکتا ہے۔ اور کار دیتے وقت فارم بھرنے کی زحمت نہیں دیتا۔ مکانوں کا کاروبار کرنے والا سیان (Sayan) محفوظ پناہ گاہ فراہم کرتا ہے۔ بینک میں کام کرنے والا آپ کو کسی بھی وقت سرمایہ فراہم کر سکتا ہے۔

یہودی رضا کار ڈاکٹر زنجی ایجنٹ کا علاج کرتا ہے، پولیس کو اس کی خبر تک نہیں ہونے دیتا۔ اس کے علاوہ اگر دوران آپریشن اسرائیلی ایجنٹ کو ضرورت پیش آئی کہ وہ الیکٹرک شوکر کا مالک نظر آئے۔ اسی برنس میں کسی رضا کار کو محض فون کر دے گا تھوڑی ہی دیر میں وہ پچاس ٹی وی، دو سووی۔ سی۔ آر وغیرہ اس کی بلڈنگ میں پہنچا دے گا۔ اور یوں اس کے پاس تین سے چار ملین ڈالر مالیت کا شاک جمع ہو جائے گا۔ یورپ میں موساد کی سرگرمیاں اکثر زیادہ ہوتی ہیں۔ موساد کے ایجنٹ جو تاجروں کے روپ میں کام کر رہے ہوتے ہیں، وہ امریکہ میں اپنا ایڈریس یا فون نمبر ظاہر کرتے ہیں۔ یہ بچے اور فون نمبر دراصل یہودی رضا کاروں کے ہوتے ہیں۔ اگر پولیس چیکینگ کیلئے کبھی ان چوں پر رجوع کرے تو انہیں پتہ ہوتا ہے کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ یہودی رضا کاروں کو استعمال کرنے میں اکثر مسائل بھی پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً وہ متعلقہ ملک میں کسی بھی وقت گرفتار ہو سکتے ہیں۔ موساد اس کی پروا نہیں کرتی۔ کیونکہ اس کا مقصد ہے کہ ان یہودیوں کو اگر کوئی مشکلات پیش آتی ہیں تو وہ اسرائیل منتقل ہو سکتے ہیں۔ ویسے بھی اسرائیلی آئین Law of Return کی شق موجود ہے۔ جس کے مطابق دنیا میں آباد تمام یہودی خاندانوں کو کھلم کھلا اجازت ہے

کہ وہ جب چاہیں آباد کاری کیلئے اسرائیل آ سکتے ہیں۔

موساد کے کیدئس کی ابتدائی تربیت کا دورانیہ ایک سال ہوتا ہے جس میں اسے جاسوسی کے بنیادی کورس کرائے جاتے ہیں۔ کوڈز (Codes) ہینڈلنگ کا استعمال، سیلف ڈیفنس اور کسی کی گہرائی (Surveillance) کرنا۔ غیر ملکی زبانوں کا جاننا لازمی ہوتا ہے، خصوصاً عربی پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ اکیڈمی میں انہیں سختی سے بتایا جاتا ہے کہ وہ باہر جا کر: موساد کا نام ہرگز نہیں استعمال کریں گے۔ وہ پوچھنے والوں کو صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ وہ وزارت دفاع میں کام کرتے ہیں۔ ملٹری ٹرینینگ کے دوران انہیں انرفورس اور نیوی کے جدید ترین ہتھیاروں (ٹینک، میزائل، راکٹ وغیرہ) کے متعلق تفصیلی کورس کرایا جاتا ہے۔ ارد گرد کے عرب ملکوں کی سیاسی، سماجی، اقتصادی اور مذہبی حالات سے روشناس کرایا جاتا ہے۔ دوران تربیت یا بعد میں اگر کوئی شخص اچانک فیصلہ کر لے کہ وہ مزید کام کرنا نہیں چاہتا تو موساد اُسے زبردستی نہیں روکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیزاری کے عالم میں ایک جاسوس عموماً بے پروا ہو جاتا ہے یا وہ دشمن کے ہاتھ لگ کر ڈبل ایجنٹ بن جاتا ہے۔

بیرون ملک اسرائیلی سفارت خانوں میں موساد کے سٹیشن ہوتے ہیں جس میں کٹسا (Katsa) بطور سٹیشن چیف کام کرتے ہیں۔ ان کا کام یہودی رضا کاروں (Sayan) اور ایجنٹوں کو کنٹرول کرنا ہوتا ہے۔ کٹسا عموماً سفارت کار کے روپ میں ہوتے ہیں۔ اس حیثیت میں انہیں سفارتی مدافعت (diplomatic immunity) حاصل ہوتی ہے لہذا جاسوسی کے الزام میں گرفتاری سے مبرا ہوتے ہیں۔ ٹارگٹ ملکوں (عرب ممالک) میں موساد کے سٹیشن نہیں ہوتے۔ لیکن اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا، اسرائیل اپنی سرحدوں سے باہر پوری دنیا کو اپنا ٹارگٹ سمجھتی ہے، جس میں یورپ اور امریکہ بھی شامل ہیں۔ جیسا کہ سب کو پتہ ہے اکثر عرب ملک جنگی ہتھیار خود نہیں بنا سکتے، ان کے ہاں اکثر ہائی لیول ملٹری کالج اور ادارے بھی نہیں ہیں۔ اگر آپ کسی شامی سفارت کار کو اپنا آلہ کار بنانا چاہتے ہیں تو اس کیلئے آپ کو دمشق جانے کی ضرورت نہیں ہے، اسے آپ پیرس میں با آسانی خرید سکتے ہیں۔

اگر آپ کو کسی عرب ملک کے میزائل سسٹم کے بارے میں معلومات درکار ہیں تو آپ کو پیرس، لندن یا امریکہ رجوع کرنا چاہئے جہاں یہ تیار ہوتے ہیں سعودی ڈیفنس سسٹم کے متعلق آپ کو سعودیوں سے اتنی معلومات نہیں ملے گی جتنی آپ کو امریکیوں سے دستیاب ہوگی۔ سعودیوں کے پاس کیا ہے؟ ایواکس (Awacs)۔ یہ بوئینگ کمپنی نے بنائے ہیں اور بوئینگ امریکی فرم ہے۔ لہذا موساد کو عربوں کے متعلق معلومات اکٹھی کرنے میں دقت پیش نہیں آتی۔ اگر انہیں عرب فوج کے کسی سنیز افر کو ریکورڈ کرنا ہو تو یہ بھی کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ یہ افسر اکثر انگلینڈ یا امریکہ میں ٹرینینگ کیلئے آتے رہتے ہیں۔ اُن کے پائلٹ فرانس، برطانیہ اور امریکہ میں تربیت حاصل کرتے ہیں۔ ان کی ساری وار مشینری مغرب سے درآمد شدہ ہوتی ہے۔

کتاب گھر کی پیشکش

<http://kitaabghar.com>

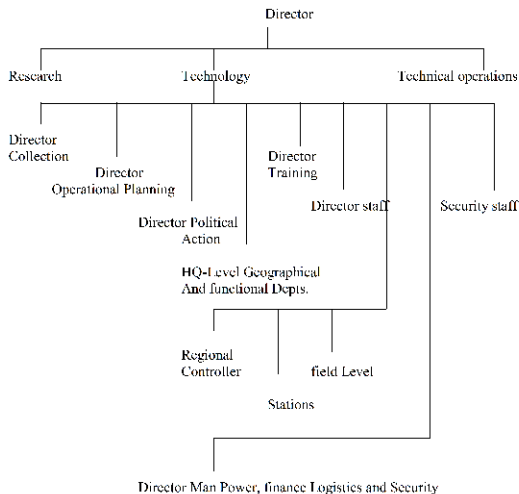
کتاب گھر کی پیشکش

<http://kitaabghar.com>

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

Organization of the Mossad



کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

<http://kitaabghar.com>
<http://kitaabghar.com>

تسل ایب میں موساد کے ہیڈ کوارٹر میں ایک شعبہ جعل سازی کا ہے جہاں مختلف ملکوں کے آئی۔ ڈی کارڈ، کریڈٹ کارڈ، کرنسی نوٹ، ڈرائیونگ لائسنس وغیرہ تیار ہوتے ہیں۔ موساد کی تیار کردہ سب سے اہم دستاویز پاسپورٹ ہے۔ اس کی چار قسمیں ہوتی ہیں، ٹاپ، سیکنڈ، فیلڈ آپریشن اور تھرواوی (throw away)۔

تھرواوی پاسپورٹ اکثر چرائے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان پاسپورٹوں میں تصاویر تبدیل کرنے کے بعد انہیں اپنے جاسوسوں کے حوالے کر دیے جاتے ہیں۔ فیلڈ آپریشن پاسپورٹ بیرون ملک میں کام کے دوران استعمال ہوتے ہیں اسے سرحد عبور کرنے کیلئے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ سیکنڈ کوالٹی پاسپورٹ کشا کی فرضی ستوری کی مناسبت سے بنائے جاتے ہیں ٹاپ کوالٹی والے پاسپورٹ اس قدر محنت سے تیار ہوتے ہیں کہ اسے رکھنے والا کشا یا آسانی بیرون ملک امیگریشن والوں کے سامنے پورے اعتماد کیساتھ پیش کر سکتا ہے۔ پاسپورٹ ایک خاص قسم کے پینٹل کاغذ سے بنائے جاتے ہیں۔ کینڈین گورنمنٹ، مثال کے طور پر، کبھی وہ کاغذ فروخت نہیں کرے گی جس سے وہ اپنے پاسپورٹ بناتی ہے۔ لیکن ایک جعلی پاسپورٹ غلط کاغذ سے بھی نہیں بنایا جاسکتا۔ اسی لئے موساد کی اکیڈمی میں ایک چھوٹی سی فیکٹری اور کیمیکل لیبارٹری ہے جہاں مختلف قسم کے پاسپورٹوں کے کاغذ تیار ہوتے ہیں۔ کیسٹ اور بجنل پاسپورٹ کے کاغذ کا باقاعدہ کیمیائی تجزیہ کر کے اس کا فارمولا دریافت کرتے ہیں پھر وہ بہو کی کاغذ بنا کر پاسپورٹ بناتے ہیں۔

ایک بڑے ستورج روم میں یہ کاغذ ایک مخصوص درجہ حرارت میں رکھے جاتے ہیں۔ موساد یورپ، کینڈا اور عرب ملکوں کے پاسپورٹ بڑی مہارت سے پیدا کر کے اپنے اہل کاروں کو استعمال کیلئے مہیا کرتا ہے۔ اسرائیل آنے والے مہاجرین سے اکثر پاسپورٹ اس بہانے لے لئے جاتے ہیں کہ بیرون ملک یہودیوں کو اسرائیل لانے کیلئے اسے استعمال کرنا نہیں۔ موساد کے پاس پاسپورٹ کی مہروں اور دستخطوں کا بھی ایک اچھا خاصا ذخیرہ ہے، جس کی مدد سے وہ اپنے تیار کردہ پاسپورٹوں پر مہر لگاتے ہیں۔ اسی فیکٹری میں دوسرے ملکوں کی جعلی کرنسی بھی تیار ہوتی ہے۔ کرنسی کے ڈیزائن متعلقہ ملک میں پھیلا کر افراط زر پیدا کیا جاتا ہے۔

موساد کے مین کمپیوٹر میں روزانہ خفیہ معلومات اور اعداد و شمار فیڈ ہوتے رہتے ہیں۔ ساٹھ سے لیکر 65 فیصد اطلاعات مروجہ ذرائع ابلاغ۔ ریڈیو، ٹی، وی، اخبارات وغیرہ سے حاصل کی جاتی ہیں، 25 فیصد خلائی سیاروں، ٹیلیکس، ٹیلیفون اور ریڈیو کیونیکشن سے، پانچ سے لیکر 10 فیصد دوست ممالک کی سیکرٹ ایجنسیوں سے، جبکہ صرف 2 سے 4 فیصد معلومات ہیومن انٹیلیجنس (Human Intelligence) یعنی اینجنٹوں کے ذریعے اکٹھی ہوتی ہیں اور یہی تھوڑی سی مقدار انتہائی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ موساد کے اس کمپیوٹر میں پندرہ لاکھ افراد کے نام مکمل کوائف کے ساتھ محفوظ ہیں۔

ایک مرتبہ اسی کمپیوٹر پر جیس سے ایک اینجنٹ نے، جو وہاں شامی سفارت خانے میں اسٹنٹ انزاسٹی تھا، اطلاع دی کہ شامی انزافورس کا سربراہ (جو ہیڈ آف انٹیلیجنس بھی تھا) اپنے دفتر کیلئے کچھ فرنیچر خریدنے یورپ آنے والا ہے۔ اسی دن موساد نے کمپیوٹر سے یورپ میں فرنیچر کا کاروبار کرنے والے یہودی رضا کاروں کے نام اور پتے معلوم کئے۔ کچھ دنوں بعد شامی جنرل اپنے سٹاف کے ہمراہ برسلز پہنچا۔ اُس نے ایک

فانیوٹار ہوٹل میں قیام کیا موساد کے مقامی ایجنٹ کو پہلے ہی اطلاع مل چکی تھی۔ اُس نے ہوٹل معلوم کر لیا تھا، اور ساتھ دوسرے روز جنرل کی مصروفیات کا بھی پتہ چلا لیا تھا۔

اگلے دن جنرل اپنے اے۔ ڈی۔ سی کے ہمراہ شہر کے مہنگے ترین فرنچیز سٹورز کے دورے پر نکلا۔ انہوں نے بہت سارا فرنچیز دیکھا اور سب کی قیمتیں معلوم کیں۔ لیکن وہ کچھ خریدے بغیر ہی واپس اپنے ہوٹل چلے گئے۔ موساد کو پیرس میں شاہی سفارت خانے میں کام کرنے والے اپنے آدمی سے پتہ چلا کہ جنرل دوسرے دن پیرس جا رہا ہے مگر اے ڈی سی اُس کے ہمراہ نہیں جا رہا ہے۔ دراصل اُسے فرنچیز کی خریداری کیلئے برسلز ہی میں رہنا پڑا۔

دوسری صبح اے۔ ڈی۔ سی ہوٹل سے فرنچیز سٹور کیلئے روانہ ہوا تو موساد کا ایجنٹ سائے کی طرح اُس کے پیچھے روانہ ہوا۔ وہ ایک فیشن ایبل سٹور پہنچا۔ وہاں اُس نے مختلف چیزیں دیکھیں پھر سٹور میں کیسا تھکے قیوتوں پر بڑی جوڑ توڑ کی۔ فرنچیز خاصا مہنگا تھا۔ اے۔ ڈی۔ سی بڑے تذبذب میں تھا۔ اسرائیلی ایجنٹ تاڑ میں تھا اُس نے سوچا یہی بہترین موقع ہے کہ اُس سے براہ راست بات کی جائے۔ وہ فوراً سٹور میں داخل ہوا وہ بظاہر فرنچیز دیکھنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک یہودی رضا کار سٹور میں وارد ہوا۔ وہ ایجنٹ کو دیکھتے ہی بلند آواز میں کہنے لگا: میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں آپ نے میرے لئے بے حد عمدہ اور سستا فرنچیز خرید کر دیا ہے اور ہزاروں اہل کار نے ایجنٹ کی بچت بھی کرائی ہے۔ ایجنٹ نے کہا: کوئی بات نہیں یہ تو میرا فرض تھا۔ تھوڑی دیر بات چیت کے بعد وہ شخص چلا گیا تو شاہی اہل کار نے ایجنٹ کی طرف غور سے دیکھا۔

کیا آپ فرنچیز خریدنا چاہتے ہیں؟ اسرائیلی نے سوال داغا۔ جی ہاں: ایجنٹ نے فوراً ایک بروشر اُس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا: اس میں سے جو فرنچیز آپ کو پسند ہو مجھے بتائیے میں فوراً اس کا انتظام کرتا ہوں۔ کیا آپ اسی سٹور میں کام کرتے ہیں؟ نہیں، میں کمیشن پر کام کرتا ہوں۔ میں اپنے گاہکوں کیلئے مختلف سٹور سے ڈسکاؤنٹ پر مال خریدتا ہوں۔ ڈیلیوری بھی میں خود ہی کرواتا ہوں۔ ویسے آپ فرنچیز کہاں لے جائیں گے؟ میں شام لے جانا چاہتا ہوں:

آپ بے فکر ہیں جی، میں سارا مال سمندری جہاز سے بھیج دوں گا۔ ٹوٹ پھوٹ کا میں ذمہ دار ہوں۔ میں آپ کو اچھے خاصے ڈسکاؤنٹ پر آپ کا مطلوبہ فرنچیز دلوں گا۔ یہ سن کر شاہی افسر کے دل میں لالچ پیدا ہوا کہ کیوں نہ اس ڈیل میں اپنی جبب کیلئے بھی کچھ بچا لیا جائے۔ تین گھنٹوں کے اندر اندر اسرائیلی ایجنٹ نے برسلز کے ایک اور مشہور سٹور سے مطلوبہ فرنچیز خریدی۔ اس کی اصل قیمت ایک لاکھ اسی ہزار ڈالر تھی، شپنگ کے اخراجات الگ تھے۔ لیکن شاہی افسر کو ایک لاکھ پچاس ہزار ادا کرنے کو کہا گیا۔ اس سودے میں اُسے 75 ہزار ڈالر مرمت میں مل گئے۔ اُس نے دمشق کی بندرگاہ پر فرنچیز بھجوانے کیلئے اُسے ضروری ہدایات دیں اور اس سودے کو خفیہ رکھنے کیلئے اُس نے اپنا فرضی نام بتایا۔ ایجنٹ نے وعدہ کیا کہ وہ جلد ہی بذریعہ بحری جہاز یہ سامان دمشق روانہ کر دے گا۔ شاہی افسر اُسی دن واپس وطن روانہ ہو گیا۔

اس کے دو دن بعد اسرائیلی ایجنٹ نے اُس فرنچیز میں سے ایک خوبصورت لمبی میزٹل ایسیب روانہ کر دی۔ وہاں موساد کے ریڈیو ایکسپرٹ نے چند دن کی محنت سے اس میز میں خفیہ خانے بنا کر اُس میں پچاس ہزار ڈالر مالیت کا ایک طاقتور ٹرانسمیٹر

(Listening & broad-casting equipment) نصب کر دیا۔ اس سسٹم کو چلانے کیلئے اُس کے ساتھ ایسی بیڑی (Battery) جوڑ دی جو مسلسل چار سال چلنے والی تھی۔

اُنہوں نے یہ آلات اس قدر مہارت سے نصب کئے تھے کہ جب تک میز کو دو ٹکڑے نہ کیا جائے، اس کے دریافت ہونے کا کوئی چانس نہیں تھا۔ وہ میز دوبارہ برسرِ کار بھیجا گیا، جہاں سے اُسے دوسرے فرنیچر کے ہمراہ ایک کارگو شپ کے ذریعے شام برآمد کر دیا گیا۔ وہ میز اُسی جزل کے آفس میں رکھا گیا۔ موساد نے کئی دن تک اُس میز سے نشر ہونے والی اہم باتیں سنی۔ لیکن بد قسمتی سے دمشق میں مقیم روسی کے۔ جی۔ بی۔ (KGB) کے ماہرین نے جزل کے آفس سے ریڈیو ہونے والی ان نشریات کو اپنے جدید ترین آلات کی مدد سے پکڑ لیا۔ اُنہوں نے شامی سیکرٹ سروس کو اس کی اطلاع دی، جس پر انہوں نے اس آفس کی تلاشی کی تو اس میز میں پوشیدہ ٹرانسمیٹر برآمد ہوا۔

سری لنگا فراڈ
موساد کا ایک شعبہ ایسا بھی ہے جو جاسوسی کے بجائے اسرائیل کیلئے بیرون ملک برنس کی نئی راہیں کھولتا ہے۔ اس کے اہل کار افریقہ، مشرق وسطیٰ اور مشرق بعید کے ممالک میں سرگرم ہیں۔ یہ لوگ اسرائیلی مصنوعات جس میں جنگی ہتھیار بھی شامل ہیں کیلئے خفیہ طور مارکیٹ بناتے ہیں۔ اسرائیل اپنے جنگی ہتیاروں کی فروخت سے لاکھوں ڈالر کماتا ہے۔ موساد کے ایجنٹ ایسے ملکوں کی تلاش میں ہوتے ہیں جنہیں فوری طور پر ارزاء نرغوں پر اسلحہ کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔ متعلقہ ملک کی انتظامیہ سے خفیہ روابط قائم کر کے انہیں اسلحہ فروخت کیا جاتا ہے۔ سری لنگا میں بھی اُنہوں نے اسی طرح کا ایک فراڈ کیا۔

سری لنگا جس نے 1948ء میں برطانیہ سے آزادی حاصل کی تھی ایک طویل عرصے سے خانہ جنگی کا شکار ہے۔ یہاں کی آبادی میں 74 فیصد لوگ بدھ مذہب کے پیروکار ہیں جنہیں سنبھالی کہتے ہیں اور 20 فیصد تامل بولنے والے ہندو ہیں جو زیادہ تر ملک کے شمالی حصے میں آباد ہیں۔ 1983ء میں تامل ٹائیگرز (تامل باغیوں کا مسلح گروپ) نے حکومت کے خلاف مسلح بغاوت شروع کی۔ تامل اپنے لئے علیحدہ ملک بنانے کیلئے لڑ رہے ہیں جسے وہ تامل ایلام (Eelam) کہتے ہیں۔ موساد نے یہاں زبردست کاروبار شروع کیا۔ موساد نے تامل ٹائیگرز کے کارکنوں کو اسرائیل میں کمانڈ و ٹریننگ کیلئے بلایا۔ اُنہیں سرنگیں بچھانے، بحری جہازوں کو تباہ کرنے کے طریقے سکھائے گئے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ انہی دنوں میں جب تل ابیب کے ایک ملٹری سٹیشن میں تامل ٹائیگرز کو تربیت دی جا رہی تھی، سری لنگا کی حکومت نے اپنی فوج کے سنبھالی بولنے والے فوجیوں کو گوریلز کو تربیت کیلئے اسرائیل بھیجا اسرائیل نے سری لنگا کو بحری گشت کیلئے کچھ جدید ترین جنگی کشتیاں فراہم کیں اور دوسری طرف تامل ٹائیگرز کو ان کشتیوں کو نشانہ بنانے کیلئے میزائل فراہم کیے۔ یوں اس ڈبل کراس میں لاکھوں ڈالر کمائے۔ اسرائیل نے سری لنگا کو جو بھاری ہتھیار اور کشتیاں فروخت کی تھی اس کی قیمت ادا کرنے کیلئے سری لنگا کے پاس پیسے نہیں تھے۔ موساد نے اس کا حل ایسے فراڈ سے نکالا کہ دنیا حیران رہ گئی۔ سری لنگا گورنمنٹ اپنے کا شکاروں کے مسائل سے سخت پریشان تھی، کیونکہ جزیرے کے ایک وسیع و عریض علاقے میں پانی کی قلت کی وجہ سے زمینیں بھری پڑی تھیں۔

موساد کے ایکسپرٹ نے ایک عظیم آبی منصوبے کی تجویز پیش کی، جسے "Mahaweli Project" کا نام دیا گیا۔ اس کے تحت دریائے مہاولی کو اپنی قدرتی گذرگاہ سے ہٹا کر غیر آباد اور بنجر زمینوں کی طرف موڑنا تھا۔ دعویٰ یہ کیا گیا کہ اس منصوبے سے ملک کی ہائیڈرو الیکٹرک پاور دوگنی ہو جائے گی اور ساڑھے سات لاکھ ایکڑ بنجر زمین سیراب ہوگی۔ پراجیکٹ پر بالآخر کام شروع ہوا، ورلڈ بینک کے ساتھ سویڈن کینڈا، جاپان، جرمنی، امریکہ اور یورپین ایکٹامک کمیونٹی نے اس میں وسیع سرمایہ کاری شروع کی۔

یہ ڈھائی ارب ڈالر کا منصوبہ تھا موساد نے ریوٹلم یونیورسٹی کے ایک ماہر اقتصادیات اور ایک زرعی پروفیسر سے اس منصوبے کے متعلق مقالے لکھوائے۔ ایک اسرائیلی تعمیراتی فرم کو بھی اس میں ایک بڑا ٹھیکہ دلوا دیا گیا۔ یوں اسرائیلی اپنا اسلحہ بیچتا رہا اور سری لنکا ورلڈ بینک کے فراہم کردہ قرضے سے اس کی قیمت چکا تا رہا۔

آپریشن ٹروجن (Operation Trojan) :
ٹروجن ایک سیکشئل نشریاتی آلہ (Communication device) تھا جو دشمن ملکوں میں خفیہ طور پر نصب کیا جاتا تھا۔ اس آلے کے ذریعے موساد کا ڈس انفارمیشن یونٹ متعلقہ ملک میں افواہیں پھیلاتا تھا۔ اسے اسرائیلی نیوی کے کمانڈوز پلانٹ کرتے تھے۔ 1986ء میں سترہ فروری کی ایک سردرات کو اسرائیل کی دو میزائل بردار کشتیاں (the SAAR-4 class) Harporn اور Gabriel میزائلوں سے لیس تھیں، ان میں ہیلی کاپٹر کے اترنے کا بھی انتظام تھا، بظاہر بحیرہ روم میں معمول کے گشت پر آئے سسلی کی طرف بڑھ رہی تھیں، یہ علاقہ لیبیا کی سمندری حدود سے ڈرا باہر تھا۔ ادھر طرابلس کے شمال میں دو اور اسرائیلی جنگی جہاز (War-ships) جو لیبیا کے ریڈار سسٹم میں واضح محسوس کئے جا رہے تھے۔ انہوں نے اپنی رفتار سست کرتے ہوئے چار ناٹ فی گھنٹہ کر دی تھی تاکہ بارہ افراد پر مشتمل نیول کمانڈوز کی ایک ٹیم کو ایک سپیڈ بوٹ میں اتارا جائے۔

اس سپیڈ بوٹ کو "Bird" کا خفیہ نام دیا گیا تھا۔ ایک آب دوز (کوڈ نام "Pig") بھی سمندری سطح پر نمودار ہوئی اور تھوڑی دیر بعد پانی میں غائب ہوگئی۔ "Bird" پر 7.62 mm کیلبر کی مشین گن کے علاوہ وافر مقدار میں نینک شکن میزائل بھی نصب تھے۔ لیبیائی ساحل سے دو میل دور کھلے سمندر میں طرابلس شہر کی روشنیاں جھلما تیں نظر آ رہی تھیں۔ آٹھ کمانڈوز سپیڈ بوٹ سے گپ نامی ایک آب دوز میں منتقل ہوئے۔ وہ ساحل کی طرف زیر سمندر روانہ ہوئے، جبکہ سپیڈ بوٹ سمندر کے ایک مقررہ مقام پر لتگر انداز ہوگئی، اُسے ایمرجنسی میں حالات کا مقابلہ کرنا تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ ساحل پر پہنچ گئے۔ دو آدمیوں نے ایک گہرے سبز رنگ کا ایک سلیمنڈر نما آلہ جو چھ فٹ لمبا اور سات انچ چوڑا تھا، اٹھا کر تیلی ساحل پر چنا شروع کیا۔

ایک گرے رنگ کی وین سمندر کے قریب ایک سڑک کے کنارے کھڑی تھی۔ یہ سڑک ایک لمبی شاہراہ کے ساتھ جُوی ہوئی تھی جو طرابلس اور بن غازی جاتی تھی۔ سڑک پر شب کے اُس پہر بمشکل ہی کوئی ٹریفک نظر آ رہی تھی۔ وین کا ڈرائیور بظاہر چنگیز نارتھیل کر رہا تھا۔ جب اسرائیلی کمانڈوز اُس کے قریب پہنچے تو وہ بغیر کچھ بولے خاموشی کیساتھ کام چھوڑ کر اٹھا، اُس نے وین کا پچھلا دروازہ کھول دیا۔ یہ شخص خود بھی موساد کا کمانڈو

تھا۔ وین میں چار آدمی اُس آلے (Trojan) سمیت بیٹھ کر ٹراپلس روانہ ہو گئے جبکہ باقی چار کمانڈر سمندر کے کنارے پر چلے گئے جہاں قریب ہی پانی میں اُن کی آب دوڑ کھڑی تھی۔ انہوں نے دفاعی پوزیشن اختیار کی۔ عین اسی لمحے اسرائیلی ائرفورس کے لڑاکا طیاروں کا ایک سکواڈرن جزیرہ کریٹ (Crete) کے جنوب میں فضاء میں نمودار ہوا۔ چند منٹ قبل ان جہازوں کو ایک تیل بردار جہاز نے فضاء ہی میں دوبارہ ایندھن فراہم کیا تھا۔ ان کا کام کمانڈر پر کسی بھی ممکنہ لیپیائی حملے کو ناکام بنانا تھا۔ وین ٹراپلس میں انجیوریہ سٹریٹ میں واقع ایک پانچ منزلہ عمارت کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ یہ عمارت کرنل فڈائی کی رہائش گاہ باب العزیزہ کے بلکل قریب تھی۔

تھوڈی ہی دیر میں وین میں بیٹھے اسرائیلی عام لباس پہن چکے تھے۔ دو افراد وین کے اندر ہی بیٹھے رہے جبکہ باقی دو وہ آلہ (Trojan) لیکر عمارت کی پانچویں منزل پہنچ گئے۔ آلہ ایک کارپٹ میں لپٹا ہوا تھا۔ انہوں نے مکان کے ایک کمرے میں آلہ کھول کر ایک میز پر رکھ دیا، پھر ایک چھوٹا سا ڈش نما اینٹینا (Antena) کھڑکی کے پاس فکس کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے یونٹ کو چالو کر دیا۔ موساد کے ایک مقامی ایجنٹ نے یہ مکان چھ مہینوں کیلئے کرائے پر حاصل کیا تھا۔ اُس نے تمام کرایہ ایڈوانس میں ہی ادا کر دیا تھا۔ مکان میں صرف موساد کا وہی شخص داخل ہو سکتا تھا جس نے ٹروجن نصب کیا تھا۔ کیونکہ موساد نے اُس کمرے کے لاک سسٹم اور ٹروجن میں ایسا کنکیشن لگایا تھا جو ایک مخصوص کوڈ کے زیر اثر تھا اگر اُن کے علاوہ کوئی شخص اس کمرے میں داخل ہونے کی کوشش کرتا تو ٹروجن ایک زوردار دھماکے سے پھٹ کر عمارت کی پانچویں منزل بھی ساتھ اڑا دیتا۔

آلہ نصب کرنے کے بعد وہ چاروں آدمی دوبارہ اپنی وین میں سوار ہو کر ساحل سمندر پر اپنے ساتھیوں سے جا ملے۔ وین کا ڈرائیور واپس شہر چلا گیا۔ اگلے چند مہینوں تک اُس نے ٹروجن کی نگرانی کرتا رہی۔ کمانڈر وقت ضائع کئے بغیر کشتیوں میں سوار ہو کر کھلے سمندر کی طرف روانہ ہوئے جہاں ایک مقررہ مقام پر میزائل بولس اُن کے انتظار میں کھڑی تھیں۔ مارچ کے آخر میں ٹروجن نے شہر ہونے والے خفیہ پیغامات برطانیہ میں قائم امریکی سی۔ آئی۔ اے سٹیشن یا آسانی پکڑ رہا تھا۔ موساد ٹروجن کو عین اُس وقت activate کرتا جب فضاء میں دیگر نشریات کی بھرمار ہوتی تھی۔ ٹروجن کی براڈ کاسٹ دراصل پری ریکارڈڈ (Pre-recorded) ٹرانسمیشن تھی جو بحرہ روم میں گشت کرتے ہوئے ایک اسرائیلی نیول شپ سے نشر ہو رہی تھی۔ Digital Transmission صرف ٹروجن ہی وصول کرتا اور ایک دوسری فریکوئنسی پر فضاء میں بکھیر دیتا تھا۔ یہ دھشت گردی کے جعلی پیغامات تھے جو بظاہر لیبیا کی سیکرٹ سروس دنیا کے مختلف ملکوں میں اپنے سفارت خانوں کو بھیج رہی تھی۔ اس دھوکے سے موساد امریکی اور برطانوی سیکرٹ سروس کو باور کرانا چاہتی تھی کہ لیبیا دھشت گردی کیلئے مختلف یورپی ملکوں کو نارگٹ بنانے والا ہے۔ یہ پیغامات لیبیائی عربی لب ولہجے میں ہوتے تھے۔

مگر فرنجی اور ہسپانوی خفیہ اداروں نے ان ریڈیائی پیغامات کو بوگس قرار دیتے ہوئے کہا کہ لیبیا جو گزشتہ کئی سالوں سے انتہائی محتاط پالیسی اپناتے ہوئے تھا اچانک کیسے اس قسم کی حرکت کر سکتا ہے جس سے اُس کی سالمیت بھی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ انہوں نے ایک دلیل یہ بھی پیش کی کہ اگر لیبیا کی سیکرٹ سروس اپنے سفارت خانوں کو واقعی دھشت گردی کے احکامات دے رہی تھی اور سی۔ آئی۔ اے ان ریڈیائی نشریات کو پکڑ رہی تھی تو پھر مغربی برلن میں پانچ اپریل 1986 La Belle discotheque میں ہونے والے بم بلاسٹ کی خبر انہیں کیوں نہیں

لی۔ اس دھماکے میں ایک امریکی ہلاک اور کئی زخمی ہوئے تھے۔ اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ یورپ میں ہونے والے متعدد دہشت گردی کے واقعات میں موساد کا ہاتھ تھا۔ موساد امریکیوں کو اس ساری تھی کہ اب تو اُن کے پاس واضح ثبوت ہے کہ لیبیا دہشت گردی میں ملوث ہے، لہذا ان پر حملہ کیا جائے۔ آپریشن ٹروجن موساد کی کامیاب ترین کارروائی تھی۔ اسی کے بل بوتے پر انہوں نے رونالڈ ریگن سے لیبیا پر ہوائی حملہ کروایا۔ فرانس کی حکومت موساد کے دھوکے میں نہیں آئی، انہوں نے امریکی بمبارطیاروں کو اپنی فضائی حدود سے گزر کر لیبیا پر حملے کرنے کی اجازت تک نہیں دی۔

چودہ اپریل 1986ء ایک سوساٹھ امریکی جنگی طیاروں نے لیبیا پر ساٹھ ٹھن کے قریب بم گرائے۔ حملہ آوروں نے طرابلس انٹرنیشنل ائیر پورٹ، قذافی کی رہائش گاہ، باب العزیز، سیدی بلال نیول بیس، بن غازی شہر اور بن غازی کے باہر ایک ائیر فیلڈ کو نشانہ بنایا۔ سڑاٹک فورس دو حصوں پر مشتمل تھی، ایک برطانیہ سے پرواز کر کے آئی تھی جبکہ دوسری بحیرہ روم میں امریکی بیڑے سے۔ اس حملے میں F-III, EF-III & A لڑاکا طیاروں نے حصہ لیا۔ اس سے لیبیا میں چالیس کے قریب افراد ہلاک اور زخمی ہوئے جس میں قذافی کی منہ بولی شیر خوار بیٹی بھی تھی۔ جبکہ دو امریکی پائلٹ بھی ہلاک ہوئے۔

Blue pipeline

یہ اصطلاح موساد نے اسرائیلی ہتھیاروں کی ایک خفیہ سودے کیلئے استعمال کی جو ایران کے ساتھ طے ہوا تھا۔ اسے آپریشن صہنی بال (operation Hannibal) بھی کہا گیا۔ یہ موساد اور جرمن انیلے جنس ایجنسی (BND) کا مشترکہ آپریشن تھا۔ ایران چونکہ عراق کیساتھ طویل جنگ میں مصروف تھا۔ ایرانی ائیر فورس کے F-4, Phantom لڑاکا طیاروں کیلئے فاضل پُر زوں کی سخت ضرورت تھی اور اسرائیل کے پاس فروخت کیلئے یہ پُر زے وافر مقدار میں پڑے ہوئے تھے۔ اسرائیل ویسے بھی چاہتا تھا کہ یہ جنگ ہمیشہ جاری رہے اور وہ اپنے ہتھیار اور ٹیکنالوجی کی فروخت سے پیسہ کماتا رہے۔

اسلامی ایران کیلئے ایک مسئلہ تھا کہ وہ براہ راست اسرائیل کیساتھ لین دین سے قاصر تھا۔ لہذا موساد نے جرمن سیکرٹ سروس BND کو اس سلسلے میں ملوث کیا۔ اس خفیہ سپاکی میں جیٹ طیاروں کے اہم پُر زے (فل سائز جیٹ انجن، الیکٹرانک آلات اور ونگز) شامل تھے۔ یہ سامان ایک اسرائیلی بندرگاہ Ashdod سے ایک بحری جہاز میں مخصوص Containers میں پیک، روانہ کئے جاتے۔ یہ جہاز جب اطالوی بندرگاہ چینپے ٹاولی کی سیکرٹ سروس (sism) کی منظوری اور کلیئرنس میں مدد کرتی، اور کریٹوں اور containers پر سکرنگ لگا دیتے کہ اس میں اطالوی زرعی آلات ہیں جو جرمنی برآمد کئے جا رہے ہیں۔ اُن ٹرکوں پر بھی جن پر یہ سامان لا دیا جاتا سکرنگ لگا دیے جاتے کہ اطالوی پراڈکس ہیں۔ مذکورہ سامان ان ٹرکوں میں اٹلی سے جرمنی کے شہر ہیمبرگ پہنچایا جاتا جہاں ایک گودام میں انہیں دوسرے ٹرکوں میں لا دیا جاتا، جس کے ڈرائیور اسرائیلی ہوتے تھے۔ یہ لوگ دراصل جرمنی میں سٹوڈنٹ ویزے پر مقیم ہوتے ہیں۔ اسرائیلی ایجنسی اُن سے بوقت ضرورت کام لیتی رہتی تھی۔ ہیمبرگ سے یہ سامان کچھ دور ایک غیر آباد ہوائی اڈے پہنچتا جہاں ایک ایرانی ایروٹانکلی انجینئر اس کا بغور معائنہ کرتا۔ وہ آدھی قیمت وہیں کیش میں ادا کر دیتا تھا باقی رقم سامان ایران چنپے پر چکا دی جاتی تھی۔

جرمنی سے وہ ٹرک ڈنمارک چلے جاتے جہاں وہ ڈینش (Danish) بحری جہازوں میں سامان ایران روانہ کر دیتے تھے۔ یہاں بھی موساد کا ڈینش سیکرٹ سروس کیساتھ اس سلسلے میں قریبی رابطہ تھا۔ اس کامیاب آپریشن کے بعد ایرانیوں نے بی۔ این۔ ڈی BND سے درخواست کی کہ ایرانی ہوابازوں کی تربیت کا بھی مناسب انتظام کیا جائے۔ بی۔ این۔ ڈی نے موساد کو ایرانیوں کی اس خواہش سے آگاہ کیا۔ پہلے پہل تو موساد نے فیصلہ کیا کہ ایرانی پائلٹوں کی ٹریننگ کا انتظام جنوبی امریکہ کے ملک چلی یا کولمبیا میں کیا جائے۔ لیکن اس تجویز کو اس وجہ سے رد کر دیا گیا کہ ان ملکوں میں سی۔ آئی۔ اے کا بڑا اثر و نفوذ تھا۔ جرمنی میں ہیمبرگ کے مقام پر ایک متروکہ ایئر فیلڈ میں ان ہوابازوں کی تربیت کا انتظام کیا گیا۔ اس سلسلے میں اسرائیل سے بیس کے قریب پائلٹ اور ٹیکنیشن ٹیمبرگ آئے۔ کانن عرصہ سی۔ آئی۔ اے کو اس واقعے کی ہوائی تصویریں بھیجی۔ اور مزے کی بات یہ تھی کہ ایرانیوں کو بھی احساس نہیں ہوا کہ انہیں اسرائیلی ماہرین نے تربیت فراہم کی تھی۔

شین بٹھ (Shinbeth)

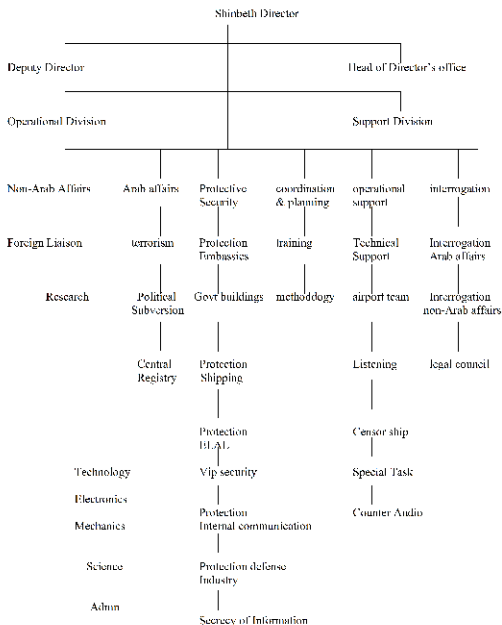
یہ اسرائیلی اٹلی جنس کا دوسرا اہم اور سفاک بازو ہے اسے شباک (shabak) یا جزل سکیورٹی سروس بھی کہتے ہیں۔ یہ ادارہ امریکی ایف۔ بی۔ آئی یا برطانوی ادارہ برائے انسداد جاسوسی و دہشت گردی mi-5 کے مساوی ہے۔ بنیادی طور پر تو اس کا کام اندرون ملک سکیورٹی انتظامات اور انسداد جاسوسی اور دہشت گردی ہے، لیکن اسرائیلی صدر، وزیر اعظم، وزیر دفاع اور وزیر خارجہ کی ذاتی حفاظت، بیرون ملک اسرائیلی سفارت خانوں تو نسل خانوں اور ٹریڈ مشن دفاتر کی حفاظت بھی اس کے دائرہ کار میں آتے ہیں۔ شین بٹھ اسرائیلی کی قومی ایئر لائن ELAL اور شینگن کمپنی zim کو بھی تحفظ فراہم کرتی ہے۔

شین بٹھ اسرائیل میں مقیم تمام غیر ملکی باشندوں اور بعض اوقات اپنے ہم وطنوں کو بھی شک کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ وہ مشتبہ افراد کے نیلے فون ٹیپ کرتی ہے، ان کی ڈاک کھولتی ہے اور ان کی غیر موجودگی میں ان کی رہائش گاہوں کی تلاشی لیتی ہے۔ اس کے علاوہ مقبوضہ عرب علاقوں میں فلسطینی نوجوانوں پر کڑی نگاہ رکھتی ہے۔ اس کی سرگرمیوں کا دائرہ کبھی کبھار دوست ممالک کے سفارتخانوں کی طرف بھی بڑھ جاتا ہے۔ ایک مرتبہ یروشلم میں امریکی کنصلٹ میں ملازم ایک شخص کو انہوں نے ایک لڑکی کے ذریعے جاسوسی پرورغلا یا مگر جلد ہی یہ راز فاش ہو گیا اور وہ شخص سی آئی اے کے ہاتھ لگ گیا۔

مشن امن

مشن امن صائب الہی کے بچوں کے لیے لکھے گئے ڈراموں کا مجموعہ ہے، جو زیادہ تر بچوں کے مقبول ماہانہ ڈائجسٹ نٹ کھٹ میں چھپے ہیں۔ ڈراموں کا یہ مجموعہ کتاب گھر کے بچوں کے ادب (بزم اطفال) سیکشن میں پڑھا جاسکتا ہے۔

Organization of the Shinbeth



شین بٹھ غیر ملکی سفارت کاروں، صحافیوں اور تاجروں کے بارے میں خفیہ معلومات اکٹھی کرنے کیلئے اپنے خاص مجبوروں کو استعمال کرتی ہے۔ جن میں اکثر ٹیکسی ڈرائیور، بار مین، ویٹرز اور ہوٹل سٹاف شامل ہوتے ہیں۔ مشکوک فلسطینی نوجوانوں کو گرفتار کر کے زیر زمین خفیہ جیلوں میں بند کر دیا جاتا ہے۔ جہاں پوچھ گچھ کے دوران شین بٹھ اُن پر اس قدر تشدد کرتی ہے کہ بعض اوقات اس دوران میں اُن کی موت بھی واقع ہو جاتی ہے۔ قیدی کو لوہے کی ٹوپی سر پر پہنا کر اُس میں بجلی کی رو چھوڑی جاتی ہے جس سے وہ ایک کریناک اذیت میں مبتلا ہو کر چیخنے لگتا ہے۔ اس قسم کے تشدد کی مثال مہذب دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ اسرائیلی سپریم کورٹ کا اس بارے میں جو موقف ہے وہ بھی عدل و انصاف کا بھونڈا مذاق ہے۔

"Because of crucial Interest of state security the activity of the security services in the war against terrorism occurs in "twilight zone" which is out side the realm of the law and therefore these services must be freed from the bonds of the law and must be permitted deviations therefrom"

شین بٹھ کا کام پولیس سے مختلف ہوتا ہے۔ کیونکہ پولیس ایک شخص پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے اُس کے متعلق ٹھوس شواہد اکٹھی کرتی ہے اور پھر اُس کو قانون کے حوالے کرتی ہے۔ جبکہ شین بٹھ کو صرف جاسوسی اطلاعات کی ضرورت ہوتی ہے باقی کام وہ اُس شخص سے پوچھ گچھ کے دوران خود پورا کر لیتی ہے۔ شین بٹھ اسرائیل کی قومی اِزْ لائن ELAL کی حفاظت انتہائی سخت انداز میں کرتی ہے۔ اس اِزْ لائن پر سفر کرنے والے تمام مسافروں کی ڈیپارچر لائن میں مکمل چیکنگ کی جاتی ہے۔ جو کم از کم دو گھنٹے جاری رہتی ہے۔ اُن پر سوالات کی جرح کی جاتی ہے جو کچھ اس قسم کی ہوتی ہے: یہ سامان آپ کا ہے؟ کیا آپ نے اسے خود پیک کیا ہے؟ کیا پیک شدہ سامان آپ نے کسی بھی وقت اکیلا چھوڑا ہے؟ آپ کسی کا دیا ہوا کوئی پیکنگ، خط یا لفٹ تو ساتھ نہیں لے جا رہے؟۔۔۔۔۔ اگر سوالات کے جواب بالکل تسلی بخش ہوں تو سکیورٹی آفیسر ایک مرتبہ پھر مسافر کے چہرے اور پاسپورٹ پر نگاہ دوڑا کر بالآخر ایک دستخط شدہ رٹگن سکر اُس کے سامان پر چپکا کر اُسے کلیئر قرار دیتا ہے۔ یہ مخصوص سکر ہر روز تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ ملک کے تمام ہوائی اڈوں کے ٹرمینل ایریا میں شین بٹھ کے کمانڈر ذیابہ جٹھے پہنے اور عام لباس میں ملبوس منڈلاتے رہتے ہیں۔ اور اُن کے ہاتھ اپنے کوٹ کی جیب میں 9 mm Beretta پستول پر ہوتے ہیں۔ اسکے علاوہ انکے کانوں میں communicaion device بھی لگے ہوتے ہیں۔ اور وہ ہر آنے اور جانے والے مسافر کو بغور دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ رن وے پر کھڑے طیاروں کے ارد گرد بھی مسلح کمانڈوز مشین گن کی فریگز پر انگلی رکھے چوکس کھڑے ہوتے ہیں۔ طیاروں کی لینڈنگ یا ٹیک آف ان کی کلیئرنس کے بعد ہی ممکن ہوتی ہے۔ دنیا کے محفوظ ترین ائِر پورٹ مثلاً نیویارک کے جان ایف کینڈی انٹرنیشنل پر بھی یہ لوگ اپنی قومی اِزْ لائن کی حفاظت کیلئے بذاتہ خود موجود رہتے ہیں۔ سکیورٹی کے سلسلے میں انسانی ذہانت اور قابلیت پر انحصار کی روایت ELAL نے سب سے پہلے شروع کی، بعد میں کئی دوسری اِزْ لائنوں نے بھی اسے اپنایا۔ حالانکہ اس جدید دور میں کروڑوں ڈالر مالیت کے رستے سکیورٹی آلات اور مشینیں موجود ہیں، مگر یہ آلات ایک خاص حد کے بعد موثر نہیں رہتے ہیں، مثلاً ایک metal detector بتا سکتا ہے کہ اس مسافر کے پاس پستول یا ریوا لور ہے، ایکس رے مشین ایک سفری بیگ یا

سوٹ کیس میں چھپے گرینڈ یاگن کو دیکھ سکتی ہے۔ ایک اور جدید آلہ ہے جو Plastic explosive کی مخصوص یوسنگھ لیتی ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود یہ سائنسی آلات انسانی رویوں اور نفسیات کو نہیں بھانپ سکتے۔ جبکہ ایک تربیت یافتہ فرد ایک شخص کے چہرے کو محض دیکھ کر بتا سکتا ہے کہ وہ خطرے سے خالی نہیں ہے۔ وہ ایک لمحے کے انٹرویو سے ہی ایک مسافر کو مفلوک قرار دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

جہاز کی سروس کرنے والا عملہ بھی انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے جتنا ایک مسافر جو اپنے بیگ میں گرینڈ لئے طیارے میں بیٹھا ہو۔ لہذا صفائی کرنے اور خوراک بہم پہنچانے والے تمام افراد ELAL کے کسی بھی طیارے کے قریب جانے سے پہلے شین تھ کے سخت جامہ تلاشی کے مرحلے سے گزرتے ہیں۔ اسرائیل کے تمام کمرشل طیاروں کے اندر سیورٹی سٹم اور بھی سخت ہو جاتا ہے۔ ELAL ان حفاظتی اقدامات کا عموماً کسی سے ذکر نہیں کرتا مگر کچھ غیر ملکی ذرائع سے پتہ چلا ہے۔ کہ اس اسرائیل کا دفاعی نظام انتہائی جدید اور پیچیدہ ہے۔ طیارے کی باڈی ایک مضبوط اور اعلیٰ کوالٹی کے فولاد سے بنی ہوتی ہے۔ جو دوران پرواز بم دھماکہ یا زمین سے فائر کئے گئے راکٹ وغیرہ کو برداشت کر سکتی ہے۔ (ہاور کیا جاتا ہے کہ 1972ء میں اسرائیلی اسرائیلان جو روم سے تل ابیب کیلئے ٹھو پرواز تھی، پر پی ایل او کے کمانڈوز نے ایک میزائل داغنا تھا۔ مگر طیارہ صاف بچ نکلا تھا، اس کی وجہ یہی فولادی ساخت تھی) اس طیارے میں (Electronic infrared deflector) سٹم بھی نصب ہوتا ہے جو اپنی طرف داغے گئے سام (sam) میزائلوں کا رخ موڑنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جہاز کے تمام سیکشنوں میں مسافروں کی نقل و حرکت پر نظر رکھے کیلئے خفیہ کلوز سرکٹ کیمرے نصب ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مختلف نشتر پر سیورٹی گارڈ اسرائیلی مارشل عام مسافروں کے بھیس میں ہر لمحہ چوس بیٹھے ہوتے ہیں۔ ناٹم میگزین کے مطابق بظاہر عام مسافر نظر آنے والے ان افراد کے پاس اُن کے سفری تھیلوں میں uzi سب مشین گنیں ہوتی ہیں۔ اسرائیلی اسرائیلان کے اس حد سے زیادہ سیورٹی سیٹ آپ کا مغربی ملکوں میں کافی مذاق بھی اڑایا جاتا ہے۔ وہ ELAL کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں:- "Every Landing Always Late" لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ 1968ء میں الجیریا جانے والا اسرائیلی طیارہ جسے فلسطینی فدائین نے ہائی جیک کر لیا تھا اس کے بعد آج تک اُن کا کوئی طیارہ کامیابی کیساتھ اٹھا نہیں ہو سکا ہے۔



چٹانوں میں فائر

اردو جاسوسی ادب کے بانی، ابن صفی کی عمران سیریز سلسلے کا دوسرا ناول۔ اس ناول میں عمران ابھی سیکرٹ سروس کا ممبر نہیں بنا اور فری لانسر کی حیثیت سے کام کر رہا ہے اور اسے ایک ڈرگ لارڈ کو بے نقاب کرنا ہے جو گزشتہ کئی سو سال سے زندہ ہے۔ ابن صفی کے جادوئی قلم کا کرشمہ۔ طنز و مزاح، حیرت اور تھس سے بھرپور یہ ناول کتاب گھر پر دستیاب ہے جسے ناول سیکشن میں دیکھا جاسکتا ہے۔

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

ملٹری انٹیلی جنس

<http://kitaabghar.com> <http://kitaabghar.com>

AMMAN

اسرائیلی جاسوسی نظام میں موساد کے بعد ایک دوسرا انتہائی فعال ادارہ ملٹری انٹیلی جنس کا ہے جس کا نام Amman ہے۔ ان دونوں اداروں کا شروع سے ہی سے آپس میں پیشہ ورانہ رقابت کا سلسلہ جاری ہے۔ اکثر کسی آپریشن کی ناکامی کی صورت میں دونوں ایک دوسرے پر الزام تراشی کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً 1973ء میں جب مصر نے شام کیساتھ ملکر اچانک اسرائیل پر حملہ کیا، جس میں اسرائیلی فوج اور عسکری تنصیبات کو زبردست نقصان پہنچا تھا اور اگر امریکہ مداخلت نہ کرتا تو اسرائیل ذلت آمیز شکست کیلئے ذہنی طور پر تیار ہو چکا تھا۔ اس جنگ کے بعد موساد نے بڑی شدت سے ملٹری انٹیلی جنس پر نکتہ چینی کی کہ وہ اس حملے کی پیشگی اطلاعات کا صحیح تجزیہ کرنے میں ناکام رہی ہے۔

لیکن ماضی میں اس ادارے نے چند ایسے کامیاب آپریشن کئے ہیں جو اس کی ناکامیوں پر پردہ ڈالنے کیلئے کافی ہیں مثلاً 1967ء کی چھ روزہ جنگ کے دوران میں اس کے ایجنٹوں نے مصری ہوائی اڈوں کے متعلق اس قدر پیش قیامت انفارمیشن بروقت فراہم کی تھیں کہ جب پانچ جون کو صبح پونے آٹھ بجے اسرائیلی طیارے مصری فضائی حدود میں داخل ہوئے تو محض چند گھنٹوں میں ہی انہوں نے صحرائینائی میں واقع نو مصری ہوائی اڈوں کو ناکارہ بنا دیا تھا۔ کہتے ہیں کہ 10:50 پر اسرائیلی ائرفورس نے اپنے جنرل شاف کو اطلاع دے دی تھی کہ انہوں نے مصر کے ملک 21-سکو اڈرن کا مکمل صفایا کر دیا ہے۔

اس ادارے نے ارد گرد کے تمام عرب ممالک کے تقریباً تمام اعلیٰ فوجی افسروں اور جرنیلوں کے متعلق تفصیلی فائلیں بنا رکھی ہیں۔ یہ معلومات اس نے مختلف ذرائع سے حاصل کیں ہیں جس میں زیادہ تر جنگی قیدیوں سے پوچھ گچھ کے دوران اکٹھی کی گئی ہیں وہ اخبارات اور ملٹری گزٹس سے بھی یہ اہم معلومات اخذ کرتا رہتا ہے۔ مشرق وسطیٰ میں امن نے ایک زبردست عسکری ریسرچ انسٹیٹیوٹ کا روپ دھارا ہے۔ موساد اور امن کے درمیان انٹیلی جنس کا تبادلہ دن رات جاری رہتا ہے۔ یوں موساد کچھ اپنی اور کچھ امن کی فراہم کردہ معلومات جمع کر کے کبھی کبھار اس کا کچھ حصہ امریکہ اور دیگر دوست ممالک کو بھی ضرورت پڑنے پر پاس کر دیتا ہے۔

کسی خاص آپریشن کے آغاز سے قبل امن کو موساد سے باقاعدہ اجازت لینا پڑتی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ موساد اسرائیل میں سب سے سنئیر سروس ہے۔ لیکن آپریشن کا انتخاب اور پلاننگ یہ ادارہ اپنی مرضی سے کرتا ہے۔

امن واضح طور پر اپنے ملٹری شخص کا اظہار کرتا ہے۔ اس کا باقاعدہ علیحدہ ہنز و سفید پرچم ہے۔ اس کے سربراہ فوجی جنرل ہوتے ہیں۔ اس کے اہل کاروں میں لگ بھگ سچھ (600) کے قریب فوجی افسر اور دیگر عہدوں پر فائز افراد شامل ہیں۔ یہ لوگ ملک کے وٹنفس فورسز کے مختلف شعبوں میں بھیجیں بدل کر کام کرتے ہیں۔ امن کے دو بڑے شعبے ہیں، کلکیشن (collection) اور ریسرچ ڈیپارٹمنٹ، کلکیشن کا شعبہ

جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے عربوں کے متعلق عسکری معلومات جمع کر کے ریسرچ کے شعبہ کو فراہم کرتا ہے، جس میں ہر عرب ملک کیلئے الگ الگ ڈیسک ہیں۔ اطلاعات کی مکمل چھان بین کرنے کے بعد اسے اسرائیلی ڈیفنس فورسسر (I.D.F) کے حوالے کر دیا جاتا ہے، جو اسی کے بل بوتے پر اپنی حکمت عملی ترتیب دیتے ہیں۔

اس کا ایک شعبہ سنسٹپ کا ہے، جہاں ملکی اور غیر ملکی دفاع سے متعلق میڈیا رپورٹس کی جانچ پڑتال کی جاتی ہے۔ یہ سلسلہ حالت جنگ اور امن میں یکساں طور جاری رہتا ہے۔ ایک شعبہ پروڈکشن (Production) کا ہے جو ہر سال جنگی خطرات کا تخمینہ (Annual Risk of war estimate) تیار کرتا ہے۔ اس کا کام ارد گرد کے عرب ملکوں کی فوجی نقل و حرکت پر نگاہ رکھنی ہوتی ہے۔ ملٹری انٹیل جنس کے اسی شعبہ نے 1973ء میں مصری افواج کے عزائم کا غلط اندازہ لگا کر اپنی فوج کو کافی نقصان پہنچایا تھا۔ خارجی معاملات سے نپٹنے کیلئے امن کا ایک الگ شعبہ ہے جو غیر ملکی فوجی تنظیموں سے رابطے قائم کرتا ہے۔ اسرائیلی سفارت خانوں میں ملٹری اتاشیوں کا تقرر اسی شعبے کی سفارش پر کیا جاتا ہے۔ یہ اتاشی متعلقہ ملک میں جدید ہتھیاروں کی پیداوار یا خریداری کے متعلق خفیہ اطلاعات اس شعبے کو بھیجتے رہتے ہیں۔

ملٹری انٹیل جنس کو مسلح مدد فراہم کرنے کیلئے انتہائی پیشہ ور کمانڈرز کا ایک یونٹ ہے جس کا نام Sayaret Mat kam ہے۔ اس دستے میں دوسو کے لگ بھگ افراد شامل ہوتے ہیں، جو ہر لمحہ ایکشن کیلئے تیار رہتے ہیں۔ انہیں سخت جسمانی اور ہتھیاروں کی تربیت دی جاتی ہے۔ وہ بیرونی شٹ چپ اور زیر آب تیراکی کے ماہر ہوتے ہیں۔ بعض اوقات انہیں تربیتی مشن کے دوران دشمن ملکوں میں داخل کرایا جاتا ہے تاکہ وہ حقیقی خطرات میں رہتے ہوئے تجربہ حاصل کریں۔

رازداری (Secrecy) اور سرعت (Speed) اس یونٹ کا موٹو ہے۔ کسی ملازم کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ اس کا اصل نام زبان پر لائے۔ اسے دی یونٹ ہی کہا جاتا ہے۔ سنسٹپ اس کی کاروائیوں کا ذکر میڈیا تک پہنچنے نہیں دیتا۔ 1968ء میں اس کے کمانڈر نے ایک نیلی کا پٹر حملے میں مصر میں دریائے نیل پر واقع ایک ہل اور ایک پاور سٹیشن کو تباہ کیا تھا۔ اسی سال ایک اور حملے میں انہوں نے بیروت انٹرنیشنل ایئر پورٹ پر کھڑے ٹل ایسٹ ایئر لائن کے نو مسافر بردار طیاروں کو بموں سے اڑا دیا تھا۔ غزہ اور غرب اردن کے علاقوں میں فلسطینی احتجاجی جلسوں پر یہ یونٹ بڑی بے دردی سے فائرنگ کرتی رہتی ہے۔ اسرائیل کے کسی انخوشہ طیارے کو چھڑانے کیلئے بھی اسی یونٹ کے جوانوں کو بھیجا جاتا ہے۔ 1976ء میں جب فلسطینی فداکین نے اسرائیل کے فوجیوں کو ہلاک کر کے یوگنڈا کے ایسٹ ایئر پورٹ پر اتارنا تو اس یونٹ کے کمانڈر نے ایک زبردست آپریشن کے بعد مسافروں سمیت طیارے کو چھڑا لیا تھا۔ اس کے علاوہ 1988ء میں فلسطینی راہنما ابو جہا دو تینس میں یونٹ کے بحری غوطہ خور کمانڈر نے ہلاک کیا۔ امن کا ایک شعبہ ریڈیو سگنلز سے متعلق ہے جو غیر ملکی ریڈیائی نشریات کو پکارتا ہے۔

اسرائیل کی سرحدی چوکیوں پر اس مقصد کیلئے حساس آلات نصب ہیں۔ اس کی شام سے ملٹی والی سرحد پر کوہ ہرمان پر اسی قسم کے آلات لگے ہوئے ہیں جو دمشق کی سرگوشیاں سنتے رہتے ہیں۔



کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

مگ۔ ۲۱ کا اغواء

اگست ۱۹۶۶ء میں دنیا بھر کے اخبارات میں ایک عراقی پائلٹ کی سنسنی خیز خبر شائع ہوئی جو اپنے مگ۔۲۱ لڑاکا طیارے کو اڑا کر اسرائیل لے آیا تھا۔ یہ روسی ساختہ طیارہ ان دنوں میں دنیا کا جدید ترین حملہ آور طیارہ سمجھا جا رہا تھا۔ کچھ عرصہ تو یہ کہانی اخبارات میں بڑے زور و شور سے شائع ہوتی رہی لیکن آہستہ آہستہ لوگ اسے بالکل بھول ہی گئے۔

لیکن امریکہ، فرانس اور برطانیہ کے فوجی حکام اسے نہیں بھلا سکے تھے۔ وہ اس پُر اسرائیل طیارے کی ایک جھلک دیکھنے کیلئے اسرائیل پر بڑا دباؤ ڈال رہے تھے۔ روس بھی اس واقعہ کو نہیں بھلا سکتا تھا۔ وہ اس اغواء پر سخت برہم تھا۔ یہ حادثہ دراصل اس کے سیکورٹی سسٹم پر کاری ضرب تھی کیونکہ اس کے اعلیٰ فوجی حکام نے یہ طیارے بیرونی ملک فروخت کرنے سے پہلے کریملن کو یقین دہانی کرائی تھی کہ ان میں سے ہر طیارے کی حفاظت خود کے جے بی (KGB) کے ایجنٹ کریں گے۔

اس کے علاوہ روس کیلئے یہ بڑی فوجی ناکامی بھی تھی۔ روسی ائرفورس کے کمانڈروں کو خوف تھا کہ اس سے انکی فضائی برتری محض چند ماہ میں ہی غیر مؤثر ہو جائیگی کیونکہ ہر مغربی ملک مگ۔۲۱ (mig) کے راز سے واقف ہو جائیگا۔

ماسکوا اور یروشلم میں سفارتی سطح پر روس نے اس طیارے کی فوری واپسی کیلئے سخت احتجاج کیا جبکہ اسرائیلی ہائی کمان خوشی سے ناچ رہی تھی کیونکہ انہیں تو یہ پرندہ اچانک مفت میں مل گیا تھا اور اب اسے یوں ہی واپس کرنا ناممکن تھا۔ لیکن روسی غصے میں ذرا کمی لانے کی خاطر انہوں نے بظاہر امریکہ اور مغربی ملکوں کو طیارہ دیکھانے سے انکار کر دیا۔ ادھر بغداد میں یہ سکیڈل اور بھی شدت اختیار کر گیا جب دنیا کو معلوم ہوا کہ مشیر رومفا پائلٹ جو جہاز اغوا کر کے اسرائیل لے گیا تھا کسی بھی لحاظ سے نا تجربہ کار پائلٹ نہیں تھا۔ جیسا کہ بغداد ریڈیو نے اس کے متعلق نشر کیا تھا بلکہ وہ عراقی ائرفورس کا ذہین ترین ہوا باز تھا۔ اور اس عہدے تک پہنچنے سے پہلے وہ سخت گیر روسی اور عراقی سکریٹنگ میٹ سے ہو گزرا تھا۔

مشیر نے سب سے پہلے امریکی ائرفورس میں تربیت حاصل کی تھی۔ اسکے بعد ایڈوانس جیٹ فلائنگ ٹریننگ کے لئے اسے سویت یونین بھیجا گیا تھا تب جا کر اسے مگ۔۲۱ اڑانے کی اجازت دی گئی۔

عراقی ائرفورس نے اسے بہترین کارکردگی کی بناء پر سکوارڈن لیڈر کے عہدے پر ترقی دی۔ ایک طرف تو مغربی ملک اس طیارے کو حاصل کرنے کی تگ و دو میں مصروف تھے لیکن بغداد میں روسی مشیر اور عراقی فوجی حکام مشیر کے فرار کے پیچھے کارفرما عوامل کا بغور جائزہ لے رہے تھے۔

اسرائیلی ذرائع میڈیا کو جو انجیکشن لگا رہے تھے اسکے مطابق مشیر رومفا معمول کی تربیتی پرواز کے دوران راستہ بھول گیا تھا۔ اسکے پاس فیول بھی ختم ہو رہا تھا۔ لہذا وہ ہنگامی لینڈنگ میں ایک اسرائیلی اڑیں پراٹر گیا لیکن عراقی اور روسی ماہرین نے اس وضاحت کو مستحکم خیر قرار دیتے ہوئے

کہا کہ طیارے کا ان فو اء ایک سو چے سمجھے پلاننگ کے تحت ہوا ہے۔ اور موساد کا اسکے پیچھے ہاتھ ہے اور وہ بالکل صحیح گہر ہے تھے۔

۱۹۶۰ء کی دہائی میں متعارف ہونے والے اس پراسرار طیارے کو حاصل کرنے کی خواہش مغربی ممالک کی طرح اسرائیل کو بھی بڑی شدید تھی۔ ویسے بھی اسرائیل کی شروع سے پالیسی رہی ہے کہ دشمن کے ہاتھ میں جو بھی جدید ٹیکنالوجی ہواسے ہر قیمت پر حاصل کیا جائے اس پالیسی (ECN) یعنی Electronic counter measure strategy کہتے ہیں۔ لیکن یہاں مسئلہ یہ تھا کہ آخر کیسے اس قدر سیکورٹی میں گہر ہوئے طیارہ پر ہاتھ ڈالا جائے۔ مگ۔ ۲۱ اس زمانے میں دنیا کا بہترین لڑاکا طیارہ تصور کیا جا رہا تھا۔ ۱۹۶۱ میں روسیوں نے انتہائی سیکورٹی کی شرائط پر اسے عرب دنیا میں متعارف کرنا شروع کیا۔ میرا ہیئت نے جب موساد کا چارج سنبھالا تو مگ۔ ۲۱ مصر، عراق اور شام کی ایئر فورس میں استعمال ہو رہا تھا۔ ایک امریکی مصنف کے مطابق:

Its speed, armaments, its performance capabilities, its instrumentation, its defense equipment, all vital information if the Israeli air force was to be given a chance to counter it, were all unknown qualities.

اسے حاصل کرنے کیلئے مختلف تصورات پر غور کیا گیا۔ ایک تجویز یہ دی گئی کہ کسی عراقی پائلٹ کو بھاری رشوت دیکر طیارہ اسرائیل لایا جائے یا دوران پرواز اسے زبردستی اسرائیل میں اتارا جائے۔

موساد کے مین کپیوٹر میں عرب دنیا کے جتنے بھی ایئر فورسز ہیں انکے ایک ایک ہوا باز کا مکمل بائیو ڈیٹا موجود رہتا ہے اور یہ ڈیٹا انہیں امریکہ، فرانس اور برطانیہ سے بآسانی دستیاب ہوتا ہے وجہ اسکی یہ ہے ان عرب ملکوں میں ہوا بازی کے لئے جدید سہولیات کا سخت فقدان ہے لہذا ان کے پائلٹ ایڈوانس ٹریننگ کیلئے ان ملکوں کا رخ کرتے ہیں۔ موساد ہر پائلٹ کی ایک فائل ترتیب دیتا ہے پھر ان میں غیر مسلم ہوا بازوں کی علیحدہ فہرست بنتی ہے جو اکثر عیسائی یا یہودی یا عرب ملک کے اقلیتی فرقے کے افراد ہوتے ہیں یہ افراد عموماً سانی غیر ملکی انٹیلی جنس ایجنسیوں کے جال میں پھنس جاتے ہیں اسی وجہ سے متعلقہ ملک کے خفیہ ادارے ان پر کڑی نگرانی رکھتے ہیں۔

طیارے کے حصول کیلئے اسرائیل نے اس قدر شدت سے ایک جاسوسی پروجیکٹ پر کام شروع کیا کہ سرکاری اور غیر سرکاری پارٹیوں میں اکثر فوجی جنرل اپنے خفیہ اہلکاروں سے ایک ہی سوال پوچھتے تھے: بھائی جہاز کہاں ہے؟ لیکن بڑی تک دود کے باوجود اسرائیلی انٹیلی جنس طیارے کے قریب بھی نہ پہنچ سکی۔ اس طیارے کی حفاظت کیلئے روسی تو اس قدر پاگل تھے کہ خود کے جی بی کے ایجنٹ ہر وقت اس کے ارد گرد منڈلاتے رہتے تھے اس کی نگہبانی دیکھ بھال (maintenance) روسی خود کرتے تھے۔ جہاز کے متعلق کتا بچے بھی انہوں نے اپنے قبضے میں رکھے تھے طیارے میں صرف اتنا اندھن بھرا جاتا جو اندرونی ملک پرواز کیلئے بمشکل کافی ہوتا تھا۔

۱۹۶۳ء کی کرسمس سے ذرا پہلے اچانک ہیروس کے اسرائیلی سفارتخانے میں ایک شخص آیا اس نے استقبالیہ کلرک سے کہا کہ وہ ملٹری اتاشی سے ملنا چاہتا ہے اس نے کہا کہ اسکے پاس ملاقات کیلئے پیشگی اجازت نامہ نہیں ہے مگر وہ ایک انتہائی اہم بات کرنا آیا ہے ملٹری اتاشی اس وقت اپنی

سیٹ پر موجود نہیں تھا لہذا ایک سینکڑ سکرٹری کو اجنبی شخص کا انٹرویو لینے کو کہا گیا۔ وہ اسے چھوٹے سے کانفرنس روم میں لے گیا وہ آدمی فوراً مطلب کی بات پر آتے ہوئے بولا میں نے پھر کبھی تمہارے ایجنسی واپس نہیں آنا ہے اور نہ ہی تم لوگ پھر کبھی مجھ سے رابطہ کر سکو گے میں صرف اپنے ایک دوست کا جو عراق میں ہے ایک پیغام دینے آیا ہوں اگر آپ لوگوں کو مگ۔ ۲۱ کی واقعی ضرورت ہے تو بغداد میں جوزف نامی ایک شخص کو فون پر کہہ دیں وہ اس کا بندوبست کر دے گا۔ اسکے ساتھ ہی اس اجنبی نے کاغذ کے ایک پرزے پر اس کا ٹیلیفون نمبر لکھ کر اسرائیلی سفارت کار کے حوالے کر دیا۔ یہ سن کر وہ سینکڑ سکرٹری پہلے بے حد حیران ہوا پھر اس نے مسکراتے ہوئے مزید معلومات کیلئے پوچھا۔ تو وہ اجنبی فوراً اپنی سیٹ سے اٹھ کر کہنے لگا۔ کہ اس کے علاوہ اسکے پاس کہنے کو کچھ نہیں ہے اور اسکے ساتھ ہی اس نے سفارت کار سے ہاتھ ملایا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا واپس چلا گیا۔ اسرائیلی سفارت حیران و پریشان تھی کیونکہ اس شخص نے نہ تو اپنا نام بتایا نہ کوئی اتہ پتہ چھوڑا۔

نوجوان ڈپلومیٹ نے ایک مختصر رپورٹ لکھ کر نیچے فرسٹ فلور پر واقع موساد کے آفس میں بھیج دی وہاں کسی نے اس کا سنجیدگی سے نوٹس نہیں لیا۔ کیونکہ اکثر لوگ یا تو مذاق میں یا سیکرٹ ایجنٹوں کو درغلا کر چھسنانے کیلئے ایسا کرتے ہیں لیکن تل ابیب میں موساد کے چیف میرامیت نے اسے ایک اور زاویہ سے دیکھا اس نے حکم دیا کہ مذکورہ نمبر پر بغداد میں ضرور ایک بار رابطہ کیا جائے۔ میرامیت نے ۲۴ گھنٹے کے اندر اندر اسکی رپورٹ مانگی۔ بغداد میں سرگرم عمل اسرائیلی ایجنٹوں سے یہ کام لینا انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتا تھا وہ مذکورہ شخص کو ٹیلیفون کر کے اسرائیل کے جاسوسی نیٹ ورک کو خطرے میں ڈال سکتے تھے۔ موساد ابھی تک اس شخص کو شک کی نگاہ سے دیکھ رہی تھی کہ کہیں وہ عراقی انٹیلے جنس کا مہرہ نہ ہو۔ بہر حال بہت سوچ بچار کے بعد فیصلہ ہوا کہ موساد کی سروس سے باہر کسی ایسی اسرائیلی شخص کو بغداد بھیجا جائے جو تہہ بہہ کار اور ذہن ہو اور اس بات کا موقع پر تجزیہ کر کے رپورٹ بھیجے اور اس ایجنٹ کو اسرائیلی انٹیلے جنس کے متعلق قطعاً علم نہ ہو تاکہ گرفتاری کی صورت میں اس سے کسی قسم کی معلومات نہیں لی جاسکے اسکے علاوہ بغداد میں موساد کے نیٹ ورک سے اسے بے خبر رکھا جائے تاکہ وہ کسی مشکل کے دوران ان سے رابطہ نہ کر سکے یہ مکمل طور پر دن مین (one man) آپریشن تھا۔

موساد کے چیف نے از خود ملٹری انٹیلے جنس کے ایک نوجوان فیلڈ انٹیلے جنس آفیسر یوسف منصور کا انتخاب کیا۔ اس نے بطور ہیرو اور پور تربیت حاصل کی تھی اور روانی کے ساتھ عربی اور انگریزی بول سکتا تھا۔ منصور کو میرامیت کے آفس میں بلایا گیا جہاں اسے موساد کے چیف نے اسے دو ٹوک الفاظ میں کہا اس مشن میں موت کا 99% امکان ہے۔ لیکن اسرائیل کو تم سے زیادہ مگ۔ ۲۱ کی ضرورت ہے لہذا تم ابھی بھی سوچ لو ورنہ ایک بار عراق میں سرانیت کرنے کے بعد تمہیں دوبارہ سوچنے کا موقع نہیں دیا جائے گا۔ لیکن ٹیلیفونٹ منصور نے مشن پر جانے کیلئے رضی مندی ظاہر کر دی۔ ٹھیک ایک ماہ بعد منصور ایک جعلی برٹش پاسپورٹ پر جس میں اس کا پیٹنٹ X-ray equipment درج تھا وہ لندن سے ایک پرواز کے ذریعے بغداد پہنچا۔ اس نے ایک عالی شان قدیم ہوٹل میں کمرہ لیا۔

ایک ہفتے تک وہ الیکٹرانک آلات کے کنسپل لیکر مختلف ہسپتالوں اور وزارت صحت کے دفاتر کا پکڑ لگا تار ہا۔ اسکے ساتھ ہی وہ اپنے آپ کو اس ٹیلیفون کال کیلئے ذہنی طور تیار کر رہا تھا جسکے لئے اس نے اتنا لمبا سفر کیا تھا۔

آخر ایک دن ہمت کر کے اس نے وہ نمبر ملا ہی لیا۔ خوف سے اسکی ٹانگیں کا پھٹنے لگی۔ تھوڑی دیر میں کسی نے ٹیلی فون پر پہلو کہا تو منصور نے کہا میں جوزف سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ اس شخص نے پوچھا، تم کون ہو؟ تو منصور نے جواب دیا، میں جوزف کا دوست ہوں اور برطانیہ سے آیا ہوں اسنے میں جوزف نے خود ٹیلی فون پر پوچھا، می فرمائیے میں ہی جوزف ہوں، منصور سخت خوف کی وجہ سے بھول ہی گیا کہ اسے کیا کہنا چاہئے لیکن دوسری طرف جوزف سمجھ گیا کہ یہ کون ہو سکتا ہے آخر اس نے کہا اچھا تم تو وہی ہو جو کچھ دن پہلے میرے ایک دوست کے ساتھ جیس میں ملے تھے۔ اس پر منصور کی جان میں جان آئی۔ پھر اس نے کہا ہاں بالکل وہی ہوں کیا ہم کسی وقت بغداد کے کسی کینے میں مل سکتے ہیں؟

اگلے دن منصور ایک مصروف ترین کینے میں جوزف کے انتظار میں بیٹھا تھا ڈر سے اسکا جسم پسینے سے شرابور ہو رہا تھا اور دل ہی دل میں وہ سوچ رہا تھا کہ چند لمحوں بعد عراقی سیکورٹی والے اچانک اندر گھس کر اسے گھٹیٹ کر لیجا کینٹے۔ ابھی وہ جاگتی آنکھوں سے ڈراؤنے خواب دیکھ رہا تھا کہ ایک شخص کینے میں داخل ہوا اور سیدھا چلتا ہوا اسکی میز کے ساتھ لگی ایک کرسی پر بیٹھ گیا اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ میرا نام جوزف ہے اور تم بھی یقیناً وہی ہو جسکے ساتھ فون پر بات ہوئی تھی۔ اسکا رنگ سانولا اور بال برف کی طرح سفید تھے انہوں نے کالی ترکی کافی کا ڈرڈیا۔

پھر جوزف نے بات شروع کی، اچھا ہوا تم آگے۔ اس جملے سے منصور کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ خطرناک مشن پر نہیں بلکہ کافی پینے آیا ہے۔ پھر منصور نے جبکھتے ہوئے اصل بات شروع کی، ہم اس چیز کی خریداری میں دلچسپی رکھتے ہیں جس کا تمہارا دوست نے ذکر کیا تھا تمہارا اشارہ غالباً گ۔ ۲۱ کی طرف ہے؟ بوڑھے آدمی نے پوچھا۔ منصور نے گلا صاف کرتے ہوئے بڑی مشکل سے کہا، ”ہاں“ اس پر آپ لوگوں کا بہت پیسہ خرچ ہوگا اور وقت بھی لگے گا، جوزف نے کہا لیکن اسکا بندوبست ہو سکتا ہے۔

منصور نے ایک اور سوال داغے ہوئے کہا میرے دوستوں کو سمجھ نہیں آ رہی ہے کہ یہ مشکل کام آخر تم کیسے کرو گے؟ اس پر جوزف نے مسکراتے ہوئے کہا بالکل بتاؤں گا۔ انہوں نے اگلی ملاقات ایک پارک میں کرنے کا پروگرام سیٹ کیا۔

دوسری صبح بغداد کے ایک پارک کے کونے میں لگے بیٹھ پر دونوں بیٹھ کر پھر اسی موضوع پر بات چیت کرنے لگے۔ جوزف نے اپنے خاندانی پس منظر کے متعلق ایک لمبی داستان سناتے ہوئے کہا۔ میرا تعلق ایک غریب یہودی گھرانے سے تھا۔ محض دس سال کی عمر میں میں نے ایک مالدار میر وناٹس کرچین فیلٹی کے ہاں ملازمت شروع کی۔ میں سکول بالکل نہیں جاسکا۔ لہذا اب میں لکھنے پڑھنے سے قاصر ہوں۔ میں نے اس خاندان کی خدمت کی اور یوں وہاں اپنے لئے ایک مقام پیدا کیا اس خاندان کا موجودہ سربراہ میرے ہاتھوں میں پلا بڑھا ہے بلکہ اسکی شادی بھی میری مرضی سے ہوئی ہے۔ اسکے جوان بیٹے ہیں جو مجھے خاندان کا بزرگ سمجھتے ہیں اور بڑی عزت کرتے ہیں وہ مجھ سے ہر مسئلے میں مشورہ لیتے ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا ہے کہ عراقی حکومت نے اس فرقے کے عیسائیوں کو تنگ کرنا شروع کیا ہے۔ ان کے بزنس پر طرح طرح کے بھاری ٹیکس لگا رہے ہیں۔ اکثر بڑے بڑے تاجروں کو جیلوں میں بلا کسی جرم کے ڈال دیا گیا ہے میرے مالکوں پر بھی یہی مصیبت آئی پڑی ہے۔ وہ اب کسی طرح اس ملک سے نکلنا چاہتے ہیں۔

البتہ اس کا بڑا بیٹا منیر روفاسکے خلاف ہے وہ انفرورس میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہے اور وہ دنیا کا بہترین لڑاکا طیارہ گ۔ ۲۱ کا

پائلٹ ہے یہ لڑکا بھی میری بے حد قدر کرتا ہے مجھے یقین ہے اگر میں اسے کہوں تو وہ ضرور اپنا جہاز اڑا کر اسرائیل پہنچا دے گا۔ لیکن وہ اپنے پورے خاندان سمیت اسرائیل جانا چاہے گا۔ اور وہاں رہنے کیلئے اسے معقول فنڈز کی ضرورت ہوگی میں بس تم لوگوں سے یہی ضمانت چاہتا ہوں۔

منصور نے کہانی سننے کے بعد پوچھا کہ اس خاندان کو اسرائیل منتقلی کیلئے کتنی رقم کی ضرورت ہوگی۔ تو جوزف نے جواب دیا کہ پانچ لاکھ پاؤنڈ سٹرلنگ۔ وہ خود اپنے لئے کچھ بھی نہیں مانگ رہا تھا۔ حتیٰ کہ وہ عراق سے فرار کا بھی نہیں سوچ رہا تھا۔

جوزف نے مزید کہا کہ وہ یہ سب کچھ اسرائیل اور صیہونیت کی بقاء اور اسکے بعد مذکورہ عیسائی خاندان کے احسانات چکانے کیلئے کرنا چاہتا ہے۔ ایک ہفتے بعد منصور واپس تل ابیب پہنچ چکا تھا۔ اس نے موساد کے چیف کو رپورٹ دیتے ہوئے کہا کہ جوزف کی آفر بالکل صحیح ہے۔

لیکن موساد کے ہیڈ کوارٹر میں ایک حلقہ اس آپریشن کو انتہائی مہنگا اور خطرناک سمجھ رہا تھا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ یوسف منصور ایک نا تجربہ کار شخص ہے جو ایک چالاک بوڑھے عراقی کی باتوں میں آ کر موساد کے پورے نیٹ ورک کو بغداد میں تباہی کی طرف لے جاسکتا ہے۔ اور دوسرے طرف پانچ لاکھ پاؤنڈ بھی یونہی ضائع ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس مخالفت کے باوجود میرامیت نے کہا کہ کم از کم گ۔۲۱ کیلئے وہ یہ رقم منوانے پر تیار ہے وہ اسرائیل کیلئے یہ جو اکیلنا چاہتا ہے اس سے پہلے اسرل ہیرل نے ایڈولف ایشمین کے بیونس آئرس سے اغواء پر موساد کا بچت تقریباً پورا ہی خرچ کر ڈالا تھا۔ ایت نے اس آپریشن کیلئے فوراً وزیراعظم سے منظوری لے لی۔

اس کے بعد اس نے ایک زبردست کام یہ کیا کہ عراق میں سرگرم عمل موساد کے پورے جال کو لپیٹ لیا۔ کیونکہ کسی بھی ممکنہ حادثے کی صورت میں وہ اپنے خفیہ جاسوسوں کی جان خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ اسرائیل کے یہ سیکرٹ ایجنٹ کئی برسوں سے وہاں کام کر رہے تھے۔ پھر اس نے اس آپریشن کیلئے پانچ گروپ تشکیل دیئے۔ گروپ نمبر ۱ میں منصور اور اسکے ساتھ ایک ریڈیو آپریٹر تھا۔ منصور کا کام بغداد میں ایک سرے کے آلات فروخت کرنے کیلئے ایک ایجنسی کو ملنی تھی جہاں سے اسے جوزف اور اسکی فیملی کے ساتھ مسلسل رابطہ رکھنا تھا۔

گروپ نمبر ۲ میں چار افراد تھے جن کا کام منصور کی حفاظت تھا یا ایمر جنسی میں انہیں عراق سے نکالنا تھا۔

گروپ نمبر ۳ میں تین آدمی تھے انکے ڈسے اس فیملی پر نظر رکھنا تھا کہ وہ بغداد سے کسی اور شہر تو منتقل نہیں ہو رہی یا انکے ہاں عراقی انٹیل جنس کا آنا جانا تو نہیں ہے۔

گروپ نمبر ۴ ملٹری انٹیل جنس کا تھا۔ جس میں چھ آدمی شامل تھے۔ انہیں عراق کی کردستان بھیجا گیا جہاں انہوں نے کرد باغیوں کی مدد سے فیملی کو اس راستے سے بیرون ملک نکالنا تھا۔

گروپ نمبر ۵۔ یہ تیم ایران کے شہر ابواز میں رکھی گئی تاکہ کردستان سے پہنچنے پر فیملی کو سفر کے اگلے مرحلے میں تحفظ فراہم کرے۔

اس کے علاوہ ایک سفارتی وفد ترکی بھیجا گیا تاکہ ان سے اسرائیلی طیاروں کی لینڈنگ اور ریفریو لیگ کی اجازت لے سکے۔

اسرائیل کے ترکی کیساتھ شروع سے سفارتی تعلقات تھے لیکن انکے ساتھ جنگی طیاروں کے اترنے کا معاہدہ ابھی نہیں ہوا تھا۔ ضرورت پڑنے پر وہ گ۔۲۱ کو ترکی کی فضائی حدود میں داخل کر کے بحیرہ روم پر سے اڑاتے ہوئے اسرائیل لا سکتے تھے پرواز زیادہ تر دشمن ممالک کی فضائی

حدود میں تھی۔ روسی مگ۔ ۲۱ کی ٹینکیوں میں اتنا ایندھن ڈالنے کی اجازت دیتے جو لمبی پرواز کیلئے ناکافی ہوتا تھا۔

اس دوران ادھر بغداد میں جوزف نے اسرائیلیوں کیلئے ایک مسئلہ پیدا کر دیا۔ موساد سمجھ رہی تھی کہ منیر روفا کی فیملی اس کی بیوی اور دو بچوں پر مشتمل ہے اور وہی اس کے ساتھ اسرائیل منتقل ہوگی مگر جوزف نے کہا کہ انہیں اس خاندان میں اس کے ماں باپ دادا، بھائی بھتیجے اور بھتیجیاں شامل ہیں اور یہ سب کے سب عراق سے نکلنا چاہتے ہیں اتنے بڑے خاندان کو اچانک روانہ کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا مگر میرامیت نے یہ مطالبہ بھی مان لیا۔ موساد کی تیاری ہر لحاظ سے مکمل ہو چکی تھی اب جوزف پر منحصر تھا کہ وہ خاندان کے سربراہ کو اور منیر روفا کو کیسے قائل کرتا ہے۔ اس بات چیت میں بھی لگ بھگ چار ماہ لگ گئے اس نے خاندان کے سربراہ کو مکمل راضی کر لیا پھر منیر کی باری آئی تو وہ یہ بات سن کر تھوڑی دیر کیلئے پریشان ہوا وہ حب الوطنی اور ڈیوٹی کے ملے جلے جذبات میں پھنس کر رہ گیا مگر تھوڑی دیر بعد اسے احساس ہوا کہ صرف اسی طریقے سے وہ اپنا اور پورے خاندان کا مستقبل بچا سکتا ہے اسی دوران میرامیت نے اچانک سی آئی اے اور پیٹنا گان کے ساتھ بھی رابطہ کیا کیونکہ امریکیوں کو ان سے زیادہ اس طیارے کی ضرورت تھی۔ وہ ان سے مدد لینا چاہتا تھا۔ وہ فوراً واشنگٹن پہنچا جہاں اس نے سی آئی اے کے ڈائریکٹر سے ملاقات کی اور اسے بتایا کہ گم۔ ۲۱ موساد کی لائن پر ہے صرف سی آئی اے کی تھوڑی سی مدد کی ضرورت ہے امریکی اس انکشاف پر اچھل پڑے۔

بغداد میں امریکی سفارت خانے کے ایک سینئر ڈپلومیٹ نے جوزف کے توسط سے منیر روفا سے ملاقات کی اور اسے بتایا کہ پوری مغربی دنیا کو کیوبازم کے خلاف جنگ میں اس طیارے کی سخت ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ سفارت کار اگلے دن بغداد سے امریکہ چلا گیا۔ اب منیر روفا اس بات پر مکمل راضی ہو چکا تھا اسے باور کرا دیا گیا تھا کہ وہ محض اسرائیل کیلئے کام نہیں کر رہا ہے بلکہ اشتراکیت کے خلاف برسرِ پیکار عالمی طاقتوں کی مدد کر رہا ہے۔

آپریشن کے عین اسی مرحلے پر منیر کو اسرائیل آنے کی دعوت دی گئی اور یہ دعوت اسے ایک خوبصورت امریکی خاتون نے دی جو کافی عرصے سے بغداد میں مقیم تھی اور موساد کیلئے کام کر رہی تھی۔ یہ عورت عراق کے ملٹری اور پولیٹیکل سرکل میں اکثر دیکھی جاتی تھی اس کے علاوہ انزفوس کے کئی ہوابازوں کے ساتھ اس کے قریبی مراسم تھے موساد کے اشارے پر اس نے سکوارڈن لیڈر منیر کے ساتھ بھی تعلق بنا دیا تھا۔ منیر نے کچھ دنوں کیلئے چھٹی لے لی تھی آخر وہ اس عورت کیساتھ پیرس پہنچا جہاں اسے ایک جعلی پاسپورٹ پر اسرائیلی ائرن لائن کی ایک پرواز سے اسرائیل روانہ کیا گیا اسے گلی (Nagev) فوجی اڈہ پر دی آئی پی کی حیثیت سے رسیو کیا گیا۔

اسکے ساتھ ایک بند کرے میں ملاقات کرنے والوں میں موساد کا چیف میرامیت انزفوس کا کمانڈر جنرل اور دیگر ایکسپٹ شامل تھے انہوں نے وقت ضائع کئے بغیر اسے کہا۔ اگر تم مطلوبہ جہاز یہاں پہنچا دو گے تو ہم تمہیں طے شدہ رقم دینگے۔ تمہارے پورے خاندان کی اسرائیل میں آباد کاری اور تحفظ کی ضمانت دینگے۔ اسکے علاوہ تم سب کو یہاں کی شہریت بھی ملے گی۔ اس پر منیر نے کہا میں بالکل تیار ہوں مگر میرے بیوی اور بچوں کو سب سے پہلے وہاں سے نکالنا ہوگا۔ آپ کو پتہ ہے کہ عراق میں لوگوں کو پھانسی پر لٹکا جایا جاتا ہے اور وہ میرے بیوں کو پھانسی اور بچوں کو قتل کر دینگے۔ یہ سنتے ہوئے موساد کے افسر ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرائے، ہمیں پتہ ہے کہ بغداد میں لوگوں کو پھانسی پر چڑھایا جاتا ہے بلکہ

ہیں ذاتی تجربہ ہے۔

انہوں نے اُسے مکمل یقین دہانی کرائی کہ اُس کے خاندان کو اُس کے فرار سے قبل ہی نکالا جائے گا۔ اس کے بعد ائرفورس کے جزل کے ساتھ اُس کی ایک علیحدہ مینیک ہوئی۔ جزل نے اسے فرار کیلئے ایک نقشے پر ہوائی راستے سمجھائے۔ عراقی اور اُردنی ریڈار شیٹوں سے بچنے کیلئے ایک زگ زیگ روٹ کا انتخاب کیا گیا۔

تمہیں معلوم ہے کہ یہ کتنا خطرناک کام ہوگا۔ یہ نو سو کلومیٹر طویل فاصلے ہوگی۔ اگر تمہارے اپنے ہم کاروں کو پتہ چلا تو وہ تمہارا پیچھا کر کے تمہیں سرحد عبور کرنے سے پہلے ہی گرا دیں گے۔ اگر وہ ناکام ہوں تو اُردن کی طیارہ شکن توپیں تمہیں نشانہ بنائے گی۔ تمہارے لئے ایک نصیحت یہ ہے کہ اپنے ہوش و حواس قابو میں رکھتے ہوئے اسی فضائی روٹ پر اپنے جہاز کو رکھنا وہ اس راستے کو بالکل نہیں جانتے۔

اگر تم گھبرا گئے تو سمجھ لو کہ مر گئے ایک بار اپنے معمول کے فضائی روٹ سے ہٹنے کے بعد تمہارے پاس واپسی کا کوئی چانس نہیں ہوگا۔ منیر نے قتل سے ساری باتیں سننے کے بعد کہا۔ فکر نہ کریں میں بالکل اسی طرح کروں گا۔ جس طرح آپ چاہتے ہیں۔

منیر ایک بات سے بے حد متاثر ہوا کہ اسرائیلیوں کو عراقی ائرفورس کے عملے کے تمام افراد کے نام یاد تھے۔ جن میں رومی بھی شامل تھے انہیں عراقی ائرفورس کے معمول کے تربیتی پروازوں کے شیڈول کا بھی پورا علم تھا کہ کونسی پرواز لمبی اور مختصر ہوگی۔ لمبی اڑان کے دن رومی جہاز میں اضافی ایندھن کی اجازت دے دیتے تھے۔ منیر کو بھی عین اسی دن یاد نکلتا تھا۔ پرواز کے مختلف مرحلوں میں اسے پہلے سے طے شدہ سنگل دینے تھے تاکہ وہ مختصر اسرائیلی طیاروں کے ساتھ رابطہ پر رہے۔ ائریس میں قیام کے دوران موساد کے کچھ آدمیوں نے اسے انتہائی محتاط رہنے کی تلقین کی انہوں نے ایک مصری ہوا باز کا قہقہہ بھی سنایا جو بے احتیاطی کی وجہ سے مارا گیا تھا۔ محمود حلیسی ۱۹۶۷ء میں اپنے رومی ساختہ تربیتی طیارے کے ساتھ اسرائیل پہنچ گیا تھا۔ اس وقت مصرین میں جنگ لڑ رہا تھا۔ حلیسی نے یمنی دیہات پر بمباری سے انکار کرتے ہی فرار کی راہ اختیار کی۔

اسکی آمد سے اسرائیلی بہت خوش ہوئے انہیں اس طیارے سے اتنی دلچسپی نہیں تھی بلکہ وہ حلیسی سے پروپیگنڈا مہم میں کام لینا چاہتے تھے۔ اسرائیلی ائرفورس نے اس کا بڑا خیر مقدم کیا اس نے قتل ایب ریڈیو پر اپنے فرار کی وجوہات بیان کی۔ کپٹن حلیسی پر گھونے پھرنے کا بھوت سوار تھا اس نے بیونس آئرز کا کہیں سے نام سنا تھا وہ اسرائیلیوں سے اصرار کرتا رہا کہ وہاں اسے جاب دلائی جائے۔ لیکن وہ جھجک رہے تھے کہ اسرائیل سے باہر مصری اسے کچا چاڑھ لیں گے۔ لیکن حلیسی بے حد متاثر ہو کر مصریوں کا مذاق اڑاتا اور کہتا مصر کی سیکرٹس سروس کو تم لوگ مجھ سے زیادہ نہیں جانتے آپ میری فکر نہ کریں مجھے کچھ نہیں ہوگا۔ آخر تک آ کر اسے بیونس آئرز کی سویل ایوی ایشن فرم میں ملازمت دلوادی گئی اور وہ شفٹ بھی ہو گیا۔ وہاں پہنچتے ہی اس نے سب سے پہلے ایک حماقت کی وہ بھول گیا تھا کہ مصر میں مکمل پوسٹل سمنر شپ لاگو ہے۔ اس نے اپنی ماں کو ایک پوسٹ کارڈ بھیجا اس سے مصری انیلے جس کو پتہ چل گیا کہ وہ اب اسرائیل سے بیونس آئرز منتقل ہو گیا ہے۔ اس نے دوسری غلطی اس وقت کی جب ایک مقامی نائٹ کلب میں اس کی ملاقات ایک مصری نژاد عورت سے ہوئی اور پھر اسے متاثر کرنے کیلئے بڑے فخریہ انداز میں اُسے کہنے لگا ”میرے پاس اتنا پیسہ ہے اگر میں اسے جلا تا شروع کروں تو بھی ختم نہیں ہوگا“ اور اس کے ساتھ ہی اس نے اس خاتون کو وہ کچھ بتا ڈالا جو اسے بعد میں بے حد ہنگامہ پڑا۔ اس رات کو وہ

اس مصری عورت کیساتھ اسکے قلیبت میں گیا وہ پھر کبھی اپنے ہوٹل واپس نہیں آ سکا۔ آدھی رات کے قریب جب وہ مکمل طور پر گہری نیند کی آغوش میں تھا وہ لڑکی چپکے سے اپنے بستر سے نکل کر ٹیلیفون کی طرف بڑھی۔

چند ہی لمحوں بعد دس آدمی وہاں پہنچے جنہوں نے حمی کو بستر سے گھسیٹا اور ایک گاڑی میں ڈال کر مصری سفارت پر پہنچا دیا۔ ایک ہفتے بعد موساد کے ایک مقامی ایجنٹ نے جب یہ خبر اسرائیل بھیجی تو مصری اُسے فوراً قاہرہ سہگل کر چکے تھے۔ وہاں ایک مختصر سی عدالتی کارروائی کے بعد اسے قازنگ سکوڈ کے حوالے کر دیا۔ موساد کے آدمی نے منیر کو یہ قصہ ایک وارنگ کے ساتھ سنایا کہ اگر مستقبل میں وہ اسرائیل میں رہنا چاہتا ہے تو کبھی اسکی سرحدوں سے نکلنے کی کوشش نہ کرے۔ چند روز بعد وہ اس امریکی لڑکی کے ہمراہ دوبارہ یورپ سے ہوتا ہوا بغداد پہنچا۔

پلان کے مطابق منیر کا ایک بنیاد پرست بیمار ہو گیا بغداد واپس ہسپتال کے ایک ڈاکٹر (جو موساد کا وظیفہ خوار تھا) نے اسے سرٹیفکیٹ دیا کہ اس کا علاج لندن میں ضروری ہے۔

مسز منیر روفا اور اسکے بچوں کی لندن روانگی کے انتظامات تیزی سے مکمل ہوئے وہ بالآخر تہران سے ہوتے ہوئے ایک پرواز میں لندن پہنچ گئے وہاں اگلے دن ہی ایک اسرائیلی یونینگ انہیں لیکر تل ابیب روانہ ہوا۔ وہاں پہنچتے ہی انہیں ایک نامعلوم مقام پہنچا دیا گیا۔

اب منیر کا اصل چیلنج شروع ہو چکا تھا۔ فرار کا مقرر دن تیزی سے قریب آ رہا تھا اور اسکے ساتھ ہی خوف کی کشمندی لہر میر کے بدن میں دوڑنے لگی اسے ایک فکر یہ بھی تھی کہیں ایسا نہ ہو کہ اسکے جانے کے بعد اسے کوئی خبر دے کہ اسکے ماں باپ اور رشتہ دار عراق سے نکلنے میں ناکام ہو گئے ہیں لیکن اس خاندان کے اختلا کے کیلئے موساد کا پروگرام بالکل سیدھا سادہ تھا۔ ویسے بھی موسم گرما کے شروع ہوتے ہی یہاں کی مالدار فیملیاں چھٹیاں گزارنے کر دوستان کے رخ بستہ پہاڑی مقامات منتقل ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔

اسرائیل ان دنوں کرد باغیوں کی خفیہ فوجی مدد کر رہا تھا اس وجہ سے موساد کا ان سے قریبی رابطہ تھا۔ ایک کرد رہنما شیخ بزبانی کے ساتھ بات ہو چکی تھی۔ اس نے مذکورہ خاندان کو پہاڑوں میں کسی محفوظ مقام پر پہنچانا تھا جہاں سے ایک اسرائیلی ہیلی کاپٹر نے انہیں اٹھا کر ایرانی شہر اہواز پہنچانا تھا اس اختلا کے کیلئے مقررہ وقت چوبیس گھنٹے تھا۔ کم از کم اتنے وقت میں کسی نے اس خاندان کی اپنی رہائش گاہ سے روانگی کا کوئی نوٹس نہیں لیا تھا۔

منیر کی دلجوئی کے کیلئے موساد نے کچھ یوں بندوبست کیا کہ کر دوستان سے ہیلی کاپٹر کی اور بغداد سے مگ۔ ۲۱ کی پرواز بیک وقت مقرر کی گئی۔ آپریشن کے آخری مرحلے کیلئے ۱۵۔ اگست ۱۹۶۶ء کی تاریخ مقرر ہوئی۔

اس دن اسکے ڈیوٹی رومٹر میں لانگ رینج فلائٹ لکھی تھی۔ اسے صبح اجالا پھیلنے سے قبل شامی عراق کے ایک بیس سے فضاء میں بلند ہونا تھا مقررہ دن وہ از فورس کی ایک وین میں متعلقہ ارفیلڈ پہنچا اسکے اعصاب مکمل طور پر اسکے کنٹرول میں تھے۔ روی ٹیکنیشن لمبی تریبی پرواز کیلئے اسکے طیارے میں اضافی ایندھن کے ٹینک جوڑ رہے تھے۔ وہ پوری کوشش کر رہا تھا کہ اسکے چہرے کے تاثرات ناظر نظر آئے۔

طیارہ پرواز کیلئے بالکل تیار ہو چکا تھا۔ منیر روفا اپنا ہیملٹ ہاتھ میں لئے آہستہ آہستہ جہاز کے کاک پٹ کی طرف روانہ ہوا کچھ دیر بعد جب وہ اپنی سیٹ پر بیٹھا تو طیارہ کی کیوبیٹی خود بخود بند ہو گئی اور منیر نے اپنے منہ پر ماسک لگا کر انجن چالو کر دئے۔

سامنے رن وے پر ایک روسی نے اپنے انگوٹھے کے اشارے سے اسے کلیرنس کا اشارہ دیا۔ پھر کنٹرول ٹاور نے اسے ریڈیو پر ٹیک آف کا سگنل دیا۔ اس نے اپنے روسی ایڈوائزر کو آخری مرتبہ کام کرتے ہوئے دیکھا۔ بیس میں دوسرے عراقیوں کی طرح وہ بھی انکو بالکل پسند نہیں کرتا تھا۔ یہ لوگ علیحدہ میس میں کھانا کھاتے تھے۔ الگ کبابوں میں اکٹھے ہوتے تھے۔ اور عراقی پائلٹوں کو بڑی حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ کچھ دیر بعد اس کا جہاز رن وے پر پوری قوت کیساتھ گرجتا ہوا فضاء میں بلند ہوا۔ وہ معمول کے مطابق بغداد کی طرف مڑا تو اتریں اسکی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ انتہائی بلندی پر جانے کے بعد اس نے اچانک طیارے کے after-burners آن کر دیے اور اس کے ساتھ ہی اُس نے اپنا رخ جنوب مغرب میں اردن اور پھر اسرائیل کی طرف موڑ دیا۔ اس نے اسرائیلیوں کے بتائے ہوئے ٹیز میز سے فضا کی روٹ پر فرار شروع کر دیا۔ بین الی اسکی دل کی دھڑکن طیارے کی رفتار سے بھی تیز ہو گئی۔ یہ اسکی زندگی کا سب سے خوفناک لمحہ تھا۔ اگلے چند لمحوں میں اس کا طیارہ مارا گیا بھی جاسکتا تھا۔ زندہ بچ جانے کی صورت میں اس نے پھر کبھی اپنے آبائی وطن کی شکل نہیں دیکھنا تھی۔

<http://kitaabghar.com>

وہ ایک نئی زندگی کیلئے اسرائیل کی طرف بڑھ رہا تھا جو حقیقت میں اس سے پہلے اس کیلئے دشمن کی سرزمین تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ عراقی حکومت اسے غدار قرار دے گی اور اسرائیل میں بھی اسے قتل کرنے کی کوشش کرے گی۔ ابھی وہ ان خیالات میں گم تھا کہ اچانک طیارے کا وائرس سسٹم آن ہو گیا۔ نیچے بہت دور عراقی اتریں سے کسی نے انتہائی غصے میں اسے واپس مڑنے کا حکم دیا اس پر منیر نے طیارے کی رفتار اور بھی بڑھا دی۔ ایک بار پھر وائرس پر وہ کرخت آواز ابھری ”اگر تم واپس نہیں ہوئے تو سوچ لو ہم تمہیں مار گرانے والے ہیں“ منیر نے ہاتھ بڑھا کر وائرس سیٹ آف کر دیا کیونکہ اسے اندازہ تھا کہ اب عراقی جٹ اس کے تعاقب میں روانہ ہو چکے ہوں گے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب اس کے اپنے رفقاء کا رُاسے مار گرانے آ رہے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے انہوں نے اردن کی فضا کی کو بھی الرٹ کر دیا ہو کیونکہ چند لمحوں بعد وہ انکی فضا کی حدود میں داخل ہونے والا تھا۔ منیر اس تصور سے ہی کانپ اٹھا کیونکہ اسے شاہ حسین کے ہوا بازوں کی شہرت سے اچھی طرح واقفیت تھی۔ ابھی وہ اسرائیلی سرحد سے تھوڑا دور تھا کہ اس کا خیال اس امر کی لڑکی کی طرف چلا گیا جسے موساد نے اسے رام کرنے پر معور کیا تھا۔ اسرائیل سے واپسی پر پیرس میں اس نے اُسے کہا تم نے صرف سیاسی مقاصد کیلئے میرے جذبات کیساتھ یہ کھیل کھیلایا۔ اس بات پر امریکی لڑکی نے اسے خالی نظروں سے دیکھا پھر دوسری طرف منہ موڑتے ہوئے مخاطب ہوئی ”تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن مت بھولو کہ جاسوس بھی انسان ہوتے ہیں اور اُن کے بھی کچھ جذبات ہوتے ہیں“ یہ بھی تو حقیقت تھی کہ وہ اپنی جان خطرے میں ڈال کر اس کے ساتھ واپس بغداد جاری رہی تھی۔ منیر اُسے بغداد میں پکڑا بھی سکتا تھا لیکن اس نے منیر پر اعتماد کیا کہ وہ ایسا ہرگز نہیں کریگا۔

منیر کے فرار کے وقت اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ جنوبی اسرائیل میں لینڈ کریگا تو وہ اسی وقت عراقی سرحدوں سے دور نکل چکی ہوگی۔ لیکن منیر سوچ رہا تھا کہ اگر ایسا ممکن نہ ہوا۔ اور وہ بغداد میں پکڑی گئی تو اس کا زندہ بچنا ممکن نہیں ہوگا۔ آخر منیر نے اپنے ذہن سے ان خیالات کو باہر نکالتے ہوئے اپنی پرواز پر توجہ مرکوز کر دی وہ ابھی بھی اردن کی فضا کی حدود میں سفر کر رہا تھا اور یقینی خطرے کی حالت میں تھا۔ صرف چند منٹوں کی مسافت کے بعد وہ بحرِ مرد (Dead Sea) کے اوپر پہنچنے والا تھا۔

<http://kitaabghar.com>

سینکڑوں میل دور اسرائیلی رڈز ان اسکے تہا طیارے کو طے شدہ بلندی پر پرواز کرتے محسوس کر لیا تھا اور اسکے ساتھ کچھ ہی دیر بعد اسرائیلی انفرورس کے میراج طیاروں کا ایک سکوارڈن اسے محفوظ فراہم کرنے فضاء میں بلند ہو رہا تھا۔ منیر نے جو نبی انہیں دیکھا تو اس کے دل کی دھڑکن خوف اور خوشی کے ملے جلے جذبے سے تیز تر ہو گئی۔ اپنی شناخت کرانے کیلئے اس نے اپنے طیارے کو پہلے سے طے شدہ انداز میں دو تین غوطے دیئے۔ پھر اچانک اسرائیلی میراج اسکے اوپر نیچے اور دونوں اطراف اڑنے لگے۔

وہ بلا آخر اسرائیلی فضاء میں داخل ہوا تو نیچے کنٹرول ٹاور سے اسے بلندی بتدریج کم کرنے کو کہا گیا۔ اور اسکے ساتھ ہی اسکے وائرلس سیٹ پر ایک دلکش نسوانی آواز ابھری۔ جس نے ٹوٹی پھوٹی عربی میں کہا ”اصلاً وصلاً مرحباً الی الاسرائیل“۔

اگلے ہی لمحے روسیوں کے اس مغرور طیارے نے اسرائیل کے ٹیکو ایئر بیس پر چڑچڑاؤن کیا۔ لینڈنگ کے بعد طیارے کو چاروں اطراف سے ملٹری کمانڈوز نے گھیرے میں لے لیا۔ فوجی ٹرک اور جیپیں اسکے ارد گرد ایک دائرے کی شکل میں کھڑی ہو گئیں۔

منیر کو ایک نامعلوم مقام پر پہنچایا گیا۔ جہاں اس کا پورا خاندان پہلے ہی سے موجود تھا۔ وہ کچھ عرصہ ذہنی دباؤ اور آفسردگی کا شکار رہا۔ شاید یہ وطن سے غداری کے اثرات تھے۔

موساد کے ایک اہلکار نے جواس کا سیکورٹی گارڈ بھی تھا نے ایک دن اسے کہا تمہیں پتہ ہے تمہارے مگ کو کیا نام دیا گیا ہے؟ منیر نے کہا نہیں۔ ”007“ گارڈ نے جواب دیا۔ پھر اس نے شرارتی مسکراہٹ میں کہا ”ویسے انہیں اس کا نام ”مس 007“ رکھنا چاہیے تھا۔ اس پر منیر کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا۔ کیونکہ وہ شخص واضح طور پر اس امر کی سیکرٹ ایجنٹ لڑکی کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ آج کل منیر اسرائیل میں گمنامی کی زندگی گزار رہا ہے۔ سوائے موساد کے اسکی شناخت اور رہائش کا کسی کو پتہ نہیں ہے۔ عراقی حکومت اسے غداری قرار دے چکی ہیں۔ لیکن منیر نے اس الزام کی تردید کرتے ہوئے کہا۔ میں نے کردوں پر ڈھائے گئے مظالم کے خلاف بطور احتجاج اپنا طیارہ اسرائیل میں اتارا تھا۔

منیر اس امر کی لڑکی کے ساتھ کبھی کبھی ملتا ہے وہ بحفاظت بغداد سے نکل آئی تھی لیکن اسرائیل پہنچنے کے بعد ان کے راستے الگ ہو گئے منیر کی اپنی فیملی تھی اور لڑکی اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

کافی عرصہ عراقی اور روسی خفیہ ادارے اس خاتون کی اصل شناخت معلوم کرنے کی تگ و دو میں لگے رہے۔ بلکہ آج بھی اسے ڈھونڈ رہے ہیں لیکن یہ موساد کا سب سے محفوظ ترین راز ہے۔

۲ مئی ۱۹۶۸ء کو اسرائیل کے قیام کی بیسویں سالگرہ کے موقع پر پانچ لاکھ تماشائیوں نے سرخ رنگ کے اس طیارے کو شہر پر پینچی پرواز کرتے ہوئے دیکھا۔ اسے اب انفرورس کے ایک سکوارڈن میں باقاعدہ طور پر شامل کر لیا گیا ہے۔



کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

http://kitaabghar.com

http://kitaabghar.com

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

آپریشن موسس

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

Operation Moses

اس صدی کے اوائل میں ایتھوپیا کے شمال مغربی صوبے گوندر میں لاکھوں سیاہ فام یہودی آباد تھے لیکن 1980ء تک اُن کی آبادی گھٹتے گھٹتے 25000 تک رہ گئی۔ ان لوگوں کو مقامی زبان میں فلاشا (Falashas) کہا جاتا تھا جس کے معنی اجنبی یا جلاوطن ہے۔ ان کا لے یہودیوں کا دعوٰی تھا کہ ان کے آباء و اجداد ہزاروں سال پہلے حضرت سلیمان کے زمانے میں ملکہ سبا کے ہمراہ اسرائیل سے نکل کر یہاں پہنچے تھے۔ ان کے بزرگ دو ہزار سال سے اپنی نسلوں کو کہتے آ رہے تھے، ہم یروشلم کے باسی ہیں اور ایک دن اس شہر کی طرف دوبارہ لوٹیں گے۔ ان کا تو رات کی ایک پٹیشن گوئی پر ایمان تھا جس میں لکھا تھا۔

And it shall come to pass in that day, that the Lord shall recover the remnant of people and there shall be a highway for the remnant like it was to Israel in the day that he came up out of the land of egypt. (asaih 11:11,16)

1972ء میں ان کا لے یہودیوں کو اسرائیل نے سرکاری طور پر یہودی تسلیم کیا۔ اسرائیلی آئین کے لاء آف ریٹرن (law of return) کے مطابق تمام دنیا کے یہودیوں کو کھلی دعوت ہے کہ وہ کسی بھی وقت آباد کاری کیلئے اسرائیل منتقل ہو سکتے ہیں۔ لہذا 1977ء میں جب نیگن وزیر اعظم منتخب ہوا تو اُس نے اعلان کیا کہ وہ ان یہودیوں کو ایتھوپیا سے نکال کر اسرائیل میں بسائے گا۔ لیکن ایتھوپیا کی مارکسٹ حکومت نے ملک سے ہجرت کرنے والوں کو سخت سزائیں دینے کے احکامات لاگو کیے تھے۔

1984ء کے شروع میں فلاشا کے دیہات میں ایک عجیب واقعہ رونما ہوا۔ وہ ایک پیغام تھا جو دیکھتے ہی دیکھتے سیاہ فام یہودیوں کی پہاڑی جمہوریوں میں ہر طرف پھیل گیا تھا۔ پیغام یہ تھا کہ اُٹھو وقت آن پہنچا ہے یروشلم واپس لوٹنے کا کچھ لوگوں کے مطابق انہوں نے یہ پیغام چندا اجنبی افراد کی زبانی سنا جو تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے ہر ایک گاؤں میں سایوں کی طرح داخل ہوتے اور لوگوں کے کانوں میں سرگوشی کرتے ہوئے آگے بڑھتے گئے۔ یوں فلاشا کے تمام دیہات میں بات پھیل گئی کہ تو رات کی پٹیشن گوئی پوری ہونے کا لمحہ آ گیا ہے۔ ویسے گذشتہ کئی سالوں سے تقریباً ہر ایک گاؤں سے چند افراد رات کی تاریکی میں شمال مغرب کی طرف پہاڑوں کو عبور کر کے سوڈان پہنچنے میں کامیاب ہوتے رہے تھے۔ پھر سوڈان میں وہ پناہ گزین کیمپوں میں رہنے پر مجبور ہو جاتے۔ اب پیغام رساں کہہ رہے تھے کہ وہ بالآخر یروشلم پہنچنے میں کامیاب ہو گئے ہیں، اُٹھو اپنے بھائیوں کی طرح یروشلم جانے کی تیاری کرو۔ یوں لگا جیسے کسی نے اُن پر جادو پھونک دیا ہو، ہزاروں فلاشا یک دم ہجرت کیلئے اُٹھ کھڑے

ہوئے۔ اُن کا کوئی لیڈر یا ممبر کاروان نہیں تھا لیکن پھر بھی تقریباً بارہ ہزار افراد مختلف دیہات سے چل پڑے۔ انہیں سوڈان تک تمام سفر دشوار گذار پہاڑی راستوں کو پیدل عبور کر کے مکمل کرنا تھا یہ سوڈانی سرحد تک دو سو میل کا کٹھن مرحلہ تھا۔ دوسری طرف ایک اور مسئلہ یہ تھا کہ سوڈان کا اسرائیل کے ساتھ کوئی سفارتی تعلق نہیں تھا بلکہ وہ اُسے دشمن ملک سمجھتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود یہ لوگ ایتھوپیا کی خشک سالی اور قحط سے فرار ہو کر وہاں پناہ لے چکے تھے۔ جہاں انہیں پناہ گزین کیمپوں میں ڈال دیا گیا تھا۔ 1979ء جب بیگن نے انور السادات کیساتھ کمپ ڈیوڈ سمجھوتے پر دستخط کئے تو مصر اور اسرائیل کے درمیان باقاعدہ سفارتی تعلق قائم ہوا۔ کچھ عرصہ بعد بیگن نے صدر انور السادات کے ذریعے سوڈان کے صدر جعفر النمیری کو اس بات پر رضی کیا کہ وہ ریشمی جی کیمپوں میں محصور فلاشٹا یہودیوں کو اسرائیل جانے کی اجازت دے۔ یوں تقریباً چار ہزار افراد اسرائیل منتقل ہوئے۔ لیکن یہ منصوبہ بالآخر صدر انور السادات کی 1981ء میں ہلاکت کے بعد اچانک ختم ہو گیا۔ صدر جعفر النمیری نے عرب لیگ کی سخت سرزنش کے بعد اس خفیہ پروجیکٹ کو فی الفور بند کر دیا۔

لیکن 1984ء میں حالات مزید خراب ہو گئے ایتھوپیا میں قحط سالی کی وجہ سے لاکھوں لوگ خوراک کی تلاش میں ہمسایہ ملکوں کی طرف ہجرت پر مجبور ہو گئے۔ سوڈان میں ان یہودیوں کی تعداد روز بروز بڑھنے لگی۔ اسی سال ستمبر میں اسرائیل کے نائب وزیراعظم یٹاک شمیر نے واشنگٹن میں امریکی وزیر خارجہ جارج شلٹز سے ملاقات کی اور اُسے کہا کہ وہ سعودی حکومت سے کہہ کر جعفر النمیری کو ایک مرتبہ پھر قائل کرے تاکہ ان یہودیوں کو اسرائیل لیجا یا جاسکے۔ سوڈان خود بھی خشک سالی اور خانہ جنگی جیسے مسائل سے دوچار تھا، لہذا سوڈانی صدر نے فوراً حامی بھری لیکن وہ چاہتے تھے کہ یہ اختلافاً انتہائی خفیہ رہے کیونکہ وہ عربوں کی برہمی سے خوفزدہ تھے۔

یوں 1984ء سے جنوری 1985ء تک یہ آپریشن انتہائی رازداری سے جاری رہا۔ ایک امریکی سی 130 طیارے میں خرطوم سے ان یہودیوں کی پہلی کھیپ اسرائیل پہنچ گئی۔ موساد کے ایجنٹوں نے کیمپوں سے سینکڑوں پناہ گزینوں کو بسوں، ٹرکوں اور کشتیوں میں بیٹھا کر تل ابیب بھیجا۔ لیکن اس خفیہ کارروائی کی خبر کسی طرح بین الاقوامی میڈیا تک پہنچ گئی۔ عرب دنیا میں اس کا شدید رد عمل ابھرا۔ لیبیا نے عرب لیگ کا خصوصی اجلاس طلب کیا، عرب ملکوں کے تمام اخبارات نے سوڈان کے صدر پر لعن تعن کی کہ وہ اہمیت مسلمہ کے سخت دشمن ملک کیساتھ تعاون کر رہا ہے۔ بالآخر سوڈان کو اس طرح یہ منصوبہ ایک بار پھر ترک کرنا پڑا۔

ادھر اسرائیلی حکومت کو فکر لاحق تھا کہ یہ کالے یہودی کہیں بھوک اور پیاس سے مر نہ جائیں۔ اس کے علاوہ ایتھوپیا سے ان کے مزید قافلے بھی سوڈان پہنچ رہے تھے، جہاں کیمپوں میں اُن کی حالت زار اور بھی تشویشناک ہو چکی تھی۔ اس دوران اسرائیلی وزیراعظم شمعون پیریز نے علی الاعلان ایک بیان جاری کیا کہ ہم اُس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک ہمارے بہن بھائی ایتھوپیا سے بحفاظت تل ابیب نہ پہنچ جا سکیں۔ اس کے بعد وزیراعظم نے موساد کے سربراہ کو طلب کر کے اُسے اس سلسلے میں کوئی بڑا آپریشن کرنے کا حکم دیا۔ موساد کے ہیڈ کو کھلی اجازت تھی کہ وہ اس کارروائی میں ملٹری یا سول (civil) ذرائع کا بے دریغ استعمال کر سکتا ہے۔ سوڈان کے درالحکومت خرطوم میں بحیرہ احمر کے ساحل پر غوطہ خوری (Diving) کا ایک کلب تھا۔ اس کا مالک ایک مقامی باشندہ تھا۔ لیکن کلب کا بزنس کوئی خاص نہیں تھا۔ موساد نے اس کلب کو خریدنے کا پلان

تیار کیا۔ وہ اسے ایک مکمل تفریح گاہ میں بدلنا چاہتے تھے۔ کچھ دنوں بعد عربی بولنے والا موساد کا ایک کس آفیسر (Katsa) یہودہ جل ایک بیس جینین ٹورسٹ کمپنی کے نمائندے کے ہمیں میں خرطوم پہنچا۔ وہ کمپنی کی طرف سے بحیرہ احمر میں غوطہ خوری اور صحرائی ٹورازم کے فروغ کے سلسلے میں سوڈانی حکومت کے مختلف عہدیداروں سے ملا۔ ویسے عام طور پر موساد عرب ملکوں میں براہ راست اپنا کوئی ایجنٹ بھیجنے کا خطرہ نہیں مولتا مگر یہاں انہیں رسک لینا پڑا۔ یہودہ جل نے خرطوم میں کلب کی رائج کھولنے کیلئے حکومت سوڈان سے پرمٹ لینے کیلئے کافی بھاگ دوڑ کی۔ مختلف لوازمات پورے کرنے کیلئے بعض جگہوں پر اسے انتظامیہ کو رشوت بھی دینی پڑی۔ اس نے ایک فیشن ایبل ٹاؤن میں اپنا آفس کھولا۔ اسی دوران ایک اور اسرائیلی ایجنٹ اسی کمپنی کے نمائندے کے روپ میں خرطوم آیا۔ اس نے ساحل پر موجود کلب کے مالک سے ملاقات کی جو اپنے کمزور بزنس سے کافی بیزار نظر آ رہا تھا۔ موساد نے ایک خطیر رقم کے عوض وہ کلب اس شخص سے خرید کر اسے چلتا کر دیا۔

موساد اس آپریشن کو دوسرا آپریشن (magic carpet) بنانا چاہتا تھا، یہ آپریشن انہوں نے 1950ء کے اوائل میں یمن کے یہودیوں کے اخلاء کیلئے چلایا تھا۔ اپنی کمپنی رجسٹر کرنے کے بعد یہودہ جل نے یورپ سے باقاعدہ ٹورسٹ گروپوں کو اپنے کلب کی طرف راغب کیا۔ موساد نے ان ملکوں میں اپنے اس کلب کی بے حد منوثر پبلیٹی کی تھی۔ کلب کے قریب ہی نسبتاً کم گہرے سمندر میں ایک بحری جہاز آدھا ڈوبا نظر آ رہا تھا جو سیاحوں کی توجہ کا مرکز بن چکا تھا۔

کلب میں کام کرنے والے عملے کیلئے انہوں نے مقامی دیہاتوں سے لوگ بھرتی کئے۔ غوطہ خوری کے اسٹرکچر بھی سیاحوں کو تربیت دینے کیلئے دستیاب ہو چکے تھے۔ یہ افراد دراصل اسرائیلی نیوی کے تربیت یافتہ کمانڈوز تھے جو فر فرانگ ریزی اور فرنج بولتے تھے۔ تقریباً 35 اسرائیلی ماہرین جن کے پاس جعلی یورپی پاسپورٹ تھے، نے کلب کی تزئین و آرائش میں دن رات تیزی سے کام کیا۔ کلب کیلئے انہوں متعدد پک اپ، ٹرک اور لینڈ کروزر خریدے۔ اس تفریح گاہ کی تعمیر میں محض ایک ماہ کا عرصہ لگا۔ اس کلب میں ڈائیونگ (Diving) کے علاوہ رہائش کیلئے بیڈرومز اور کھانے پینے کیلئے ریسٹوران وغیرہ کی سہولت بھی موجود تھی۔ اس کے علاوہ ایک کمرہ ایسا بھی تھا جہاں موساد نے جدید آٹومیک ہتھیار اور مواصلاتی آلات چھپائے ہوئے تھے۔ انہوں نے ایمرجنسی میں طیاروں کی لینڈنگ کیلئے روشنی کے لیپ، سائیز لائٹس، بلیکنز (Beacons) اور ونڈ ڈائریکشن فائینڈرز اور لیزر ڈسٹنس فائینڈرز کا بھی انتظام کر لیا تھا۔

دو اسرائیلی میزائل بردار کشتیوں نے، جو کھلے سمندر میں آ کر لنگر انداز ہوئی تھیں انہیں وافر مقدار میں خوراک کا سامان بہم پہنچایا۔ موساد کے ایجنٹوں نے سوڈانی انتظامیہ کے اعلیٰ افسروں کو مختلف مراعات کے حصول کیلئے بھاری رقم رشوت میں دی۔ صدر نمیری کے سیکورٹی چیف جنرل عمر محمد لطیف نے بھی اس سلسلے میں بھاری رشوت اپنی جیب میں ڈالی جسے بعد میں حکومت نے موساد کیساتھ تعاون کرنے کے جرم میں عمر قید اور 24 ملین سوڈانی پائونڈ جرمانہ عائد کیا۔ موساد نے سوڈان کے ریڈیو اسٹیم کے متعلق بھی معلومات حاصل کیں۔ مصر اور سوڈان کی سرحدی پہاڑیوں کے قریب یہ سٹم پنچی پرواز کے طیاروں کو محسوس نہیں کر سکتا تھا۔ لہذا اس بات پہ اتفاق ہوا کہ ایک اسرائیلی ملٹری بیس سے ایک ہرکولیس طیارہ ٹیک آف کرنے کے بعد خلیج اقباء اور بحیرہ احمر کو عبور کرنے کے بعد اس مخصوص سرحدی پہاڑیوں پر نیچی پرواز کرتا ہوا صحرا میں ایک پہلے سے طے شدہ مقام پر اترے گا۔

اس لینڈ بنگ سائٹ (Landing Site) کی نشان دہی کیلئے چار اسرائیلی ہوا باز نور گائیڈوں کے جیس میں سوڈان آئے۔ انہوں نے صحرائیں ایک پٹی اس مقصد کیلئے منتخب کی۔ وہاں مناسب فاصلوں پر روشنی کے لیپ نصب کئے اور مواصلاتی رابطے کیلئے آلات خفیہ جگہوں پر لگائے۔

آپریشن کے منتظمین کیلئے اب ریفری جی کیمپوں سے یہودیوں کو نکالنے کا چیلنج درپیش تھا۔ اس مقصد کیلئے انہوں نے اسرائیل سے چند فلا شیا یہودیوں کو بلایا تھا تاکہ وہ کیمپوں میں جا کر اپنی برداری کے لوگوں کو گروپوں میں جوڑ کر ان کے اخلاء کیلئے راہ ہموار کریں۔ مارچ 1984ء میں سیاحوں کا پہلا جھڑپ اس نئی تفریح گاہ میں تعطیلات گزارنے خرطوم پہنچا۔ سفارتی اور سرکاری حلقوں میں بھی اس کلب کے چرچے ہونے لگے۔ ایک موقع پر تو موساد کی ہائی کمان نے ایک ان منصوبہ پر بھی سوچا کہ کیوں نہ پی ایل او کی سینئر لیڈر شپ کو اس کلب میں اپنا اجلاس منعقد کرنے پر اکسایا جائے اور پھر رات کی تاریکی میں کمانڈ ورائٹس ایک میزائل بوٹ میں اغوا کر کے اسرائیل پہنچا دے۔ لیکن تل ابیب نے اس تجویز کو رد کر دیا۔

دھیرے دھیرے آپریشن موس (Operation Moses) اپنے آخری مرحلے میں پہنچا۔ لینڈ بنگ سٹرپ تیار ہو چکی تھی۔ پناہ گزینوں کو لیجانے کیلئے صحرائیں ایک مقام پر ٹرک اور لینڈ کرور تیار کھڑے تھے۔ آدھی رات کو آخر کار یہودیوں کا پہلا گروپ جو سافر اد پر مشتمل تھا ان گاڑیوں میں مقررہ ہوائی پٹی پہنچا۔ اور اپنا انتہائی بلندی پر ایک اسرائیلی جاسوسی جہاز جو پرواز تھا جس کا کلب کے کیوینٹیشن سنٹر سے مسلسل رابطہ تھا۔ اور اسے وقتاً فوقتاً خرطوم کی سرکوں پر پولیس کی ناکہ بندی سے مطلع کر رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ایک دیوبیکل ہر کوئیس کار گو جہاز نے وہاں لینڈ بنگ کی۔ جہاز کی راہنمائی کیلئے پٹی کے دونوں طرف تیز روشنی کے لیپ قطاروں میں رکھے گئے تھے۔ فلا شیا یہودیوں میں اکثریت ایسی تھی جنہوں نے کبھی اتنا بڑا طیارہ قریب سے نہیں دیکھا تھا۔ طیارہ اترنے کے بعد جب ان کے قریب آیا تو اس کی گھن گرج اور تیز ہوا سے گرد و غبار کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ دوسرے قریب یہودی خوفزدہ ہو کر تاریکی میں ادھر ادھر بھاگ کھڑے ہوئے۔ آخر بڑی مشکل سے انہیں دوبارہ اکٹھا کر کے جہاز میں بیٹھایا گیا۔ یوں یہ کالے یہودی پانچ گھنٹے کی پرواز کے بعد صبح آٹھ بجے یروشلم کے بین الاقوامی ہوائی اڈے پر جب اترے تو اسرائیلی وزیراعظم شمعون پیرزان کے استقبال کیلئے بذات خود آیا۔

پورا ایک مہینہ دو تین اسرائیلی کارگو جہاز اس صحرائی ہوائی پٹی پر اترتے رہے یوں موساد 7800 یہودیوں کو نکالنے میں کامیاب ہوئی۔ ایک رات یہودیوں کو مذکورہ صحرائی مقام پر پہنچانے کے بعد ایک خالی ٹرک واپس خرطوم آ رہا تھا کہ راستے میں پولیس کی ناکہ بندی میں پھنس گیا۔ ڈرائیور اور اس کے ساتھی کو پولیس نے باغیوں کے قتل میں گرفتار کر لیا۔ انہیں رسیوں میں جکڑ کر ایک قریبی خیمے میں دھکیل دیا گیا۔ پولیس والے تعداد میں صرف دو ہی تھے۔ ان کے پاس رابطے کیلئے کوئی واکی ٹاک نہیں تھے۔ جب یہ دو اسرائیلی کافی وقت گزرنے کے بعد بھی کلب واپس نہ پہنچے تو ان کی تلاش میں چند مسلح کمانڈوز نکل کھڑے ہوئے۔ وہ ایک ٹرک میں سوار ہوئے۔ جلد ہی انہیں اپنا ٹرک سڑک کے کنارے کھڑا نظر آیا۔ ان میں سے ایک شخص نے اتر کر اس ٹینٹ میں اپنے دوستاتھیں کو دیکھ لیا۔ پولیس والے پاس ہی روڈ بلاک کئے کھڑے تھے لیکن انہوں نے ٹینٹ کے قریب منڈلاتے اس اسرائیلی کو نہیں دیکھا۔ دونوں اسرائیلیوں نے اچانک چیخ کر ٹینٹ میں قید اپنے ساتھیوں کو زمین پر لیٹ جانے کا حکم دیا۔ وہ دو سوڈانی پولیس والے چیخ کی آواز سن کر ٹرک کی طرف جونہی بڑھے تو وہاں سے اسرائیلی کمانڈوز نے اپنی سب مشین گنوں سے فائر کھول دیا۔ دونوں سوڈانی

وہیں ڈھیر ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے ساتھیوں کو چھڑا کر خیمے کو آگ لگا دی۔ وہ اس طرح سوڈانی حکام کو باور کرانے چاہتے تھے کہ یہ حملہ جنوبی سوڈان کے باغیوں کی طرف سے تھا۔ وہ سب ٹرک میں سوار ہو کر وہاں سے فرار ہو گئے مگر راستے میں ایک جگہ پھر پولیس کی ناکہ بندی تھی۔ یہاں بھی اتفاق سے پولیس والے دوہی تھے انہوں نے ٹرک کو روکنے کا اشارہ کیا مگر ٹرک نے رفتار اور بھی بڑھا دی اور پولیس کے رکاوٹی جھٹکے کو روندتے ہوئے آگے نکل گیا۔ دونوں پولیس والوں نے اُس پر فائرنگ شروع کر دی جس سے ٹرک میں بیٹھا ایک اسرائیلی ہلاک ہو گیا مگر باقی ہلاک ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

اس واقعے کے بعد جی ایب سے جنوری 1985ء کی ایک رات کو حکم آیا کہ Fold Immediatly یعنی فوراً اور باسٹرسمیٹ کر نکل آؤ۔ خرطوم میں بیوہہ جل فوراً اپنا ضروری سامان لیکر دوسرے ہی دن ایک اسرائیل کے ذریعے یورپ سے ہوتا ہوا اسرائیل پہنچ گیا۔ اُدھر بحیرہ احمر کے ساحل پر ڈائیونگ کلب (Diving club) میں رات کے دوسرے پہر جب تمام سیاح دن بھر کی فرمستیں کے بعد گہری نیند کے مزے لوٹ رہے تھے۔ کلب کے ارکان نے چپکے سے اپنا ضروری سامان پیک کر کے کھلے سمندر میں لنگر انداز ایک بحری جہاز پر لا دیا اور اپنے دوڑکوں اور ایک لینڈ کروزر کو اُسی صحرائی پٹی روانہ کر دیا جہاں کچھ دیر بعد وہی اسرائیلی c-130 جہاز اُتر اور انہیں اٹھا کر دوبارہ فضاء میں بلند ہوا۔ کلب کا اچھاراج طیارے میں گاڑیوں کی لوڈینگ کے دوران اچانک گر کر اپنی ٹانگ تڑوا بیٹھا۔

ڈائیونگ کلب میں سوئے ہوئے سیاح زیادہ تر یورپ سے بحیرہ احمر میں تیراکی کیلئے آئے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ مشیر سوڈانی سرکاری اہل کار اور غیر ملکی سفارت کار بھی خرطوم کی شدید گرمی سے فرار ہو کر یہاں پڑے ہوئے تھے۔ وہ صبح جب جاگے تو سارے سٹاف ماسوائے چند مقامی ملازموں کے جو انہیں ناشتہ پیش کر رہے تھے، کو غائب پایا۔ اُن ملازموں سے جب اس بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ کلب کے یورپی مالکان صرف ایک خط چھوڑ گئے ہیں جس میں لکھا ہوا ہے کہ ہم اس کاروبار میں دیوالیہ ہو چکے ہیں۔ لیکن آپ لوگ فکر نہ کریں آپ کے تمام پیسے ہم جلد واپس کر دیں گے۔ کلب کے ”مالکان“ رات کی تاریکی میں ایک سیڈ بوٹ میں سوار ہو کر اسرائیل فرار ہو چکے تھے، لیکن جاتے جاتے انہوں نے اپنے گاہکوں کیساتھ ایک مہربانی کی تھی کہ وافر مقدار میں کھانے پینے کا سامان اور چار بیٹیں انہیں واپس اتر پورٹ ڈراپ کرنے کیلئے چھوڑ گئے تھے۔ آج کل تقریباً چالیس ہزار فلاشایوڈی اسرائیل میں رہتے ہیں جبکہ اب بھی دسیوں ہزاروں ایٹھوپیائی اسرائیل جانے کے منتظر ہیں اور عبادت گاہوں میں اپنی دعائیں گنگتا رہتے ہیں۔

Do not Separate me, oh Lord , from Thy chosen, from the joy, from the light . let
see oh Lord the light of Israel .

کتاب گھر کی پیشکش

<http://kitaabghar.com>

کتاب گھر کی پیشکش

<http://kitaabghar.com>

کتاب گھر کی پیشکش

دی ملین ڈالر سپائی

<http://kitaabghar.com>

The Million Dollar spy

انہیں مئی 1965ء کو رات ساڑھے تین بجے دمشق کے چوک شہداء پر ہزاروں تماشاخیوں، ملکی اور غیر ملکی صحافیوں اور ٹیلی ویژن کیمروں کے سامنے اسرائیلی تاریخ کے ایک مایہ ناز جاسوس کو چھاپی پر لٹکا دیا گیا۔ ایلی کوہن (Eli Cohen) سولہ دسمبر 1924ء کو سکندریہ (مصر) کے ایک یہودی گھرانہ میں پیدا ہوا تھا۔ اُس کے ماں باپ شام سے ہجرت کر کے یہاں آباد ہوئے تھے۔ اُس کا باپ سکندریہ کے بازاروں میں ریشتی ٹائیوں کا کاروبار کرتا تھا۔ اُس کے آٹھ بچے تھے۔ ایلی کوہن اور اُس کے دوسرے بہن بھائیوں کی پرورش سخت مذہبی ماحول میں ہوئی تھی۔ سکول میں وہ ایک ذہین ترین طالب علم تھا۔ ریاضی اور غیر ملکی زبانوں میں وہ بے حد قابل تصور کیا جاتا تھا۔ اُس نے فرانسیسی اور عبرانی پر کافی عبور حاصل کیا تھا۔

1946ء میں اُس نے قاہرہ کی کینیگ فاروق یونیورسٹی کے شعبہ الیکٹریکل انجینئرنگ میں داخلہ لیا۔ چودہ مئی 1948ء کو جب ڈیوڈ بن گوریان نے تل ابیب کے میوزیم میں کھڑے ہو کر اسرائیل کے قیام کا اعلان کیا تو اُس کے کچھ ہی دنوں بعد عرب اسرائیل جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ کے اثرات مصر کے یہودیوں پر بھی نمودار ہوئے۔ یہاں اُن کی پکڑ دھکڑ کا وسیع سلسلہ شروع ہوا۔ اُن کی جائیدادوں کو بحق سرکار ضبط کیا گیا اور کاروباروں پر اضافی ٹیکس لاگو ہوئے۔ ان حالات میں ایلی کوہن کو یونیورسٹی چھوڑنی پڑی۔ جنگ میں عربوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے نتیجے میں مصری یہودیوں کو ایک بار پھر تشدد کا نشانہ بننا پڑا۔ ہزاروں یہودی خاندان چوری چھپے اسرائیل فرار ہونے لگے۔ اسی دوران میں 1950ء میں ایلی کوہن کا خاندان بھی وہاں منتقل ہو گیا۔ کوہن نے اُن کے سفر کا انتظام کیا مگر خود جانے سے انکار کیا۔ وہ اگلے چھ سال تک اُن سے نکل کا۔

وہ یہودیوں کی ایک مقامی خفیہ تنظیم میں شامل ہو گیا۔ جو مصر سے یہودی خاندانوں کی اسرائیل منتقلی کیلئے کام کرتی تھی۔ کچھ عرصہ بعد اُس نے اسرائیلی سیکرٹ سروس کیلئے بھی کام شروع کیا۔ وہ قاہرہ سے بذریعہ ریڈیو ٹرانسمیٹر تل ابیب پیغامات بھیجتا۔ ایک دن اُس نے اپنے خفیہ پیغامات کے سلسلے میں ایک ایسی خبر تل ابیب روانہ کی جس سے اسرائیلی ایوان اقتدار میں خوف و ہراس کی لہر دوڑ گئی جسے ایک بار پھر ہٹلر نے زندہ ہو کر حکم دیا ہو کہ تمام یہودیوں کو اکٹھا کر کے آشود کے گیس محبمیز میں دھکیل کر ختم کر دو۔ خبر یہ تھی کہ صدر جمال عبدالناصر کی حکومت میں سابقہ نازیوں کا اثر و رسوخ دن بدن بڑھ رہا ہے۔ مصر میں ہٹلر کے ان ساتھیوں کی موجودگی کو اتنی خبر تو خیر نہیں تھی، کیونکہ جنگ کے بعد جرمن فوج کے ہزاروں افراد جن میں اعلیٰ افسر بھی تھے مصر میں پناہ لے چکے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں شاہ فاروق کی حکومت برطانیہ کے سخت خلاف تھی۔ ان نازیوں نے اپنی شناخت چھپانے کیلئے اکثر عرب نام رکھ لئے تھے اور کچھ تو بظاہر مسلمان بھی ہو گئے تھے۔

ہٹلر کی سیکرٹ پولیس، گسٹاپو کے سابقہ افسر مصری انٹیلی جنس سروس کو ٹریننگ دے رہے تھے۔ ناصر کے سرکاری اخبار الجھوریہ نے یہودیوں سے سخت نفرت کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ:

"World Jewry be exterminated as the Nazis so nearly succeeded in doing earlier. اکتوبر 1956ء میں حالات اور بھی خراب ہو گئے جب نہرو سیز کے مسئلے میں اسرائیل نے برطانیہ اور فرانس کے ساتھ ملکر مصر پر حملہ کر دیا۔ اس پر مصری حکومت نے انتقاماً مقامی یہودی آبادی پر مزید سختی کا حکم دے دیا۔ انہیں ہلکل جنگ عظیم دوم کی طرز پر علیحدہ شہری علاقوں (Ghettoes) میں منتقل کر دیا گیا۔ سینکڑوں لوگوں کو قتل کر کے جیلوں میں ٹھونس دیا گیا۔ اُن پر مختلف بہانوں کے تحت بھاری جرمانے عائد کئے گئے۔ یہودی عبادت خانے، سکول اور ہسپتال بند کر دیے گئے۔ عبرانی زبان ممنوع قرار دی گئی حتیٰ کہ یہودی عبادات میں بھی اسے بولنے کی اجازت نہیں تھی۔ یہودی ڈاکٹروں اور پیشہ ور افراد کو کام کرنے سے روک دیا گیا۔ شہر کے ریستورانوں اور کینے پر تختیاں آویزاں ہو گئیں جن پر جلی حروف میں لکھا ہوا تھا "No jews or dogs allowed"۔ پکڑ چکڑی اس نئی لہر میں ایک دن پولیس ایل کوھن کو بھی پکڑ لے گئی۔ لیکن وہ پوچھ گچھ کے دوران پولیس کو اس بات پر قائل کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ وہ یہودی تو ہے مگر کسی زیر زمین خفیہ یہودی تنظیم کے ساتھ منسلک نہیں ہے۔ چند روز بعد اُسے ہار کر دیا گیا مگر ساتھ ہی اُسے مصر سے نکل جانے کا حکم ملا۔ 20 دسمبر 1956ء کو کوھن نے اپنے آپ کو ریڈ کراس کے ایک بحری جہاز پر پایا۔ یہ جہاز سکندریہ کی بندرگاہ سے ہزاروں یہودی خاندانوں کو اسرائیل لے جا رہا تھا اُس کے پاسپورٹ پر امیگریشن والوں نے ایک مہر لگا دی تھی not valid for return to egypt: جہاز مصر سے اٹلی پہنچا تو مسافروں کو ایک اطالوی جہاز میں منتقل کیا گیا جو انہیں لیکر اسرائیل روانہ ہوا۔ وہ بارہ فروری کو حیفہ کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا۔ ہزاروں یہودیوں کی طرح اُسے بھی جو کاغذات دیے گئے انہیں اُسے اسرائیلی شہری قرار دیا گیا تھا۔ ایک دو دن وہ اپنے ماں باپ کو تلاش کرتا رہا کیونکہ چھ سال سے اُن کے ساتھ اُس کا کوئی رابطہ نہیں رہا تھا۔ تھوڑی جگ ودو کے بعد آخروہ اُن سے جا ملا۔ وہ مسلسل کئی ماہ بے روزگار رہا۔ 1957ء کے آخر میں اسرائیلی وزارت دفاع میں اُسے ایک نوکری مل گئی۔ اچانک نوکری کا ملنا محض اتفاق نہیں تھا۔ اسرائیلی خفیہ ادارے اُسے قیام مصر کے دوران اُس کی تمام زیر زمین سرگرمیوں سے واقف تھے۔ اُسے شعبہ انسداد جاسوسی (counter-intelligence) میں رکھا گیا جہاں وہ عربی اخبارات کا مطالعہ کر کے اُن میں سے کام کی خبروں کو عبرانی میں ترجمہ کرتا۔ لیکن جلد ہی وہ کام کی یکسانیت سے اُکتا گیا۔ ایک دن اُسے اپنے افسر سے کہا کہ وہ ایک بار پھر ایکشن کی زندگی دیکھنا چاہتا ہے۔ لیکن حکام بالا کا جواب نفی میں ملا۔ اگرچہ ایل کوھن میں ایک فرسٹ کلاس جاسوس کی تمام تر صلاحیتیں موجود تھیں۔ لیکن موساد کی پالیسی تھی کہ وہ رضا کار (Volunteers) ہرگز قبول نہیں کرتی تھی۔ کوھن کو صاف جواب ملا "We dont want any adventurers" کوھن کو اس رویہ سے سخت مایوسی ہوئی۔ آخر دل برداشتہ ہو کر اُس نے یہ نوکری چھوڑ دی۔ وہ کچھ عرصہ بعد ایک فوڈ سٹور میں کام کرنے لگا جہاں اُسے خوب محنت کی۔ اُسے انسپکٹر بنادیا گیا۔ ملک کے مختلف شہروں میں واقع سٹورز کی چیکنگ دورے پر جاتا۔

1959ء کے شروع میں تل ابیب کے ایک کلب میں اُس کی ایک عراقی لڑکی ناویہ سے ملاقات ہوئی۔ وہ ایک مقامی ہسپتال میں نرس

تھی۔ دراز قد گہری نیلی آنکھوں والی، چند دنوں کی یہ ملاقاتیں بالآخر ایک دن شادی پر منتج ہو گئی۔ انہوں نے بچہ احمر کے کنارے جی مومن منایا۔ اب کوہن ایک نئی اور کامیاب زندگی گزار رہا تھا۔ اُسے کپنی اچھے خاصے پیسے ادا کرتی تھی۔

1960ء میں وہ ایک دن تل ابیب میں اپنے گھر کے قریب ایک گلی سے گزر رہا تھا کہ اچانک اُس کی ملاقات ایک ایسے شخص سے ہوئی جسے وہ وزارت دفاع کی نوکری کے زمانے سے جانتا تھا۔ وہ دونوں گپ شپ میں ٹھٹھکتے ٹھٹھکتے ساحل سمندر کی طرف نکل گئے۔ اُس شخص نے اپنا نام اسحاق زلمان بتایا اور اپنی صحیح شناخت کرائی کہ وہ موساد کا ایک سنیر افسر ہے۔ زلمان نے ایل کوہن کو کہا کہ جس دن وہ مصر سے اسرائیل آیا تھا موساد اُسی دن سے اُسکی ہر حرکت کو بغور نوٹ کر رہا ہے۔ ہمیں سب کچھ پتہ ہے کہ تم مصر میں کیا کرتے رہے ہو۔ لیکن ہم نے تمہاری درخواست ایک خاص مصلحت کے تحت مسترد کی تھی جس سے تم ناراض بھی ہو گئے تھے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اب وقت آ گیا ہے اگر تم ہمارے لئے کام کرنا چاہتے ہو تو تمہاری درخواست پر غور کیا جاسکتا ہے۔

ایل کوہن نے کہا کہ وہ بالکل تیار ہے، وہ اسرائیل کیلئے کچھ کرنا چاہتا ہے۔ موساد مسلسل کئی مہینوں سے کوہن کے دوستوں اور فیملی کے متعلق معلومات اکٹھی کر رہی تھی۔ وہ اُس کی خوش و خرم گھریلو زندگی سے بھی واقف تھے۔ اس کے علاوہ انہیں یہ بھی پتہ تھا کہ اُسکے ہاں بہت جلد بچے کی پیدائش متوقع ہے۔ موساد کے ہیڈ کوارٹر میں ڈاکٹروں اور سائنسدانوں کی ایک ٹیم نے اُس کا طبی اور نفسیاتی معائنہ کیلئے ٹیسٹ کیے تاکہ اگر اُس کی شخصیت میں معمولی سا بھی فرق ہو تو اُسے مسترد کر دیا جائے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ موساد کسی ایسے شخص کو فیلڈ میں بھیج کر خطرہ مولنا نہیں چاہتی تھی جس کی دوہری شخصیت ہو یا وہ باآسانی کسی لالچ میں آ کر سب کچھ اگل دیتا ہو۔ کوہن نے امتحان کے تمام مراحل میں بہترین نمبر لئے۔

ایک آفیسر نے اُسے ملازمت کی شرائط اور ضوابط سمجھائے ہوئے کہا: ٹریننگ کی تکمیل کے بعد تمہیں اختیار حاصل ہوگا چاہے ہمارے ساتھ کام جاری رکھو یا وہاں چلے جاؤ بلکہ ملازمت کے دوران بھی اگر کسی وقت جانا چاہو تو ہماری طرف سے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ ہمارا تمہارا تعلق رومن کیتھولک میرج کی طرح نہیں ہوگا۔ طلاق کی گنجائش ہمیشہ برقرار رہے گی۔ لیکن صرف ایک شرط ہوگی تمہیں کسی ذی روح کو یہ نہیں بتانا ہوگا کہ تم موساد کیلئے کام کرتے تھے۔

ایل کوہن نے نادیہ کو اپنی نئی جاب کے متعلق صرف اتنا بتایا کہ اُسے سول سروس کے کمرشل برانچ میں ایک اکاؤنٹ کی پوسٹ مل گئی ہے لیکن نادیہ کو پھر بھی شک تھا کہ کوہن اُس سے کچھ چھپا رہا ہے۔ پھر جب اُس نے کہا کہ وہ کچھ مہینوں کیلئے کسی خاص ڈیوٹی پر شہر سے باہر جا رہا ہے تو نادیہ کا شک یقین میں بدل گیا کہ اُس کا شوہر کسی سیکرٹ سروس میں ملازم ہو چکا ہے مگر اُس نے دوبارہ کوئی سوال نہیں کیا وہ بس خاموش ہو گئی۔ نئی ملازمت کے اسرار و رموز سیکھانے کیلئے انسٹیٹیوٹ نے اُسے چھ مہینے کے سخت کورس کیلئے بلایا تربیت کے اس عرصے میں اُسے موساد کے ہیڈ کوارٹر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ اُسے موساد کا تمام نصاب حرف بہ حرف پڑھایا گیا۔ تجربہ کار بدھت گردوں نے اُسے انتہائی عام اور سادہ اجزاء سے دھماکہ خیز مواد اور بم بنانے کے طریقے سیکھائے۔ اُسے آرمی کے مختلف کیمپوں میں لیجا کر دھماکہ خیز آلات کی مدد سے پلوں اور مختلف تنصیبات تباہ کرنے کے گر

بتائے گئے۔

اُس نے کسی ملک کی فوجی طاقت کے متعلق اعداد و شمار جمع کرنا، مغربی اور روسی ہتھیاروں، جہازوں اور بحری جہازوں کو دیکھتے ہی فوراً پہچانا سیکھا۔ اس کے علاوہ خفیہ بیغامات بھیجے کیلئے اُس کو مختلف کوڈ سیکھائے گئے۔ تاہم توڑ کر کسی عمارت یا مکان میں نقب لگانا بغیر ہتھیار کے کسی سے لڑنا وغیرہ بھی تربیت میں شامل تھا۔ ٹریننگ کے دوران اُس نے اپنی زبردست صلاحیتوں سے اپنے انسٹرکٹروں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا تھا۔ وہ اُس کی بلا کی ذہانت سے بے حد متاثر ہو چکے تھے۔

1960ء میں اُسے اسلام کے بارے میں تفصیلی کورس کیلئے یروٹلم یونیورسٹی بھیجا گیا۔ اُس نے قرآن کریم کی بیشتر سورتیں زبانی یاد کیں، پانچ وقت نماز پڑھنے کا طریقہ سیکھا۔ وہ اسرائیل میں موجود مختلف مساجد میں جمعہ کی نمازوں میں شریک ہوتا۔ ایک دن ایلی کوہن کا انسٹرکٹر اُسے اچانک شام کی سرحد پر لے گیا۔ وہاں اُسے گولان کی پہاڑیوں پر شامی فوجی جو کیاں دور سے دیکھائی گئی۔ گولان کی ان اونچائیوں سے اسرائیل کا بیشتر سرحدی علاقہ شامی توپ خانے کی زد میں تھا۔ انسٹرکٹر نے کہا کہ شام کے ساتھ اس سرحد پر ہماری کئی جھڑپیں ہو چکی ہیں اور مستقبل میں بھی ہوگی۔ ہماری کامیابی کا انحصار اب تمہاری اٹھیلے جنس رپورٹ پر ہوگا۔ تم دمشق میں ہمارے لئے کام کرو گے یہ کہتے ہی انسٹرکٹر نے ایلی کوہن کی طرف دیکھا جو شام کی سرحد کی طرف ہلکی پاندھے کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

شامی سرحد سے واپسی کے بعد کوہن کو شام کی تاریخ، اقتصادی ترقی، حکومت، جغرافیہ اور معاشرے کے بارے میں ایک کریش کورس کرایا گیا۔ چونکہ شامی عربی کالب و لہجہ مصری عربی سے بالکل الگ تھلگ ہے، لہذا اُسے عربی کا شامی لہجہ سیکھانے کیلئے ایک پروفیسر مقرر کیا گیا جو ہر روز اُس کے گھر آ کر اُسے پڑھاتا تھا۔ تلفظ کی صحیح ادائیگی کیلئے وہ دن رات ریڈیو دمشق سنتا رہتا تھا۔ اس کے علاوہ موساد نے اُس کے ایک کمرے میں پروجیکٹر لگا دیا جس پر اُسے شام کی فوجی تنصیبات کے متعلق فلمیں دیکھائی جاتی۔ کوہن کو شام کے علاوہ ارجنٹینا کے متعلق بھی اسی طرز کا کورس کرایا گیا۔ اُسے ہسپانوی زبان سکھائی گئی وہ اس اضافی کورس سے خاصا پریشان بھی ہوا۔ آخر اُس نے ایک دن اپنے باس سے پوچھ ہی لیا کہ یہ کیا چکر ہے۔ اُسے بتایا گیا کہ شام جانے سے پہلے وہ کچھ عرصہ ارجنٹائن میں گزارے گا کہ کوہن کو یہ منطق سمجھ ہی نہیں آئی کہ آخر اُسے ارجنٹائن کیوں بھیجا جائے گا۔ لیکن اُسے خاموش رہنا پڑا کیونکہ موساد کے قانون میں از خود سوالات کرنے کی قطعی گنجائش نہیں تھی۔

وہ مارچ 1961ء کی پہلی تاریخ تھی۔ زیورخ سے سوئس ایئر کی فلائٹ اپنے شیڈول کے عین مطابق بیونس آئرز (ارجنٹینا) کے ایئر پورٹ (Azeiza) انٹرنیشنل ایئر پورٹ پہنچی۔ مین ٹرمینل پر جب طیارہ رکا تو مسافر چپے اترنے لگے۔ ان میں ایک خوش لباس اور سارٹ بزنس مین بھی شامل تھا۔ جہاز کے فرسٹ کلاس کیبن میں وہ دوران پرواز زیادہ تر خاموشی کیساتھ مختلف اخبارات میں تجارتی خبریں پڑھتا رہتا تھا۔ اُسے ملنے کوئی نہیں آیا تھا۔ امیگریشن اور کسٹم کے لوازمات پورے کرنے کے بعد وہ ایئر پورٹ سے باہر آیا جہاں اُس نے ایک ٹیکسی کی طرف اشارہ کیا۔

ٹیکسی نے اُسے شہر کے ایک خوبصورت فائیو سٹار ہوٹل میں ڈراپ کیا۔ ہوٹل کے ریسپشن پر اُس نے رجسٹر میں اپنا نام کمال امین اور پیشہ ایکسپورٹر لکھا۔ اُس کا پاسپورٹ اُسے شامی ظاہر کر رہا تھا۔ اُس نے اپنی آمد کے بعد چند ہفتے انتہائی مصروف گزارے۔ کاروبار کے سلسلے میں وہ بیونس آئرز کے تقریباً تمام مشہور پارٹیوں سے ملا۔ اس کے بعد وہ ہوٹل سے ایک خوبصورت کرائے کے مکان میں منتقل ہو گیا۔ جیسا کہ ہر مسافر دیار غیر میں اپنے

ہم وطنوں کی محفل تلاش کرتا رہتا ہے، کمال نے بھی وہ کینے اور ریسٹوران دریافت کر لئے جہاں عرب باشندے گپ شپ کیلئے اکٹھے ہوتے تھے۔ اُس زمانے میں تقریباً پانچ لاکھ عرب باشندے ارجنٹینا میں رہائش پذیر تھے۔ اُن کی غالب اکثریت دار الخلافہ یعنی بیونس آئرز میں تھی۔ یہ لوگ مقامی لوگوں کیساتھ بہت کم ملتے جلتے تھے۔ اُن کی بس ایک الگ دنیا تھی۔

شہر کے ان ریسٹورانوں اور کلبوں میں اتوار کے دن بڑی رونق ہوتی تھی، لیپنان، شام، اردن اور مشرق وسطیٰ کے دیگر ملکوں کے سفارت کار اور ٹریڈ مشن کے اہل کار یہاں مختلف گیسز اور قہتہوں میں شام گزارتے تھے۔ کمال بہت جلد ہی ان لوگوں میں گھل مل کر کلب کا ممبر بن گیا۔ عرب ویسے بھی بہت فلسفیانہ اور مہمان نواز ہوتے ہیں۔ انہوں نے کمال کو فوراً دوست کی حیثیت سے قبول کر لیا۔ اُسے اپنا اور خاندانی پس منظر بیان کرتے ہوئے اپنے دوستوں کو کہا: میرا باپ امین اور ماں سعیدہ سخت غربت کی وجہ سے شام سے ہجرت کر گئے تھے۔ میں وہاں 1933ء میں پیدا ہوا تھا۔ میرے بعد ایک بہن بھی پیدا ہوئی تھی مگر وہ بچپن ہی میں فوت ہو گئی تھی۔ ہم کچھ سال بیروت میں رہے مگر ہمارے معاشی حالات بدستور خراب رہے۔ آخر ہم تنگ آ کر مصر آ گئے جہاں ہم نے سکندر میں یہ ایک بوسیدہ مکان میں رہائش شروع کی۔ میرا سارا بچپن سکندر میں یہی گذرا۔ میرے والد کو مرتے دم تک اس بات پر فخر تھا کہ وہ شام کا رہنے والا ہے۔ میں نے اپنے والد کیساتھ وعدہ کیا تھا کہ ایک دن اپنے آبائی وطن ضرور جاؤں گا۔

میں 1947ء میں پہلی بار بیونس آئرز آیا تھا۔ یہاں میرے ایک چچا رہتے تھے جو بچہ مالدار تھے۔ اُن کا کپڑے کا کاروبار تھا مگر کچھ عرصہ بعد وہ کاروبار میں دیوالیہ ہو گئے۔ میرے والدین کو مرے ہوئے کافی عرصہ ہو چکا ہے اب میں ایکسپورٹ کا کاروبار کر رہا ہوں۔ بہت عرصہ یورپ میں کام کیا ہے اب قسمت آ زمانے بیونس آئرز آیا ہوں۔ اُسے دوستوں کو اپنے خاندان کی تصویروں کا ایک البم بھی دیکھایا۔ کلب کے سارے ممبروں نے اُس کی بہت حوصلہ افزائی کی کہ وہ یہاں خوب کامیابی کیساتھ کاروبار کر سکے گا۔ ایلی کو بہن کے اس ہمیں (cover) پر موساد نے بڑی محنت کی تھی۔ تل ابیب میں انٹیلی جنس ایکسپریٹس کو پتہ تھا کہ عرب اتنی آسانی سے کسی کی داستان پر یقین نہیں کرتے لہذا اُس کی cover story ایک حقیقی شخص جس کا نام کمال امین تھا، سے ماخوذ کی گئی۔ وہ لیپنان میں پیدا ہوا تھا اور بعد میں بیونس آئرز منتقل ہو گیا تھا۔

ایلی کو بہن ٹریننگ مکمل ہوتے ہی بیونس آئرز کیلئے روانہ ہوا۔ موساد کا ایک نو جوان افسر جو بعد میں اُس کا اسرائیل میں ریڈیو لنک آپریٹر مقرر ہوا، اُسے انرپورٹ چھوڑنے آیا۔ اُس نے کو بہن کو سفر کے اخراجات کیلئے پانچ سو ڈالر دیے۔ وہ چند گھنٹوں بعد زیورخ انٹرنیشنل انرپورٹ پہنچا۔ جہاں ایک اور اسرائیلی نے اُسے ریسو کیا۔ وہ شخص زیورخ میں موساد کا خفیہ ایجنٹ تھا جو ایک برنس مین کے روپ میں کام کر رہا تھا۔ اُس نے کو بہن کو کہا کہ اب وہ اپنی اصلی شناخت بھول جائے۔ وہ ایک مسلمان برنس مین، کمال امین ہے اور ایک بحری اور انکار گرو کپتی کا مالک ہے جو جنوبی امریکہ اور یورپ کے درمیان کاروبار کرتی رہتی ہے۔

تجارتی اسرار و رموز سیکھنے کیلئے کو بہن کو برنس سائنس کا بھی ایک کورس کرایا گیا تھا تا کہ وہ با آسانی تجارتی اصطلاحات میں گفتگو کر سکے۔ موساد کے آدمی نے اُسے ایک سوئس بینک اکاؤنٹ کا چیک بگ دیا جہاں اُسکے استعمال کیلئے وافر مقدار میں ڈالر جمع کر دیے گئے تھے۔ اس کے بعد اُسے زیورخ کی مختلف گارمیت سٹورز سے قیمتی ملبوسات خرید کر دیے گئے تاکہ جسے پہن کر وہ واقعی ایک خوشحال تاجر لگے۔ اُسے زیورخ کا ایک

پوسٹ بکس نمبر بھی دیا گیا۔ اس نے اپنی تمام خط و کتابت اسی نمبر سے کرنی تھی۔ وہ کوئی خط جس پر ارجنٹینا کا ڈاک ٹکٹ لگا ہوا ہو اپنی بیوی کو اسرائیل نہیں بھیج سکتا تھا۔ یونس آنرز زچینے کے فوراً بعد کوہن کو موساد کا ایک اور ایجنٹ ابراہم ملا۔ اُس نے کوہن کو اپنا نیا بزنس یہاں سیٹ کرنے کیلئے کرائے کے مختلف دفاتر، مشینری اور دیگر ساز و سامان مہیا کیا۔ اس نے رقم کے علاوہ شہر میں رہنے والے با اثر عرب سفارت کاروں کی ایک لسٹ بھی فراہم کی۔

یونس آنرز میں آتے ہی وہ شامی تارکین وطن کی محفلوں میں شیر و شکر ہو گیا۔ وہ اپنے ان نئے دوستوں کو خوب کھلاتا پلاتا تھا۔ کوہن اُن سے کہتا کہ اُس کے دل میں برسوں سے ایک حسرت ہے کہ وہ اپنے آبائی وطن شام جائے۔ وہ ہر ایک کو اپنا فیملی اہلیم دیکھاتا، جو موساد نے بڑی مہارت سے ترتیب دیا تھا۔ کوہن کو پتہ چل گیا تھا کہ کلب آف اسلام ریسٹوران میں عرب دنیا کی انتہائی با اثر شخصیات گپ شپ کیلئے آتی رہتی ہیں، لہذا اُس نے وہاں آنا جانا شروع کیا وہ وہاں اکثر دمشق اور قاہرہ کے اخبارات کا مطالعہ کرتا تھا۔ یہاں ایک روز اُس کی ملاقات ایک شامی نژاد شخص، عبداللہ لطیف سے ہوئی۔ وہ ایک مقامی عربی اخبار کا ایڈیٹر تھا۔ کوہن نے اُسے بھی اپنے دل کی بات بتائے ہوئے کہا کہ وہ کسی نہ کسی طرح دمشق جانا چاہتا ہے۔ لیکن وہ وہاں کسی کو جانتا نہیں ہے۔ عبداللہ لطیف نے کوہن کو کئی اعلیٰ عرب سفارت کاروں اور تاجروں سے ملوایا۔

ایک دن ایک کاک ٹیل پارٹی میں اُس کی ملاقات میجر امین الحافظ سے ہوئی جو شام کے سفارت خانے میں ملٹری اتاشی تھا۔ حافظ بھی دوسرے عربوں کی طرح کوہن (کمال امین) کے جذبہ حب الوطنی سے بے حد متاثر ہوا۔ مجھے سیاسی گفتگو تو نہیں کرنی چاہیے ایک سفارتی ڈنر کے کے موقع پر میجر حافظ نے کہا کہ کتنا اچھا ہوگا اگر تم ہماری بوٹ سوشلسٹ پارٹی میں شمولیت اختیار کر کے ہمیں تقویت فراہم کرو، ویسے اس سال کے آخر میں میرا یہاں ملازمت کا دورانیہ ختم ہونے والا ہے، کیونکہ تم میرے ساتھ ہی دمشق چلو اور وہاں ایک ساتھ پارٹی کیلئے کام کریں۔ ہمیں تم جیسے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور محب وطن جو جوانوں کی سخت ضرورت ہے۔ کوہن نے بڑی گرم جوشی کیساتھ اُس کے ساتھ جانے کا وعدہ کیا۔ شامی سفارت خانے کے تقریباً ہر چھوٹے بڑے فنکشن میں کوہن کو بطور خاص مدعو کیا جاتا تھا۔ میجر حافظ اور کوہن ایک ساتھ شراب پیتے اور قہقہے لگاتے نظر آتے تھے۔ اس سب کچھ کے باوجود شامی سیکرٹ سروس (Deuxieme Bureau) کو کوہن کے زبردست قومی نظریات سے تسلی نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے خفیہ طور اُس کے خاندانی پس منظر کی مکمل تحقیقات کی، لیکن انہوں نے کوہن کا ہر ایک دعویٰ بالکل حقیقت پر مبنی پایا۔ واقعی کمال امین نامی شخص جس کے والدین شام سے ہجرت کر کے لبنان آئے تھے، بیروت میں پیدا ہوا، بچپن سکندر یہ میں گذارا اور پھر یورپ اور یونس آنرز گیا۔

انگوائری کا سلسلہ یہاں ختم نہیں ہوا بلکہ وہ ایک دن اُسکی غیر موجودگی میں اُس کی گھر کی بھی تلاشی کر گئے۔ انہوں نے کوہن کے فیملی اہلیم سے بھی چند تصاویر نکال کر اُس کی کاپیاں بنائی۔ جب کوہن کو اس واقعہ کا علم ہوا تو اُسے بے حد خوشی ہوئی کیونکہ وہ چاہتا ہی تھا کہ وہ اس اہلیم کو ضرور دیکھیں۔ آخر کار شامی سیکرٹ سروس اپنی زبردست تحقیقات مکمل کر کے اس نتیجے پر پہنچی کہ کمال امین واقعی ایک جذباتی نیشنلسٹ جو ان ہے جو دمشق میں پارٹی کیلئے ایک بہترین سرمایہ ثابت ہو سکتا ہے۔ ادھر تل ابیب میں موساد کو جب اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے اطمینان کا سانس لیا کہ کوہن نے یہ مشکل مرحلہ بھی با آسانی طے کر لیا ہے۔

مئی 1961ء میں کوہن نے اپنے تمام دوستوں کو اچانک آگاہ کیا کہ وہ بالآخر اپنے باپ دادا کی سر زمین لوٹنے والا ہے۔ اس پر تمام

احباب نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ ہر ایک نے اُسے دمشق میں باشر کار می عہد یاروں، تاجروں اور ذاتی دوستوں کے نام تعارفی خط دیے۔ اُسے خوب تسلیاں دی کہ اُسے دمشق میں کسی قسم کی کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔ رخصت سے ایک رات قبل تمام دوستوں نے اُسکے اعزاز میں ایک شاندار الوداعی پارٹی کا اہتمام کیا۔ یونس آرزو سے دمشق روانگی کا یہ سگنل اُسے چند دنوں پہلے تل ابیب سے موصول ہوا تھا۔ وہ سفر کے پہلے مرحلے میں میونخ سے ہوتا ہوا زیورخ (سوئٹزرلینڈ) پہنچا۔ یہاں موساد کا وہی افسر، جس نے پہلی بار اُسے یہاں سے ارجنٹینا رخصت کیا تھا اُسے ملا۔

شہر کے وسط میں ہوٹل کے ایک کمرے میں وہ کمال امین کے بھیس سے نکل کر ایک بار پھر ایلی کوہن بن گیا۔ موساد کے آدمی نے اُسے اسرائیلی پاسپورٹ دیا۔ کوہن نے اُسے یونس آرزو میں اپنی تمام کامیاب کاروائیوں کے بارے میں تفصیلی رپورٹ پیش کی۔ تل ابیب جانے سے پہلے اُس نے اپنی بیوی اور بچوں کیلئے ڈھیر ساری شاپنگ کی۔ اسرائیل پہنچنے ہی اُسے انٹرپورٹ پر موساد کا ایک افسر ملا جو اُسے اپنی گاڑی میں بیٹھا کر اُسے گھر تک چھوڑ آیا۔ کوہن نے بیوی کو کہا کہ وہ یورپ میں ڈیفنس منسٹری کے کام کرتا رہا تھا۔ بیوی نے بھی یقین کر لیا کیونکہ اُسے برابر ہر مہینے یورپ کے مختلف ملکوں سے اُس کے پوسٹ کارڈ ملنے رہے تھے۔ جنوبی امریکہ جانے سے قبل زیورخ میں کوہن نے یہ سارے پوسٹ کارڈ لکھ کر موساد کے ایجنٹ کے حوالے کر دیے تھے۔ اب اُسے مزید تربیت کیلئے موساد نے اکیڈمی بلا لیا تھا۔

اُس نے مسلسل کئی ہفتے اُن ریڈیو آپریشنوں پر بیٹھ کر کام کیا۔ جنہوں نے بعد میں اُسکے دمشق سے نشر ہونے والے پیغامات موصول کرنے تھے۔ کوہن کو ایک مخصوص سپیڈ میں پیغامات بھیجنے کا طریقہ سکھایا گیا۔ اُن کے درمیان یہ یہ طے ہوا کہ اگر اس سپیڈ میں ذرا بھی فرق آیا تو تل ابیب میں بیٹھے آپریٹرز سمجھ جائیں گے کہ وہ زیر حراست ہے۔ بالآخر دسمبر 1961ء میں اُسے دمشق کیلئے روانہ کیا گیا۔ کوہن کے انٹرکڑ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اُس کے چہرے پر بلا کا اطمینان تھا جیسے وہ چھٹیاں منانے جا رہا ہو حالانکہ وہ ایک ایسے ملک میں سرایت کرنے والا تھا جہاں اُس کی زندگی ہر لمحہ سخت خطرات سے دوچار ہونے والی تھی۔ وہ تل ابیب سے ایک اسرائیلی ائر لائن کے ذریعے میونخ پہنچا۔ جہاں اُسے موساد کا وہی پرانا ایجنٹ ملا۔ اُس نے کوہن کے سامان میں قیمتی سوٹ اور گھریلو سامان کے علاوہ بھی کچھ چیزیں پیک کیں۔ وہ ایک انتہائی چھوٹا ریڈیو ٹرانسمیٹر تھا جیسے ایک فوڈ مسکر کے پینڈے میں فکس کیا گیا تھا۔ کوہن کے الیکٹرونک شیور کی تار نے بطور لائک ریج ارجنٹینا کے کام کرتا تھا۔

پوناشیم سائنڈ کی گولیاں، دشمن کو ختم کرنے یا بوقت ضرورت خودکشی کرنے کیلئے اسپرین کی گولیوں کے رنگ اور پیکینگ میں ساتھ رکھی گئی تھی۔ طاقتور دھماکہ خیز مواد بنانے کیلئے کیمیکل، ٹوٹھ پیسٹ کی ٹیوبوں اور شیونگ کریم کے ڈبوں میں چھپایا گیا تھا۔ اس کے علاوہ ایک جدید جاپانی کیمبرے کے پُرزے بھی سامان میں شامل تھے۔ میونخ سے کوہن اٹلی روانہ ہوا جہاں سے وہ کیم جنوری کو ایک بار پھر کمال امین کا روپ دھار کر بیروت کیلئے ایک سمندری جہاز میں بیٹھا ہوا تھا ایک خطرناک جاسوسی مہم پر روانہ ہوا۔

دوران سفر اس کی ملاقات ایک شامی شیخ کیساتھ ہوئی۔ دونوں میں اچھی خاصی دوستی بن گئی جس کا کوہن کو یہ فائدہ ہوا کہ دمشق کی بندرگاہ پہنچنے پر کسٹم والوں نے شیخ کا ساتھی ہونے کی وجہ سے اُس کے سامان کی تلاشی نہیں لی۔ دمشق پہنچنے کے بعد کوہن نے ابورمانہ ڈسٹرکٹ میں ایک چار منزلہ خوبصورت عمارت میں ایک فلیٹ کرایہ پر لیا، جو شامی ملٹری ہیڈ کوارٹر کے عین سامنے واقع تھی۔ رہن کہن کا بندوبست کرنے کے بعد اُسے اپنے

ایکپورٹ کا بزنس بھی شروع کیا۔ کاروبار یہاں بھی نہایت کامیابی کیساتھ چل پڑا۔ وہ لائٹنگ فرنیچر، جیولری اور آرٹ کے شاحکار یورپ برآمد کرنے لگا۔ دمشق کے سپلائر اُسے بہت پسند کرنے لگے وہ یہ بھی کہ وہ کسی کا بل ایک لمحے کیلئے بھی نہیں روکتا تھا۔ اس کاروباری طبقے کیساتھ اُس کی اچھی خاصی گپ شپ بن گئی۔ وہ لوگ اُس کے ہاں کافی پینے آتے۔ اُن کو کیا پیتا تھا کہ اُن کے فرنیچر کا خریدار اپنی خفیہ وائیکوفلمیں ان کرسیوں اور میزوں کے اندر خفیہ خانوں میں چھپا کر یورپ بھیج رہا ہے۔

اور انہیں اس کا بھی علم نہیں تھا کہ بظاہر امیر ترین ایکسپورٹر نظر آنے والا کمال امین آدھی رات کو اپنے گھر کی تنہائی میں ہر روز ایک اسرائیلی جاسوس کا رُپ دھار لیتا تھا۔ وہ اپنے مکان کے دروازے اچھی طرح لاک اور کھڑکیوں پر پردے لگا کر اپنے ننھے منے ٹرانسمیٹر کی طرف بڑھتا جو چھت پر لٹکے خوبصورت فانوس کے پینڈے میں چھپا ہوتا تھا۔ وہ سب سے پہلے اپنا کوئی نیا پیغام (message) ایک کاغذ پر لکھتا پھر اُسے اپنے مخصوص کوڈ (code) میں تبدیل کر کے ٹرانسمیٹر کے ذریعے جیڑی کیساتھ تل ایبیب نشر کر دیتا تھا۔ اپنے مکان کی چھت پر جہاں پہلے ہی سے ہمایوں کے ٹی وی اینٹینا کی ایک کثیر تعداد لگی ہوئی تھی، اُس نے اپنا بھی ایک ایریل لگایا ہوا تھا جس کی ایک انتہائی باریک تار اُس کے نشریاتی آلے کیساتھ جُڑی ہوئی تھی۔ وہ پیغام بھی دو بار نہیں براڈ کاسٹ کرتا تھا۔ اگر ایلی کوہن نے دن کے وقت کسی حساس مقام کی تصاویر نکالی ہوتی تو رات کے وقت وہ اپنے کمرے میں انہیں وائیکوفلم میں تبدیل کر دیتا اور کسی فرنیچر یا کرسی میں خفیہ خانہ کھود کر اُس میں چھپا دیتا تھا۔ زیورخ میں اُس کا ایک آدمی ان برآمدات سے اپنی کام کی چیز نکال کر خفیہ ذرائع سے تل ایبیب بھیج دیتا تھا۔ تل ایبیب میں بیٹھے موساد کی اعلیٰ قیادت کیلئے کوہن کی بھیجی ہوئی تصاویر اور پیغامات انتہائی اہمیت کی حامل ہوتی تھی۔ اپنے قیام کے مختصر عرصے میں ہی اُسے شام کی مسلح افواج کے اعلیٰ ترین عہدیداروں کیساتھ قریبی روابط پیدا کر لئے تھے۔ اُس کے حلقہ دار باب میں لیفٹیننٹ معاذ ظہیر الدین (چیف آف شاف کا کھتیجا)، جارج سیف جو ریڈو دمشق میں چیف پروپیگنڈا براڈ کاسٹر تھا، اور کرنل سلیم حاتم (شام کی کریک پیرا شوٹ رجمنٹ کالیڈر) شامل تھے۔ اس کے علاوہ سرکاری افسروں اور وزیروں کیساتھ بھی وہ انتہائی فری ہو چکا تھا۔

اُس کا فلیٹ ملٹری ہیڈ کوارٹر کے عین بالمقابل تھا۔ وہ روز اپنی کھڑکی سے اُس کا نظارہ کرتا تھا۔ وہ اُس ہیڈ کوارٹر میں شب کو چلنے والے بلبوں کی تعداد سے اندازہ لگا لیتا کہ شامی فوج کوئی آپریشن کرنے والی ہے۔ اکثر جب ہیڈ کوارٹر میں شاف کاروں اور جیپوں کی ٹریفک معمول سے زیادہ ہو جاتی تھی تو یہ واضح علامت ہوتی تھی کہ وہ اسرائیل کے خلاف کوئی حملہ کرنے والے ہیں۔ اُس کی رہائش گاہ ایسے علاقے میں تھی جہاں چاروں طرف غیر ملکی سفارت خانے اور یو این او کے امن مشن کے دفاتر تھے، جس کی وجہ سے فضاء ہر وقت ریڈیائی لہروں کی ٹریفک سے بھری رہتی تھی۔ کوہن کو اُس سے برا فائدہ یہ تھا کہ اُس کے خفیہ ریڈیو پیغامات پکڑے جانے کا کوئی چانس نہیں تھا۔ دو مہینے بعد اُس نے تل ایبیب کو ایک انتہائی اہم رپورٹ بھیجی:

:For three nights in a row lights blazing until dawn at military HQ. No coupd' expected. Likely cause of activity: action against Israeli forces. Press, radio,

particularly anti-zionist Last few days. Heavy troop movements in streets.:

ایلی کوہن کی یہ اطلاع فوراً شام کی سرحد پر تعینات تمام کمانڈ پوسٹوں کو کر دی گئی۔ انہوں نے چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر اس اطلاع کی تصدیق بھی کر دی۔ شامی فوج کا بھاری توپ خانہ اور افطری کے کالم دمشق سے روانہ ہو چکے تھے۔ اسی دوران میں اسرائیلی ائرفورس نے اچانک حملہ کر کے ایک شامی ملٹری بیس کو تباہ کر دیا۔ جب شام کی فوجوں نے دیکھا کہ دشمن تو پہلے سے ہی تیار تھا لہذا وہ مجبوراً واپس چلی گئیں۔ ایک اسرائیلی روزنامے کے مطابق ایلی کوہن نے یہ ضرب المثل سچ کر دیکھائی۔

"A good agent is worth a division of men" اُس نے اپنے قیام دمشق کے دوران تل ابیب کو سیاسی اور عسکری اینٹیل جنس کے بیش قیمت اعداد و شمار اور اطلاعات فراہم کیں۔ دمشق میں کسی متوقع سیاسی تبدیلی کے متعلق اُسکی رپورٹ اس قدر صحیح اور بروقت ہوتی تھی کہ موساد سے موصول کرتے ہی چند ہی گھنٹوں میں اسرائیلی وزیراعظم کے ڈیسک تک پہنچا دیتی تھی۔ بن گوریان انہی اطلاعات کو بنیاد بنا کر اہم پالیسی ساز فیصلے کرتا یعنی جنگ یا امن کا انتخاب۔

مشق میں مسلسل چھ مہینے کام کرنے کے بعد جولائی 1962ء میں اُسے واپس اسرائیل بلا یا گیا۔ چونکہ موساد چاہتی تھی دشمن ملک میں کام کرنے سے اُس کے اعصابی نظام پر جو بے پناہ دباؤ پڑا تھا اُسے کم کیا جائے۔ اُس نے چند دن اپنی فیملی کیساتھ بڑے سکون سے گزارے۔ معمول کے مطابق اس مرتبہ بھی اُس نے نادیہ کو اپنی اصل مصروفیات کے بارے میں کچھ نہیں بتایا بلکہ اُسے دمشق کا ذکر تک نہیں کیا۔ موساد کی برہانگیہ کے چند دنوں بعد وہ دوبارہ جاسوس کے روپ میں اپنے سفر پر روانہ ہوا تو اُس کے افسروں نے سختی سے تاکید کی کہ وہ وہاں کسی غیر ضروری خطرات میں پڑنے کی کوشش نہ کرے۔ اُسے پورا اختیار دیا گیا کہ وہ تل ابیب سے کسی بھی مطالبے کو مسترد کر سکتا ہے اگر وہ سمجھے کہ اس قسم کی معلومات حاصل کرنے سے اُسے کوئی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ لیکن ایلی کوہن نے اُن کی وارننگ کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ کسی کو پتہ نہیں چلے گا کہ میں اصل میں کون ہوں: اُس کے افسروں کو بس یہی فکر لاحق تھی کہ اُن کے اس مایہ ناز جاسوس میں حد سے زیادہ خود اعتمادی تھی۔

وہ ایک بار پھر یورپ سے ہوتا ہوا دمشق پہنچا۔ وہ حسب معمول اپنے دوستوں کیلئے زبردست تھفے و تحائف ساتھ لایا تھا۔ شراب و کباب کی محفلوں میں وہ اکثر اسرائیل اور یہودیوں کے خلاف بولتا اور ہٹلر کی بے پناہ تعریفیں کرتا۔ اُس کی اس جذباتی کیفیت کو دیکھتے ہوئے ایک دن شیخ مجید اُسے ایک جرمن پناہ گزین کے گھر لے گیا Franz Radmacher سابقہ نازی افسر تھا۔ اس نے ہٹلر کے دست راست ایڈولف ہٹلر کے حکم پر ہٹلر پر بمباری اور یوگوسلاویا کے لاکھوں یہودیوں کے قتل عام میں اہم رول ادا کیا تھا۔ جنگ کے خاتمے پر وہ فرار ہو کر شام پہنچ گیا تھا۔ یہاں اب وہ شامی سیکرٹ سروس میں بطور ایڈوائزر ملازم تھا۔

ایلی کوہن نے جنوبی یہودیوں کے اس قاتل سے ہاتھ ملایا تو اُس کے دل میں اُسے کسی طرح قتل کرنے کی خواہش پیدا ہوئی، کیونکہ اُسے ہٹلر کی طرح انہیں گناہگار نہیں تھا۔ واپس آتے ہی رات کو اُس نے اپنے ہیڈ کوارٹر کو اطلاع دی۔

"Met former Nazi Radmacher now working as adviser for syrian secret service.Liv

shahbander street. propose to Liquidate him"

اس اچانک دریافت سے موساد کی اعلیٰ قیادت میں کھلبلی مچ گئی۔ کیونکہ جنگ کے بعد اتحادی ملکوں نے اور خود اسرائیل کی خفیہ ایجنسیوں نے اس شخص کی کھون میں دنیا کا چپہ چپہ چھان مارا تھا۔ لیکن وہ ایلی کوہن کے ذریعے اُسے قتل کرنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ اپنی موجودہ حیثیت میں جس قدر اہم رول ادا کر رہا تھا وہی اُن کیلئے کافی تھا۔ دوسری صورت میں وہ شامی سیکرٹ سروس کے ہتے چڑھ سکتا تھا۔

اپنی دوسری تجویز میں کوہن نے کہا کہ براہ راست قتل کے بجائے وہ اس شخص کو پارسل بم بھیج سکتا ہے۔ مگر اس بار بھی تل ابیب نے اسے سختی سے منع کر دیا۔ بالآخر اسرائیلی سفارت کاروں نے جرمن حکام کو اطلاع کر دی کہ اُن کا مفروضہ دمشق میں فلاں پتے پر رہ رہا ہے۔ یوں شام کی حکومت پر سفارتی دباؤ ڈال کر جرمنی نے اُسے واپس حاصل کر لیا۔ اُس پر بعد میں مقدمہ چلایا گیا۔ ایلی کوہن کا فلیٹ فوج اور سول محکموں کے بااثر افراد کیلئے عیاشی کا اڈہ بن چکا تھا۔ ہر دوسرے تیسرے دن یہاں شراب و کباب کی محفلیں جیتیں۔ کوہن اُن کیلئے اعلیٰ ترین شہین اور وحشیہ کا بندوبست کرتا۔ وہ بظاہر نفسے میں اُن کی ایسی باتیں نوٹ کر لیتا جو ملک کی سیکرٹ پالیسی کے متعلق ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ اکثر فوجی افسر کبھی کبھار اپنی داشتادوں کے ساتھ اُسکے ہاں وارد ہو جاتے تھے۔ جارج سیف تو اکثر اپنی سیکرٹری ریتا اٹھلی کیساتھ شام منانے آتا تھا۔ اس کے بدلے میں اُس نے کوہن کیلئے اپنے دفتر کے دروازے ہمیشہ کھلے رکھے۔ سیف کا کام اسرائیل کے خلاف ریڈیو پروپیگنڈہ تھا۔ اُس کی میز پر اکثر حساس دستاویزات بکھری ہوتی تھیں۔ وہ بڑے فخر سے کوہن کو سب کچھ دکھا دیتا۔

جارج سیف کے آفس میں اُس کا آنا جانا اس قدر زیادہ تھا کہ اب تو سیکورٹی گارڈ بھی اُس سے مانوس ہو گئے تھے۔ ایک دوسرے وہ سیف کی غیر موجودگی میں اُس کے دفتر میں جا گھسا۔ اُس نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کئی اہم دستاویزات کی تصاویر اتاریں۔ لیٹننٹ معاذ (چیف آف سٹاف کا بھتیجا) کوہن کیساتھ بے حد کھلم کھلا گپ شپ لگاتا تھا۔ ایک دن کوہن نے اُسے کہا۔ شام کے پاس اتنا جدید اسلحہ بھی نہیں ہے پھر کیسے اُس نے اسرائیل کیساتھ اپنی سرحد پر مؤثر مورچہ بندی کی ہے، اور اکثر اسرائیلی قصابات پر زبردست گولہ باری کرتا ہے۔ آخر اپنے دوست کی تسلی کیلئے معاذ نے ایک دن اُسے سرحدی چوکیاں دکھانے کی دعوت دی۔

جولان کی پہاڑیاں شام اور اسرائیل کے درمیان بین الاقوامی سرحد کا کام کرتی تھیں۔ یہاں شام نے انتہائی جدید جنگی ساز و سامان جمع کر رکھا تھا۔ اس علاقے میں بغیر اجازت کوئی سول شخص قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔ خلاف ورزی کرنے والے کو موقع پر ہی شوٹ کا حکم تھا۔ معاذ اُسے اپنی جیب میں یہاں لے آیا۔ بارڈر پولیس نے اُن دونوں کا پتہ کتا استقبال کیا۔ انہوں نے ایلی کوہن کو فیل پروٹوکول اس وجہ سے دیا کہ وہ جنرل امین الحافظ کا قریبی دوست بھی تھا۔ کمانڈنگ آفیسر نے اُسے ہر وہ جگہ اور تعصیب دیکھائی جو وہ دیکھنا چاہتا تھا۔ اُس نے وہ گھرے بکھر بھی دیکھے جہاں شام نے لانگ رینج توپیں رکھی ہوئی تھیں۔ اُس نے ایک دوسرے مقام پر 122mm کی روسی ساختہ مارٹر گنیں دیکھیں جو سو کے قریب تھیں۔ وہ دل ہی دل میں تمام تعصیبات کی جگہوں اور سمت کو نوٹ کرتا رہا۔ اُس نے واپس آ کر اپنے ریڈیائی پیغام میں گولان کے متعلق ایک تفصیلی رپورٹ تل ابیب بھیجی:

"The Golan heights has been converted into 13-mile wide military out post with str

points built on ridges and mountain peaks. The area is Criss-Crossed with communication trenches screened from the view of local villages. Anti-tank bunkers, heavy machine-gun posts are mingled with tanks and cannon dug into the black earth. Ammunition dumps are hidden deep under ground. The whole area is protected by mine fields and zones of barbed wire" over 200 T54 tanks recently arrived from the Soviet Union.

1962ء اور 1963ء کے درمیان وہ لیفٹیننٹ معاذ کیساتھ کئی بار یہاں آیا۔ شامی اُس پر اس قدر اعتماد کرتے تھے کہ وہ واحد سول شخص تھا جسے انتہائی خفیہ آلات اور ہتھیاروں کی تصاویر اُتارنے کی اجازت تھی۔ انہی تصویروں کی مدد سے اسرائیلی فوج کوشامی توپ خانے کی صحیح جگہوں اور سمت کا پتہ چلا۔ ایک دوسرے تو ایک فوجی افسر نے اُسے باقاعدہ نقشے اور خاکوں کی مدد سے اپنی پوری ڈیفنس سسٹم کے بارے میں انکشافات کئے۔ قیصرہ شامی فوج کا انتہائی اہم ملٹری بیس تھا۔ یہاں بھی اُس نے کئی دفعہ راتیں گزاریں۔ یہاں اُسے جدید ریڈار سسٹیم دیکھائے گئے۔ وہاں روسی افسروں نے دمشق سے آئے ہوئے اس اہم شخصیت کیساتھ فوٹو گرافی کی۔ حل ایبب میں اُسکے افسروں کو اُس کی تنہائی اور فیملی سے جدائی کا احساس تھا، لہذا انہوں نے ایک بار پھر اُسے چھٹی پر بلانے کا فیصلہ کیا۔ جون 1963ء میں شام کے سیاسی حالات میں اچانک تبدیلی رونما ہوئی، بعث پارٹی نے حکومت کا تختہ الٹا کر اقتدار پر قبضہ کر لیا اور جنرل امین الحافظ یعنی ابلی کوہن کے دیرینہ دوست کو ملک کا نیا صدر بنادیا۔ صدر نے اس خوشی میں اپنی رہائش گاہ مہاجرین ہیٹل میں ایک رنگ رنگ تقریب کا اہتمام کیا تو کوہن کو خصوصی طور پر مدعو کیا۔ وہ جب ملک کے نئے وزیر اطلاعات کے ہمراہ صدارتی محل پہنچا تو صدر مملکت نے آگے بڑھ کر بڑی گرم جوشی کیساتھ اُس کا استقبال کیا۔ وہ جو نئی صدر سے بغل گیر ہوا تو فوٹو گرافروں نے اُنکی لاتعداد تصویریں نکالیں پھر صدر نے اُس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا: میری بیوی کو تمہارا بھیجا ہوا فروٹ بے حد پسند آیا ہے۔ ایک ہزار ڈالر مالیت کا یہ کوٹ ماسدا کے ایک ایجنٹ نے پیرس میں خریدا تھا۔

ابلی کوہن نے فوٹو گرافروں سے کہا کہ اُسے ان تصویروں کی ایک کاپی ضرور مہیا کرنا، پھر صدر کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا۔ آپ کیساتھ نکالی گئی یہ تصاویر میرے لئے اعزاز سے کم نہیں ہیں۔ اسرائیل میں چند ہفتے قیام کے بعد جب وہ واپس دمشق پہنچا تو اُس نے اپنے متعلق زبردست قیاس آرائیاں سنی۔ لوگوں میں خبر گرم تھی کہ کمال امین کو جلد کوئی اہم سرکاری عہدہ ملنے والا ہے۔ کچھ روز بعد اُس کا نام وزیر اطلاعات اور پروپیگنڈا کے منصب کیلئے لیا جانے لگا۔ لیکن صدر نے تجویز پیش کی کہ اُسے وزارت دفاع کیلئے تیار کیا جائے۔ لیکن اُس نے صدر سے کہا کہ فی الحال وہ اتنی بڑی ذمہ داری کیلئے تیار نہیں ہے، وہ پارٹی کیلئے کچھ کرنا چاہتا ہے۔

دراصل کوہن اتنی تیزی کیساتھ آگے بڑھنا نہیں چاہتا تھا۔ وزیر دفاع بن کر وہ اٹھیلے جنس اداروں کی کڑی نگرانی میں اپنا کام اتنی سہولت کیساتھ نہیں کر سکتا جتنا وہ اب کر رہا تھا۔ صدر نے اُس کا تعارف اپنی تمام کابینہ کے اراکان کیساتھ کیا۔ اور اس کے جذبہ حب الوطنی کو سراہتے ہوئے کہا

کہ اس شخص نے ملک اور پارٹی کیلئے بیونس آئرز میں اپنا تمام کاروبار چھوڑ کر دمشق میں رہنے کو ترجیح دی۔ کھانے کی میز پر کوہن نے صدر کو تجویز پیش کرتے ہوئے کہا کہ وہ پارٹی کی خاطر پروپیگنڈہ کیلئے بیونس آئرز کا دورہ کرنا چاہتا ہے، جہاں وہ المادار شامی کی دہلی میں اُس کیلئے زبردست حمایت پیدا کرے گا۔ اس دورے کے سارے اخراجات وہ اپنے اکاؤنٹ سے پورا کرے گا۔ صدر اپنے دوست کے اس پُر خلوص جذبے سے بے حد متاثر ہوا۔ اُس نے کوہن کو اجازت دی کہ وہ فوراً اپنے دورے پر روانہ ہو جائے۔

کوہن نے بیونس آئرز میں نہ صرف زبردست پروپیگنڈہ مہم چلائی بلکہ بعث سوشلسٹ پارٹی کیلئے نو ہزار ڈالر کا خطرہ چندہ بھی جمع کیا۔ اُسے اپنی طرف سے بھی ایک ہزار ڈالر ڈال کر واپس آ کر تمام رقم صدر کو پیش کی۔ کوہن اب شام کے سربراہ اقتدار طبقے میں نمایاں شخصیت بن چکا تھا۔ وہ اکثر صدر کیساتھ ملاقاتیں کرتا۔ اُس نے صدر کے کہنے پر اردن کا ایک خفیہ دورہ بھی کیا جہاں اُسے صدر کے ایک سیاسی حریف کو وطن واپس آنے پر راضی کیا۔ ایک روز اُسے ریڈیو دمشق نے اپنی بیرون ملک نشریات کے پروگرام میں مدعو کیا۔ جس میں کوہن نے جنوبی امریکہ میں مقیم شامیوں کو وطن واپس آنے کی اپیل کی تاکہ وہ بعث پارٹی کی مدد کریں۔

موساد نے بھی یہ براڈ کاسٹ بڑے غور سے سنی، کیونکہ ان نشریات میں بھی کوہن نے انہیں کچھ پیغامات بھیجے جسے کسی بھی شامی ریڈیو ایکسپرٹ نے محسوس نہیں کیا۔ چونکہ وہ مستقبل میں شام کا وزیر دفاع بننے والا تھا لہذا اُسے فوجی معاملات سے باخبر رکھنا انتہائی ضروری تھا۔ اُسے شام کی سرحدوں پر واقع متعدد حساس مقامات کا سرکاری دورہ کرایا گیا۔ وہ 1964ء میں پورا سال ملٹری ہیڈ کوارٹر کے اہم اجلاسوں میں شریک ہوتا رہا۔ یوں کہتے ہیں وہ بڑی کامیابی کیساتھ شام کے ارباب اقتدار کو بیوقوف بناتا رہا۔ اُس نے روسی ساختہ بگ 21 جو حال ہی میں شامی ائرفورس میں شامل کئے گئے تھے، کے انتہائی قریب سے لی گئی تصاویر اسرائیل بھیجی۔ وہ ایٹمیٹک میزوں اور کرسیوں کے پاپوں میں جگہ بنا کر ان میں فلموں کے رول رکھ دیتا تھا۔ زیورخ میں موساد کی قائم کردہ ایک فرم ان فرنچیزروں کی "خریدار" تھی۔

1964ء کے موسم گرما میں تل ابیب نے کوہن کو ایک انتہائی اہم پیغام بھیجا۔ اسرائیل میں پانی کے تقسیم کیلئے ایک مربوط پائپ لائن سسٹم ہے، اور یہ پانی بحیرہ گلیلی سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اس سمندر میں دریائے اردن گرتا ہے جبکہ خود دریائے اردن کو جو دو اور معاون دریا تقویت دیتے ہیں اُن کا منبع جولان کی پہاڑیوں میں ہے۔ شام ان دو دریاؤں کا رخ موڑ کر اپنی بنجر زمینوں کو سیراب کرنے کا پلان تیار کر رہا تھا۔ یوں اسرائیل کے آب رسانی کا پورا نظام خطرے میں پڑ گیا تھا۔ ایک عرب سربراہ کا نفرنس میں اس پلان کی منتقلی منظوری دی گئی۔ مصر کے صدر جمال عبدالناصر نے تو شام پر زور دیا کہ فوراً منصوبے پر کام شروع کیا جائے۔ بلاخراس عظیم منصوبے کا شہید ایک یوگوسلاوین فرم (Energo-profek) کو دیا گیا۔ فرم نے پوری زور و شور سے کام شروع کیا۔ انہوں نے دریاؤں کا رخ موڑنے کیلئے متعدد دھنریں کھودنا شروع کیں۔ یہ منصوبے اسرائیل کیلئے حملے سے کم نہیں تھا۔ موساد کے ہیڈ کوارٹر نے کوہن کو حکم دیا:

"We need full details of the project plans, diagrams, the type of equipment being used & precisely where it is located, This is absolutely top-priority"

کوہن نے انہیں کبھی مایوس نہیں کیا تھا۔ حسن اتفاق سے اس پروجیکٹ کی حفاظت کیلئے جن فوجی یونٹوں کو متعین کیا گیا تھا اس کا کمانڈر اُس کا قریبی دوست کرنل حاتم تھا۔ حاتم نے اُسے منصوبے کے متعلق تمام کاغذی مواد اور نقشے فراہم کر دیے۔ اُسے فرم کے ماہرین سے بھی ملوایا۔ اُس نے منصوبے کی تکمیل کی تاریخ بھی معلوم کی۔ اس عظیم منصوبے پر کروڑوں ڈالر خرچ ہو رہے تھے۔ سینکڑوں ٹیل ڈوزر اور بھاری مشینری دن رات حرکت کر رہی تھی۔ تین مہینوں کے اندر اندر اُس نے اپنے ہیڈ کوارٹر کو پوری سکیم کے متعلق تفصیلات فراہم کر دی۔ اسی سال نومبر میں وہ تیسری مرتبہ اسرائیل گیا تو اُس کے ہاں پہلے بیٹے کی پیدائش ہوئی تھی۔ اُس نے اس خوشی میں اپنے گھر میں ایک تقریب کا اہتمام کیا جس میں خاندان کے کبھی افراد نے شرکت کی۔ وہ موساد کے لوگوں کو بھی مدعو کرنا چاہتا تھا مگر اُسے منع کر دیا گیا کیونکہ اس جھوٹی سی گھریلو تقریب میں چند بے اسرار اجنبی چہرے اُس کے رشتہ داروں کو شک میں ڈال سکتے تھے۔ نادیدہ اور بھائیوں نے اُس کے مزاج میں کچھ چڑچا پن محسوس کیا تھا وہ معمولی بات پر ناراض ہونے لگتا تھا کبھی گہری سوچوں میں گم ہو جاتا تھا۔ دشمن ملک میں اسکی خفیہ سرگرمیاں اس کے ذہن پر بے پناہ دباؤ ڈال رہی تھی، وہ اب مسلسل خوف و ہراس کی وجہ سے نفسیاتی مریض بن جاتا رہا تھا۔

تمام دن کام کرنے کے بعد رات کے اندھیرے میں وہ اپنے مکان کے ایک کمرے میں خفیہ رپورٹوں اور معلومات کا خلاصہ تیار کرتا پھر ان کا خفیہ زبان (code) میں ترجمہ کر کے تل ابیب ٹرانسٹ کرتا۔ اکثر وہ صبح تک اپنے ڈارک روم میں مانیکر و فلم کی کاپیاں بناتا رہتا تھا۔ اس سب کچھ کے علاوہ اُس کا ایک وسیع حلقہ راجاب تھا۔ وہ ان دوستوں کے ساتھ کاک ٹیل پارٹیاں اور فنکشنز اہنڈ کرتا۔ بقول کوہن کے اُس کی زندگی ایک مشین کی مانند تھی جو دن کے چوبیس گھنٹے چلتی رہتی تھی۔ کام کی زیادتی اور دشمن ملک میں اکیلے خطرناک مشن کی تکمیل سے اُس کے ذہن پر شدید نفسیاتی دباؤ پڑ رہا تھا، ایسے میں اُس کی شخصیت میں تبدیلی ایک قدرتی امر تھا۔ اپنے خاندان سے اُس نے کبھی اپنی سرگرمیوں کا ذکر نہیں کیا۔ اُن کیلئے وہ یورپ میں مقیم تھا لیکن کبھی کبھار اُس کی زبان سے ایسا جملہ نکل جاتا تھا کہ گھر والے شک میں پڑ جاتے تھے۔ مثلاً ایک دن اُس کی ماں نے کہا کہ وہ اُس کیلئے ایک پیش شامی ڈش تیار کرنے والی ہے تو کوہن نے کہا اے چھوڑ دے تو میں روز ہی کھاتا ہوں۔ اس پر ماں نے کہا تم تو یورپ میں رہتے ہو پھر یہ شامی ڈش تمہیں کہاں سے ملتی ہے۔ ایک دوسرے موقع پر وہ اپنے بھائی مورس کے گھر اُس کی بیٹی کیلئے ایک گڑیا لیکر گیا۔ یہ فرانس کی بیٹی ہوئی تھی۔ بھائی نے پوچھا کیا تم حال ہی میں پیرس گئے تھے تو کوہن نے بغیر سوچے کہا نہیں تو میں تو کافی عرصے سے پیرس نہیں گیا ہوں۔ اس بات پر مورس شک میں پڑ گیا۔ تو پھر یہ گڑیا کہاں سے آئی ہے تمہارے پاس؟ اس بات پر کوہن نے اچانک سخت برہم ہو گیا کیا مطلب ہے تمہارا کیا میں جھوٹا ہوں: اپنے کام سے کام رکھو۔ لیکن مورس کو پہلے ہی کوہن کی سرگرمیوں کے متعلق شک تھا۔ بالکل اتفاق سے مورس بھی موساد کا اہل کار تھا۔ وہ ہیڈ کوارٹر میں بطور ہیڈ بوآپر بیڑ ملازم تھا۔ اُسے دمشق میں اپنے ناپ ایجنٹ کے متعلق تو پتہ تھا لیکن یہ نہیں پتہ تھا کہ وہ اسکا اپنا بھائی ہے۔ موساد نے یہ بات اُس سے ہمیشہ چھپا رکھی تھی۔ لیکن کچھ عرصہ چند ایسے اتفاقات رونما ہوئے جس سے مورس کو شک ہونے لگا کہ دمشق سے خفیہ پیغامات بھیجنے والا ایجنٹ اُس کا اپنا بھائی ہے مثلاً کوہن کبھی کبھار اپنی شریات میں ذاتی پیغامات بھی شامل کر لیتا تھا۔ جیسے بیٹی کو سالگرہ مبارک بیوی کو شادی کی سالگرہ مبارک وغیرہ۔ مورس نے محسوس کیا کہ بالکل یہی تاریخیں اُس کے بھائی کی بیٹی اور بیوی کی سالگرہ کی ہیں۔ اس کے علاوہ اب کوہن کی اسرائیل آمد

کے بعد دمشق سے ریڈیو بیانات کا سلسلہ بھی بند تھا۔ اس سے مورس کو یقین ہو گیا تھا کہ دمشق میں کام کرنے والا اسرائیلی جاسوس اُسکا اپنا بھائی ہے۔ اُس کا دل کچل رہا تھا کہ وہ اپنے بھائی کو بتا دے کہ وہ اُس کے راز سے واقف ہو چکا ہے مگر وہ ایسا کر کے اُس کی خود اعتمادی کو بھیس پہنچانا نہیں چاہتا تھا۔ کوہن کے ایک دوسرے بھائی افرائم نے بھی بعد میں کسی سے کہا کہ اُسے کوہن نے قیمتی جوتے تحفے میں دیے تھے بقول اُس کے یہ ترکی میں خریدے گئے تھے مگر جب میں نے جوتے کے اندر ایک سنگرد دیکھا جو عربی میں لکھا ہوا تھا تو میں خاموش ہو گیا۔ ایلی کوہن کی طبیعت اور مزاج میں تبدیلی کو نادیہ نے سب سے زیادہ محسوس کیا تھا۔ وہ کچھ دن تو خاموش رہی آخر ایک دن اُس نے مسکراتے ہوئے اُسے کہا: مجھے تمہارے متعلق سب کچھ پتہ ہے بلکہ تمہارے بیونس آئرز جانے سے پہلے ہی مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ تم کسی ادارے کیلئے کام کر رہے ہو۔ ایلی کوہن بھی بیوی کے اس اچانک انکشاف پر مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا۔ موساد کے اعلیٰ افسروں نے اُس کی ذہنی کیفیت کو دیکھتے ہوئے اُسے مزید چٹھیاں گزارنے کا مشورہ دیا۔ بلکہ انہوں نے اُسے اجازت دی کہ اگر وہ دمشق جانا نہیں چاہتا ہو تو انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا، وہ پہلے ہی اسرائیل کیلئے بہت کچھ کر چکا ہے۔ میں ایک آخری بار دوبارہ جاؤں گا۔ ایلی کوہن نے اپنے ہاس کو کہا۔ میں نے ابھی دمشق میں کافی کام نبٹا ہے جس پھر میں واپس آ جاؤں گا۔ دو دن جانے سے پہلے وہ نادیہ اور بچوں کو لیکر سمندر کے کنارے گیا۔ رات کو انہوں نے بحیرہ روم کے ساحل پر ایک ریستوران میں کھانا کھایا۔ اُس نے کھانے کی میز پر بڑے افسردہ لہجے میں نادیہ کو کہا۔ میں تم لوگوں سے ہمیشہ دور رہنا اب بالکل نہیں چاہتا۔ میں اس قسم کی زندگی سے تنگ آ چکا ہوں مجھے اس مرتبہ آخری بار جانے دو۔ وعدہ کرتا ہوں کہ واپس آ کر پھر کبھی تم لوگوں سے جدا نہیں ہوں گا ایک دن کیلئے بھی نہیں۔ دوسرے روز جب وہ روانہ ہوا تو نادیہ پہلی بار دل کھول کر روئی۔

جنوری 1965ء

شب کا آخری پہر تھا اور دن کا اجالا آہستہ آہستہ تاریکی کو چیر رہا تھا۔ باہر ہلکی بوند باندنی بھی شروع ہو چکی تھی۔ دمشق ابھی گہری نیند میں مدھوش تھا۔ ایلی کوہن سردی سے بچنے کیلئے ایک موٹی چادر اوڑھے اپنے بستر پر اپنے ٹرانسمیٹر کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ وہ تل ایب سے کسی اہم حکم کا انتظار کر رہا تھا۔ گزشتہ شام ایک دعوت کے موقع پر اُسے کرئل حاتم کی زبانی پتہ چلا تھا کہ صدر حافظ نے اپنی سیکرٹ سروس کے اعلیٰ حکام کیساتھ ملکر ایک اہم فیصلہ کیا ہے۔ انہوں نے فلسطینیوں کے مختلف دھڑوں کو ایک منظم تنظیم میں ضم کرنے کا فیصلہ کیا تھا، اور انہیں شام کے ملٹری اداروں میں تربیت دینے کا بھی انتظام کر لیا تھا۔ چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر یہ فیصلہ رپورٹ موساد نے اسرائیلی وزیراعظم کے ڈیسک تک پہنچا دی تھی۔ ایلی نے اپنی کلائی گھڑی پر لگے ڈالی تو صبح کے آٹھ بج چکے تھے۔ اُسے اپنے ریسورس کی سوئی مقررہ فریکوئنسی پر سیٹ کر دی کیونکہ اب چند ہی لمحوں میں اُس کا تل ایب سے ریڈیائی رابطہ ہونے والا تھا، کہ اچانک اُس کے فلیٹ کا دروازہ کوئی بُری طرح کھٹکھٹانے لگا اور اس کے ساتھ ہی اُس کے دل کی دھڑکن خطرے کو محسوس کرتے ہوئے تیز ہو گئی۔

اس سے پہلے کہ وہ کوئی حرکت کرتا منظبوط چوہی دروازہ دھڑام سے ٹوٹ کر گر پڑا اور آٹھ مسلح کمانڈوز اندر گھس آئے۔ اُن کے ہاتھوں میں پستول اور شین گن تھیں۔ وہ سادہ لباس میں ملبوس تھے۔ کوہن نے جونہی اپنے ٹرانسمیٹر کو چھپانا چاہا تو دو آدمیوں نے اُس کی کن پٹی پر پستول کی

نوک رکھ دی۔ خبردار اگر تم نے اپنی جگہ سے حرکت کی ان آدمیوں نے چیخ کر کہا۔

اس کے چند لمحوں بعد ایک شخص جس نے یونیفارم پہن رکھا تھا اس کے قریب آیا۔ کوہن نے اُسے فوراً پہچان لیا۔ وہ مکملہ انسداد جاسوسی یعنی Counter-intelligence کا چیف، کرنل احمد سویدانی تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی کوہن کا جاسوسی کیریئر اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا۔ بعد میں کرنل احمد نے ایک لیبانی اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے دعویٰ کیا کہ وہ بہت پہلے ہی کمال امین کے متعلق شک میں تھا میں نے اُس کی نگرانی شروع کر دی تھی بلکہ اُسکے پاس آنے جانے والے تمام افراد پر بھی میری نظر تھی۔ میں نے بذات خود اُس کے ٹرانسمیٹر کا اینٹینا اُسکے مکان کی چھت پر دریافت کیا تھا۔ ہم نے کافی عرصہ اُسکی ڈاک چپک کی اور ٹیلی فون کالیں شپک کیں۔ اُسکے وی آئی پی دوستوں کی فہرست سے مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اسرائیل کا خطرناک جاسوس ہے۔ لیکن کرنل سفید جھوٹ بول رہا تھا۔ یہ ڈرامائی گرفتاری بالکل ایک حادثہ تھی، ایک اتفاق تھا۔ اُس کا کرنل سویدانی کی خفیہ نگرانی سے کوئی تعلق نہیں تھا اور نہ ہی اُس نے کوئی ایسی غلطی کی تھی۔

ہوا یوں کہ کوہن کی رہائش گاہ کے قریب بھارتی سفارت خانہ تھا۔ اُسکے ریڈیو آپریٹرز مسلسل کئی مہینوں سے شکایت کر رہے تھے کہ دہلی کیساتھ اُنکی معمول کی ریڈیو کمیونیکیشن میں کوئی شخص خلل ڈال رہا ہے۔ شام کے متعلقہ محکمے نے بھارتی سفارت خانے کی درخواست پر عمل کرتے ہوئے بے حد کوشش کی مگر جدید آلات کی غیر موجودگی میں وہ اس غیر قانونی نشریات کا سراغ لگانے میں ناکام ہو گئے۔ آخر انہوں نے دمشق میں مقیم روسی سیکرٹ سروس (KGB) کے ماہرین سے مدد کی درخواست کی۔ روسیوں نے فوراً ماسکو سے ایک جدید ترین موبائل (direction finder) منگوائی۔

انہوں نے اس آلے کی مدد سے بھارتی سفارت خانے کے آس پاس گلیوں میں چھان بین شروع کی۔ آخر کار آدھی رات کے قریب انہوں نے ایلی کوہن کی نشریات پکڑ لی۔ مگر وہ اس قدر مختصر دورانیہ کی تھی کہ اُس کی سمت کا تعین کرنا ناممکن نہیں تھا۔ آخر بڑی تلک و دو کے بعد روسی ماہرین نے دو عمارتوں کی نشان دہی کرتے ہوئے کہا کہ انہی میں سے ایک عمارت سے یہ سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ ایلی کوہن کی رہائش گاہ ان میں سے ایک عمارت میں تھی۔ شاہی سیکرٹ سروس کے اہل کاروں نے ان کی تلاشی لینا شروع کی۔ ایلی کوہن اس حادثے سے بالکل خبر نہ پانے کا کام میں مصروف تھا اپنی گرفتاری سے دو دن پہلے اُس نے تل ابیب کو پیغام دیا کہ بار بار بجلی کی غیر متوقع بریک ڈاؤن کی وجہ سے اُسے اپنے پیغامات نشر کرنے میں دقت ہو رہی ہے۔ وہ بجلی کی عدم موجودگی میں اپنا ٹرانسمیٹر بیٹری کی مدد سے چلاتا تھا۔

جس صبح وہ اچانک گرفتار ہوا، اُس روز بھی اُس کے علاقے میں بجلی منقطع ہوئی تھی۔ وہ مجبوراً اپنی نشریات کیلئے بیڑی استعمال کر رہا تھا۔ اُسے دریافت کرنا اب بے حد آسان تھا۔ کیونکہ پورے ایریا میں بجلی کی عدم موجودگی کی وجہ سے کہیں بھی ریڈیو سسٹم آن نہیں تھا اور اگر تھا بھی تو وہ صرف اور صرف ایلی کوہن کا تھا جو بیڑی کی مدد سے چل رہا تھا۔ عمارت کی صحیح نشان دہی ہونے کے بعد روسیوں نے شام کے محکمہ سرائی رسانی (Counter-Intelligence) کے افراد سے کہا کہ وہ عمارت کی چھت کی تلاشی لے۔ وہاں ٹی۔وی اینٹینا کا ایک جنگل تھا لیکن تھوڑی دیر کی تلاش کے بعد انہوں نے ایک اینٹینا کیساتھ منسلک ٹی وی کی عام تار کے نیچے ایک باریک دھاتی تار دریافت کی جو بل کھاتی ہوئی نیچے سیدھا ایلی

کوہن کے فلیٹ کے روشن دان میں گھسی ہوئی تھی۔

کرنل احمد سویدانی نے فوراً وائرلیس پر صدر کو اس دریافت کی اطلاع دی۔ صدر حافظ یونس کرخت پریشان ہوا۔ اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ کمال امین، اُس کا دیرینہ دوست اسرائیلی جاسوس ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ اس بات سے بھی بے حد خوفزدہ تھا کہ اپوزیشن اس واقعہ سے اچھا خاصا فائدہ اٹھا سکتی تھی۔ کرنل سویدانی نے صدر کو مشورہ دیا کہ فی الحال کوہن کو چند دن زیر نگرانی رکھا جائے تاکہ اُس کے باقی ساتھی بھی گرفتار کر لئے جائیں لیکن صدر نے کہا کہ نہیں، اسے فوراً حراست میں لے لو، لیکن گرفتاری کی یہ خبر نے فی الحال صیغہ راز میں رکھی جائے۔ سویدانی جب دروازہ توڑ کر اُس کے فلیٹ میں داخل ہوا تو اُسے ایلی کوہن کو گریبان سے پکڑ کر چیخ کر کہا۔ سؤر کے بچے بالآخر ہمارے ہاتھ آ گئے ہونا بتاؤ تم کون ہو۔ تمہارا اصل نام کیا ہے اور کس ملک کے جاسوس ہو؟ ایلی کوہن نے ایک ہاتھ سے اپنا گریبان چھڑاتے ہوئے بڑے اطمینان سے کہا میرا نام کمال امین ہے اور میں ارجنٹینا سے ہجرت کر کے یہاں آیا ہوں۔ خیر اس کا تو میں پتہ چلا لوں گا۔ کرنل نے غراتے ہوئے کہا۔ لیکن زرا انتظار کرنا۔ تمہیں میرے ہاتھوں مرنا تو ہے ہی لیکن اس سے قبل خدا کی قسم تم سب کچھ اگل دو گے۔ تم اپنے سارے راز ہمارے حوالے کر دو گے۔ اپنے تمام شریک جرم ساتھیوں کے نام بتاؤ گے۔ تم تمنا کرو گے کہ اگر اس دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوتے تو اچھا ہوتا۔ جبکہ کرنل غصے سے چلا رہا تھا اور ادھر اُس کے دوسرے ساتھی فلیٹ کے پانچوں کدوں کی تلاشی لے رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ایک پولیس افسر نے باواز بلند کہا کہ اُسے دوسرا ٹرانسمیٹر بھی مل گیا ہے۔ اس کے علاوہ انہیں نہانے کے صابن میں پوشیدہ وافر مقدار میں طاقتور دھماکہ خیز مواد اور سائنائیٹ کی گولیاں بھی ملیں۔ کرنل نے دھماکہ خیز مواد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا یہ کس مقصد کیلئے تم نے رکھا تھا۔ ایلی کوہن نے دھیمے لہجے میں کہا یہ تحریک بکری کیلئے نہیں بلکہ خطرے کی حالت میں ان ٹرانسمیٹر کوں کو تباہ کرنے کیلئے تھا۔ تین دنوں میں سکورٹی والوں نے کوہن کے فلیٹ کا ستیاناس کر دیا۔ درجنوں آدمیوں نے اُس کی چھت دیواروں اور فرش کو ادھیڑ ڈالا۔

صوفہ سیٹوں اور بیڈز کو چیر پھاڑ کر رکھ دیا۔ قیمتی فرنیچر آری سے کاٹ ڈالا، وہ مزید جاسوسی مواد اور ان افراد کی لسٹ ڈھونڈ رہے تھے جو اس جرم میں کوہن کے ساتھی تھے۔ انہوں نے اس عرصے میں کوہن پر کوئی تشدد نہیں کیا۔ صرف کرنل سویدانی اپنے ایک ساتھی عدنان تبھرہ کے ہمراہ مسلسل کئی گھنٹے اُس پر سوالات کی بارش کرتا رہا۔ تبہارے اور ٹرانسمیٹر کہاں ہیں؟ اُس نے جواب دیا کہ میرے پاس یہ دو ہی تھے میرا ان سے کام خوب چل رہا تھا تبھرہ کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے بعد کرنل نے اُسے کہا کہ وہ مل ایبب کیساتھ اپنا رابطہ دوبارہ قائم کر کے انہیں پیغامات بھیجنا شروع کرے لیکن اس بار ایلی کوہن کے پاس کرنل سویدانی کے لکھے ہوئے پیغام تھے۔ وہ دراصل اس طرح سے موساد کو دھوکہ دیکر دیکھنا چاہتے تھے کہ وہ اپنے ایجنٹ سے کس قسم کی مزید معلومات کا مطالبہ کرتے ہیں۔ کوہن نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے وہی کیا جو شامی چاہتے تھے۔ اس کے ارد گرد تین چار ریڈیو ایکسپلرٹ بھی کھڑے تھے جنہوں نے اُس کے مخصوص کوڈ سسٹم کو بغور چیک کیا۔ لیکن ایک اہم چیز جسے شامی ماہرین سمجھ نہ سکے وہ کوہن کی پیغام شپ آؤٹ کرنے کی مخصوص سپید تھی جو اُس کے ہیڈ کوارٹر کے درمیان پہلے سے طے شدہ تھی۔ کوہن نے اپنی رفتار میں جو نبی تہدیل کی تو موساد کے ہیڈ کوارٹر میں کھلبلی مچ گئی۔ انہیں گنٹل مل چکا تھا کہ اُن کا جاسوس بلا خر پکڑا گیا ہے۔

کچھ دیر بعد تل ابیب سے جواب موصول ہوا ہمیں تمہارا پیغام مل چکا ہے۔ کرنل سویدانی نے کوہن کو کئی بار یہ پیغام نشر کرنے کو کہا کہ مجھے مزید احکامات دیں: لیکن تل ابیب سے ہر بار یہی جملہ موصول ہوتا۔ (Message received)۔ ادھر موساد کے ہیڈ کوارٹر میں کہرام مچا ہوا تھا۔ کیونیکیشن کے شعبے میں آپریٹریں کوہن کے پیغام کی ٹیپ بار بار پلے کرتے رہے۔ موساد کے چیف کو انتہائی غلط میں گھر سے بلا لیا گیا تھا۔ کوہن کے پتنگ روم میں تبدیلی واضح گنجل تھا کہ اب اس کا جاسوسی کیریئر اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے اور بدترین تشدد اس کا منتظر ہے۔

رات کو موساد کے چیف نے فوراً وزیراعظم لیوی ایشکول کو یہ خبر دی۔ وہ اس وقت اپنے بیڈ روم میں محو خواب تھا۔ اُسے اپنی بیوی میریم نے جگا کر یہ خبر سُنائی۔ دوسرے صبح کرنل سویدانی نے کوہن کو ایک اور کوڈ پیغام بھیجے کہ اب تل ابیب سے جواب موصول ہوا کہ تمہارا اچھلی رات اور اس صبح کا پیغام مل چکا ہے مگر کچھ میں نہیں آ رہا۔ آج شام دوبارہ بھیج دو۔ لیکن کوہن کو پتہ تھا۔ دراصل اس جملے میں تل ابیب اسے کہہ رہا تھا کہ اپنے ہوش و حواس قابو میں رکھو اور دیکھو آگے کیا ہوتا ہے۔ کرنل سویدانی سمجھ رہا تھا کہ موساد کا ہیڈ کوارٹر اس کی چال کے نرغے میں آ گیا ہے۔ وہ ریڈیائی دھوکے کے اس پراجیکٹ کو ہفتوں جاری رکھنے کے موڈ میں تھا۔ لیکن صدر امین الحافظ کھیل کو جلد از جلد ختم کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اُسے کرنل سویدانی سے خطرہ تھا کہ وہ اس واقعے کو سیکنڈل بنا کر اُسکے خلاف پھیلا سکتا ہے۔ صدر نے حکم دیا کہ اُسے فوراً ملٹری ہیڈ کوارٹر کی جیل منتقل کر دیا جائے۔ آخر کار 24 جنوری کو کرنل سویدانی نے اہلی کوہن کو ایک آخری پیغام بھیجے کہ اب اس قسم کا تھا:

"To the P.M of Israel & chief of the secret service in Telaviv. Kamal & his friends our guest in Damascus. you will hear of their fate very soon. signed: the counter-espionage service of syria."

چند ہی لمحوں بعد دمشق سے پہنچنے والا یہ مراسلہ وزیراعظم لیوی ایشکول کے ڈیسک پر پڑا تھا۔ اس کے ایک گھنٹے بعد ریڈیو دمشق نے اسرائیلی جاسوس کی گرفتاری کی خبر نشر کر دی۔ اس خبر سے جہاں موساد کے چیف پریشان ہوئے وہاں دمشق میں کئی اہم عہدوں پر فائز شامیوں کو اپنی زندگی کی فکر لاحق ہو گئی۔ صدر نے اپنے قریبی دوستوں اور خرواپنی ذات کو بچانے کی خاطر کرنل سلیم حاتم اور صالح کو ایلی کوہن سے پوچھ گچھ کیلئے اُسکے فلیٹ بھیجا۔ صدر نے انہیں طے یہ کہا میرا خیال ہے کہ دمشق میں تم دونوں سے زیادہ کوئی کمال کے فلیٹ کے بارے میں نہیں جانتا ہوگا۔ صدر کو پتہ تھا کہ اُس کے یہ دوست کمال امین کے فلیٹ میں کس قسم کے دھندے کرتے تھے۔

کرنل سویدانی نے ان دوافروں کی آمد پر خوشی کا اظہار نہیں کیا کیونکہ وہ اس واقعے سے درپردہ سیاسی فائدہ اٹھانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ چند گھنٹوں بعد صدر بذات خود ملٹری ہیڈ کوارٹر پہنچا تو قیدی کو اُسکے سامنے پیش کیا گیا۔ صدر کو کسی تعارف کی ضرورت نہیں تھی۔ اُس کے سامنے کھڑا شخص وہی درجنناک عرب تھا جسے اُس نے بیس آئرمز میں دوست بنایا تھا اور اُسے دمشق بلا کر اُس پر اس قدر اعتماد کیا تھا۔ اُسکی بیوی نے آج بھی کمال کے تختے میں دیا ہوا فرامیسی فرکٹ پہنا ہوا تھا۔ یہ فدا شخص کئی مرتبہ صدارتی محل میں اُس کا ذاتی مہمان بن کر آیا تھا۔ وہ اسے بھائی سمجھتا رہا تھا وہ ایوان اقتدار میں اس قدر اندر گھس چکا تھا کہ چند ہی دنوں میں ملک کا وزیر دفاع بننے والا تھا۔ بلکہ صدر تو اُسے اپنا جانشین بنانے کا بھی سوچ رہا تھا۔ تھوڑی

دیر کیلئے دونوں آدمیوں نے خاموش ٹکا ہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر ایلی کوہن نے سکوت کو توڑ کر گلوگیر آواز میں کہا "I am Eli cohen in the Israeli army" بعد میں صدر الحافظ نے ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا۔ میں نے بذات خود اس قیدی کا انٹرویو کیا پہلے میری سکیورٹی سروس اُسے حقیقی عرب مسلمان سمجھ رہی تھی جسے اسرائیل نے ہماری جاسوسی کرنے بھیجا تھا مگر میں نے اُس کی آنکھوں کا رنگ دیکھ کر اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ کٹر یہودی ہے پھر میں نے اُسے نماز سنانے کو کہا تو وہ ایسا کرنے میں ناکام رہا۔

لیکن صدر بھی جھوٹ بول رہا تھا۔ انہوں نے پوچھ گچھ کیلئے ایلی کوہن کو چار ہفتے ایک ملٹری کیمپ میں رکھا جہاں اُسے منظم طریقے سے اذیت دی گئی کہ اُسے ہٹلر کی خفیہ پولیس گسٹاپو (Gestapo) قلع نظر آنے لگی تھی۔ اُسکے منتھوں اور اعضاے تناسل اور دیگر حساس جگہوں کو لاتعداد برقی صدمے دیے گئے۔ اُسکے ہاتھ پاؤں کے ناخن ایک ایک کر کے نوچے گئے۔ اس کے علاوہ شامی بیکرٹ سروس نے اُس کے جسم پر تشدد کے وہ طریقے استعمال کئے جو انہیں گسٹاپو کے سابقہ اہل کاروں نے سکھائے تھے۔ لیکن وہ کسی بھی مرحلے میں ایلی کوہن کو کوڑ نہ سکے۔ آخر تحک ہار کر انہوں نے اُسے سول جیل منتقل کر دیا۔ جیل کے حکام اُسکی بے انتہا قوتِ ارادی اور مستقل مزاجی سے بے حد متاثر ہو چکے تھے۔ ایلی کوہن کی گرفتاری کے بعد پولیس نے پانچ سو کے قریب شامی مردوں اور عورتوں کو حراست میں لیا۔ ان افراد میں وہ سرکاری سیکریٹریاں، انزہوش اور کال گرلز بھی شامل تھیں جو اکثر کوہن کے فلیٹ کا چکر لگایا کرتی تھیں۔ معاذ ظہیر الدین، جارج سیف اور دیگر اعلیٰ شخصیات کو بھی پولیس نے راتوں رات گھروں سے گرفتار کر کے جیل میں ٹھونس دیا تھا۔

ایک لبنانی اخبار میں کوہن کی اعلیٰ سطح کی جاسوسی کے متعلق ایک آرٹیکل شائع ہوا:-

"Damascus took decision at Cabinet meetings in the morning ELI cohen trans them to Tel Aviv the same evening"

صرف ایک لبنانی جرنلسٹ کو جاسوس سے انٹرویو لینے کی اجازت دی گئی۔ کوہن نے اُسے کہا۔ "میں اپنے ملک کی خاطر شام آیا تھا، میں نے اپنے ہم وطنوں، اپنی بیوی اور تین بچوں کے مستقبل کیلئے یہاں دن رات محنت سے کام کیا، میں پوری دنیا پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے کبھی اسرائیل سے غداری نہیں کی۔" اپنے ایجنٹ کی زندگی بچانے کیلئے اسرائیل نے عالمی سطح پر زبردست تنگ دود کی۔ اسرائیلی وزیراعظم نے کہا۔ جدید اور مہذب ملک جاسوس کو ہلاک نہیں کیا کرتے۔ وہ انہیں اپنے گرفتار شدہ جاسوسوں کے تبادلے میں چھوڑ دیتے ہیں یا کچھ عرصہ قید میں رکھ کر خاموشی کیساتھ رہا کر دیتے ہیں۔

اسرائیل نے سیاسی اور سفارتی سطح پر کوششیں تیز کرتے ہوئے مختلف ملکوں کے سفیروں، تاجروں اور سربراہان مملکت کو شام پر دباؤ ڈالنے کی اپیل کیں۔ ایلی کوہن پر ایک خصوصی فوجی عدالت میں مقدمہ شروع ہونے والا تھا۔ وقت تیزی سے کھسک رہا تھا اور اسرائیل اُسکی جان بچانے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔ کئی ملکوں کے مشہور وکیلوں نے شام سے درخواست کی کہ انہیں ایلی کوہن کی طرف سے مقدمہ لڑنے دیا جائے۔ فرانس کے دو وکیل تو دمشق بھی پہنچ گئے۔ وہ بطور آبرور اس کاروائی میں بیٹھنا چاہتے تھے۔ اُن میں سے ایک وکیل Jacques Mercier

نے فرانس میں کئی قوم پرست الجرائزی لیڈروں کا مقدمہ لڑا تھا۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب الجرائز کے حیرت پسند فرانس کے خلاف اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہے تھے۔ لہذا کم از کم وہ ایسا شخص تھا جس پر شام کبھی عرب مخالف عزائم کا الزام نہیں لگا سکتا تھا۔

لیکن جب خصوصی ٹرائی بول کے نام شروع کیا تو اسرائیل نے اپنے جاسوس کو موت کے منہ میں جاتے دیکھا۔ عدالت نے اُسے کسی قسم کی قانونی مدد یا وکیل کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ فرانسیسی وکیلوں کو کمرہ عدالت میں داخل ہونے سے منع کر دیا گیا۔ حالانکہ کئی یورپی ملکوں نے کئی بار اس کیلئے درخواست بھی کی۔ اس مقدمے میں ایلی کوہن کیلئے سب سے بدترین پہلو یہ نکلا کہ مقدمے کی صدارت کیلئے کرٹل صالح اور کرٹل حاتم کو دوسرے پانچ ججوں کیساتھ معاون مقرر کیا گیا۔ اور یہ دونوں اشخاص ایلی کوہن کے اس قدر قریب رہ چکے تھے کہ انہیں پتہ تھا کہ اگر ایلی کوہن کیساتھ نرمی برتی گئی تو بعد میں اُن کی اور صدر امین الحافظ کی خیر نہیں ہوگی۔ مقدمے کی تمام کاروائی بند کمرے میں ہوئی۔ جرح کے کچھ منٹ بعد جے نیل ویزن پر بھی دیکھائے گئے۔ بے پناہ تشدد کے باوجود ایلی کوہن نے اپنے ہوش و حواس کو قابو میں رکھتے ہوئے نہایت اطمینان سے تمام سوالوں کے جوابات دیے۔

یہ بات بڑی حیران کن تھی جب اُس سے پوچھا گیا کہ کیا وہ کرٹل حاتم اور صالح کو جانتا ہے تو اُس نے نفی میں جواب دیا، لیکن اُس نے اس کے علاوہ لاتعداد شاہی افروں اور تاجروں کے نام لئے جو بقول اُسکے اکثر اُسکی رہائش گاہ عیاشیوں کیلئے آتے رہتے تھے۔ اُدھر قتل ایبیب میں موساد کے بڑوں نے اطمینان کا سانس لیا، کیونکہ ایلی کوہن کمال ہوشیاری کیساتھ عدالتی جرح کا سامنا کر رہا تھا۔ جب اُس نے بھری عدالت میں کرٹل صالح اور حاتم کو پہچاننے سے انکار کیا تو موساد کا ہیڈ کوارٹر سمجھا کہ شاید کوہن کا انکے ساتھ کوئی خفیہ معاہدہ ہوا ہے۔ فرانسیسی وکیلوں کا بھی یہی خیال تھا۔

جب ایک جج نے جارج سیف سے جرح کی کہ وہ واقعی طرم کے گھر اکثر جایا کرتا تھا۔ تو اُس نے جواب دیا کہ وہ بالکل وہاں اکثر جاتا تھا لیکن میں نے کبھی اُس کی خاطر جاسوسی نہیں کی۔ پھر اُس نے کرٹل صالح کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: لیکن میں اکیلا اس قسم کی حرکتوں میں ملوث نہیں رہا تھا۔ آٹھ مئی کو عدالت نے اُسے جاسوسی کے جرم میں سزائے موت کا حکم سنایا۔ اُسکے شریک جرم معاذ ظہیر الدین کو پانچ سال قید با مشقت کی سزا ہوئی۔ عدالت کے اس فیصلے کے بعد ایلی کوہن کی جان بچانے کیلئے اسرائیل نے اپنی کوششیں اور بھی تیز کر دیں۔ نادیہ کوہن پیرس گئی جہاں وہ شاہی سفارت خانے میں شاہی سفیر کیساتھ ملی اور اپنے شوہر کی زندگی بچانے کیلئے مدد کی درخواست کی مگر سفیر نے اپنی معذوری کا اظہار کیا۔ پوپ جان پال VI ملکہ ایلزبتھ، ملکہ بیلیجیم، کینیڈین پرائمر منسٹر، انٹرنیشنل ریڈ کراس اور درجنوں دوسری تنظیموں اور افراد نے شاہی حکام سے رحم کی اپیلیں کیں۔ یونس آرز سے عیسائی راہب کارڈینل الفریڈو جو کہ خود بستر مرگ پر پڑا ہوا تھا نے صدر الحافظ کو ایک خط میں اپیل کی کہ موت کی آغوش میں جانے والے ایک بیمار شخص کی آخری خواہش کے طور پر ایلی کوہن کو معاف کر دیا جائے۔ اسرائیلی ریڈیو نے متعدد گرفتار شدہ شاہی جاسوسوں کی فہرست کا اعلان کیا اور پیش کش کی کہ کوہن کے بدلے میں اُن تمام کو رہا کر دیا جائے گا۔ ایک فرانسیسی ڈاکٹر مورس جس نے چند ماہ پہلے صدر امین الحافظ کے گردوں کا ایک چھپیدہ آپریشن کیا تھا، نے صدر کو ایک خط لکھا۔

"In the name of the life i have given you, I ask you to Spare ELI Cohen"

حتیٰ کہ سویت ہلاک سے بھی دبی زبان میں اپیل ہوئی کہ "To be reasonable"، لیکن دمشق نے پوری دنیا کیلئے اپنے کان بند کر

لئے تھے۔ اس کی بڑی وجہ وہ طاقتور انتظامی جذبہ تھا جو اسرائیل کے خلاف یہاں موجزن تھا۔ کوہن نے خوفناک حد تک اس ملک کو نقصان پہنچایا تھا بلکہ شام کے وہ تمام منصوبے اور عزائم خاک میں ملا دیے تھے جس کے تحت وہ اسرائیل کو نیست و نابود کرنا چاہتے تھے۔ مثلاً ابھی چھ ماہ قبل نومبر 1964ء میں اسرائیلی مارٹن اوپتورپ خاندان کا ایک شام کے دریاے اردن پر جاری آبی منصوبے پر حملہ آور ہوا۔ انہوں نے انھیں چند گولے فائر کئے اور پھر واپس اپنے اڈے پر آ گئے، کیونکہ ایل کوہن نے اس منصوبے کے متعلق اس قدر تفصیلی معلومات اور نقشے فراہم کیے تھے کہ اسرائیلیوں کو شام کے ہلڈ وزروں پر سپیشل فورسز اور دوسری تخصیبات کو تباہ کرنے میں ایک گھنٹہ بھی نہیں صرف ہوا۔ شام کو سارا پر ایکٹ ملٹری کرنا پڑا اور یوگوسلاویہ کی فرم کروڑوں ڈالر کے نقصان کے بعد واپس چلی گئی۔

ایک فریج ٹری آفیسر جو صدر امین الحافظ کا ذاتی دوست بھی تھا، اُسے ایک شامی عورت سے شادی رچائی تھی، فوراً ایک خصوصی پرواز میں دمشق پہنچا۔ وہ ایل کوہن کیلئے زندگی خریدنے آیا تھا۔ اُس کی جیب میں ایک ملین ڈالر کا چیک اور ایک خط تھا جس میں شام کیلئے لا تعداد ڈریکٹر، ہلڈ وزر، طبی آلات اور ایبوسینس گاڑیوں کا پکا وعدہ درج تھا۔ صدر الحافظ نے اس فرانسیسی افسر کو صدیقی محل میں گھسنے ہی نہیں دیا۔ مالی پیکش کا یہ راز کسی طرح فاش ہوا تو دنیا بھر کے اخبارات نے کوہن کو ملین ڈالر سپائی کا خطاب دیا۔ اسرائیل کا جب یہ پلان بھی ناکام ہوا تو مشیروں نے اسرائیلی وزیر اعظم کو شام پر براہ راست حملہ کرنے کا مشورہ دیا، لیکن اس پلان کو بھی رد کر دیا گیا۔ سترہ مئی کو رات کے دس بجے ریڈیو دمشق نے اعلان کیا کہ بحرم کو بہت جلد چوک شہداء پر پھانسی دے دی جائے گی۔ یہ چوک روایتی طور پر اسی کام کیلئے مشہور تھا۔ اس شب انتہائی پریشانی کے عالم میں اسرائیل نے ویٹکن کیساتھ ٹیلی فون پر رابطہ کیا، پوپ اُس وقت نیند کی آغوش میں تھا تاہم اُسکے نائب کارڈینل نے وعدہ کیا کہ وہ تھوڑی دیر میں پوپ کو جگا کر سب کچھ بتا دے گا۔ تاکہ وہ دمشق کو ایک بار پھر اجیل کرے۔

ادھر عین اسی لمحے فرانسیسی صدر ڈیگال نے بھی جاگ کر فون پر صدر امین سے رحم کی درخواست کی۔ لیکن اسرائیل کی ہر کوشش ناکامی سے دوچار ہوتی گئی۔ اٹھارہ مئی رات کے دو بجے دمشق کے المعزہ جیل کے بھاری آہنی دروازے ایک جھٹکے کیساتھ کھول دیے گئے۔ جیل کے صحن میں فوجی ٹرک کی تیز ہیلڈ لائٹوں میں چار مسلح فوجیوں کے ہیوے نظر آئے جو ایک قیدی کو گھیرے میں لئے ہوئے تھے۔ ٹرک کی طرف چلتے ہوئے ایل کوہن نے اچانک ٹھوکر کھائی اور وہ گر پڑا۔ اُسے گھسٹ کر ٹرک پر چڑھایا گیا۔ مسلسل تشدد کی وجہ سے وہ اب چلتے پھرنے سے معذور ہو چکا تھا۔ اُسے زندگی کے آخری لمحات میں تسلی دینے کیلئے شامی یہودیوں کا چیف ربی جو اسی سال کے پٹنے میں تھا اُسکے قریب آیا۔ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھتے ہوئے وہ سفید ریش بوڑھا ربی ایل کوہن کیساتھ بغلگیر ہوتے ہی گر پڑا۔ ایل کوہن نے اُسے دھیمی آواز میں تسلی دی۔ چند لمحوں بعد ایل کوہن نے ایک یہودی دُعا ربی کیساتھ چار مرتبہ دہرائی۔ او خدا میرے تمام گناہ اور خطائیں اور زیادتیاں معاف کر۔

اس کے بعد وہ فوجی ٹرک جس میں ایل کوہن کو بٹھایا گیا تھا ایک فوجی کانوائے کے درمیان تیزی سے اپنی منزل کی طرف روانہ ہوا۔ اس فوجی قافلے کی کمانڈ کرل سویڈنی خود کر رہا تھا۔ ایل کوہن کو پتہ تھا کہ کانوائے کہاں جا رہا ہے وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اُس کی سزا موت کا تھا شاہزادوں شامی کریں گے اور اس کی لاش کچھ دیر کیلئے لٹکی رہے گی تاکہ ہر گزرنے والا اسے دیکھ سکے۔ لیکن اُسے اُن بین الاقوامی کوششوں کا بالکل پتہ نہیں چلا جو

اُسے بچانے کیلئے کی گئی تھیں۔ کسی کو اُسے یہ بات بتانے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ وہ موت کے منہ میں اس احساس کے ساتھ گیا کہ اسرائیل نے اُسے بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔ لیکن موت سے چند لمحے پہلے اُس کے چہرے پر پریشانی کے کوئی آثار دیکھائی نہیں دیے۔ اُسے ربی سے کہا۔ میرا کسی آدمی پر کوئی قرض نہیں ہے اور نہ میں نے کسی کو کچھ دینا ہے اُسی دن شام کو اُسے اجازت دی گئی کہ وہ اپنی بیوی، نادیہ کو الوداعی خط لکھ سکتا ہے۔

چوک شہداء کے سامنے ایک پولیس سٹیشن میں اُسے عبرانی میں خط لکھنے کی اجازت نہیں دی، لہذا اُس نے عربی اور پھر فرانسیسی میں دو خط نادیہ کے نام لکھے، کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اُسکی بیوی اور خاندان اُسکے آخری الفاظ صرف عربی میں پڑے۔

"To my dear wife Nadia & my dear family. I ask you to remain united. I beg Nadia to forgive me. I ask you to take care of your self & the children and to make sure that they are brought up correctly. Look after yourself & see that the children lack for nothing. stay on good terms with my family. I want you to remarry so that children will not grow up Fatherless. I give you total liberty to do so. I beg of you not to waste time crying for me. Always think of the future. I send my last kisses to you. Sophie, Iris & Shaul, as well as the rest of the family. Don't forget to pray for the memory of my father and for my own soul. To all of you my last Kisses & Shalom. ELI Cohen : 18.05.1965

”میری پیاری بیوی نادیہ اور فیملی کے نام: میں آپ سے متحدر ہونے کی اپیل کرتا ہوں نادیہ مجھے معاف کر دینا اپنا اور بچوں کا خیال رکھنا اور اُن کی پرورش اچھی طرح کرنا انہیں کسی چیز کی کمی نہ ہونے دینا، میرے خاندان کے ساتھ تعلق اچھا رکھنا میں تمہیں دوبارہ شادی کا مشورہ دیتا ہوں تاکہ بچے بغیر باپ کے نہ رہے میں تمہیں پورا اختیار دیتا ہوں میں التجا کرتا ہوں کہ میرے بعد رونے دھونے میں وقت ضائع نہیں کرنا ہمیشہ مستقبل کی طرف دیکھنا میرے آخری بوسے تمہارے لئے آئرس اور شاؤل کے لئے ہیں شلوم ایللی کوہن۔ 18 مئی 1965ء۔“

مسلم گارڈز نے جونہی ایللی کوہن کو چوک کی طرف چلنے کو کہا تو بوڑھے ربی نے با آواز بلند ایک اور یہودی دُعا پڑھنا شروع کی "sh'ma yisrael, Hear, O, Israel" ایللی کوہن آہستہ آہستہ چل کر پھانسی کے تختے پر پہنچا۔ چوک کے مرکز کو چاروں اطراف سے فلڈ لائٹوں نے منور کیا ہوا تھا، ہزاروں مرد، عورتیں اور بچے پھانسی کا یہ منظر دیکھنے جمع ہو چکے تھے۔ مالدار طبقوں کی کئی خواتین نے تو قیمتی زیورات اور فرکوٹ پہن رکھے تھے۔ مجمع پر گہری خاموشی چھا چکی تھی چوک کے آس پاس تمام عمارتوں پر پولیس اور آرمی کے مسلح کمانڈوز نے مورچے سمجھا لے لئے تھے۔ جھوم کے اندر بھی خفیہ اداروں کے اہل کار منڈلا رہے تھے۔ دوسری طرف ممکنہ اسرائیلی حملے کے پیش نظر سرحدوں پر بھی پہرہ سخت کر دیا گیا تھا۔ ایللی کوہن نے پھانسی کے چبوترے پر چڑھتے وقت کسی کا سہارا لینے سے انکار کر دیا تھا۔ موقع پر موجود صحافیوں نے دیکھا کہ اُس کا چہرہ انتہائی زرد

ہو چکا تھا۔ ابوسلیم، دمشق کا سرکاری جلا د تھا۔ وہ ایک ہٹا کٹا اور لمبی مونچھوں والا شخص تھا۔ اُسے کوہن کے سر اور چہرے کو ایک تھیلا نما ٹوپی میں ڈھانپ کر ہاتھ پیچھے باندھ دیے۔ ایلی کوہن نے زہر لب عبرانی میں ایک دُعا پڑھی۔ اُسکے چند ہی لمحوں بعد جلا د نے اُسکے پیروں تلے تختہ کھینچ لیا اُس کا کام تمام ہو چکا تھا۔ اُس وقت صبح 3:35 بجے تھے۔

ایک بڑے پوسٹر پر عربی میں اُسکی سزائے موت کے بارے میں تفصیل درج تھی۔ اسے اُسکی لاش کیساتھ تھپی کیا گیا تھا۔ اگلے چھ گھنٹوں کے دوران ہزاروں افراد اُس کی جھولتی لاش کے قریب سے گذرتے رہے۔ دمشق ٹی۔ وی وقفوں وقفوں سے پھانسی کا یہ منظر نشر کر رہا تھا۔ ملک کے طول و عرض پر لاؤڈ سپیکروں پر اس واقعہ کی ڈرامائی تفصیلات دھرائی جارہی تھی۔ پھر حکام نے رسی کاٹ کر لاش ایک تابوت میں رکھی اور پھر اسے دمشق کے یہودی قبرستان میں دفنانے لے گئے۔ اسرائیل کے تمام سینی گاگز (synagogues) میں یہودیوں نے اُسکی روح کیلئے عبادت کی۔ آری کے چیف ربی نے نادیہ کے فلیٹ میں بھی خصوصی سروس کا اہتمام کیا۔ سابق وزیر اعظم ڈیوڈ بن گوریان نے تل ابیب میں ایک احتجاجی جلوس کی قیادت کی۔

ملک کے مختلف شہروں میں سڑکیں، پارک اور عمارتیں ایلی کوہن کے نام موسوم کی گئی۔ نادیہ کوہن نے ٹیلے ویڈن پر جلا د کو اُسکے شوہر کی گردن میں پھندا ڈالتے دیکھا، تو اُس نے خودکشی کی ناکام کوشش کی لیکن اُسے فوراً ہسپتال پہنچایا گیا جہاں اُسے بروقت طبی امداد دیکر بچا لیا گیا۔ بعد میں غیر ملکی اخبار نویسوں کو انٹرویو دیتے ہوئے نادیہ نے کہا۔ ہماری گورنمنٹ نے میرے شوہر کو بچانے کیلئے جتنی کوشش کی شاید دنیا میں کوئی ملک اپنے ایجنٹ کیلئے اتنا کچھ نہیں کر سکتا۔ نادیہ کو ایلی کوہن کا آخری خط سفارتی ذرائع سے پہنچا دیا گیا تھا۔ اُس نے اپنے شوہر کی ماسوائے دوبارہ شادی کے ہر بات پر عمل کیا۔ اُس کے پاس آج بھی وہ خط پڑا ہوا ہے۔ ایک انتہائی نجی محفل میں موساد کے اہل کار اپنے آنجھانی ایجنٹ کی یاد میں اکٹھے ہوئے تو ادارے کے نئے سربراہ میرامیت نے ایک مختصر تقریر میں کہا۔

"In our Job there are moments when we all have to remind ourselves of our own human limitations. ELI never accepted that he had any limitations. he was a idealist. he always tried to do more. he went further than any body else."



کتاب گھر کی پیشکش

<http://kitaabghar.com>

کتاب گھر کی پیشکش

<http://kitaabghar.com>

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

آپریشن بے بیلون

<http://kitaabghar.com>

Operation Babylon

اتوار سات جون 1981ء کو مطلع بلکل صاف تھا اور سورج پوری آب و تاب کیساتھ چمک رہا تھا۔ بحیرہ احمر پر واقع اسرائیل کے شہر ایلات میں سیاحوں کی زبردست چہل پہل تھی۔ ان میں زیادہ تر جرمن، سکیئنڈے نیون اور اسرائیلی شہری تھے جو بحیرہ احمر کے رقبے ساحل پر پکنک منارہے تھے۔ یہ لوگ اس حقیقت سے قطعی بے خبر تھے کہ ان سے محض بیس کلومیٹر کے فاصلے پر ایک اسرائیلی ائربیس پر کس قسم کی سرگرمیاں ہو رہی تھی۔ گزشتہ چوبیس گھنٹوں سے یہاں ہر ملازم انتہائی مصروف دیکھائی دے رہا تھا۔ اتوار کا دن یہودی مذہب میں سہات کا دن کہلاتا ہے اس دن ملک بھر میں عام تعطیل ہوتی ہے۔ فوجی ملازم بھی چھٹی پر ہوتے ہیں لیکن اس اتوار کو تمام فوجی چھٹی کینسل کر کے اپنی ڈیوٹی پر حاضر تھے۔

جس مشن کیلئے تیاریاں ہو رہی تھیں ماسوائے اُن چند افراد کے جو اس میں براہ راست حصہ لینے والے تھے اس کا کسی کو پتہ نہیں تھا۔ ملوی اٹلیے جنس والوں نے ٹیلی فون کی تمام لائنیں کاٹ دی تھیں۔ ائربیس کو چاروں طرف سے سکیورٹی ایجنسیوں نے گھیرے میں لے لیا تھا۔ صبح سویرے اسرائیلی چیف آف شاف، ائرفورس کے سی۔ این۔ سی اور ملٹری اٹلیے جنس کا سربراہ مع دوسرے اعلیٰ فوجی افسروں کے ایک ملٹری ہیلی کاپٹر میں وہاں پہنچے۔ وہ سیدھا ائربیس کے آپریشن روم گئے جہاں اُنہوں نے مشن میں حصہ لینے والے سولہ پائلٹوں اور اُن کے تیس سالہ لیڈر جو ائرفورس کٹرل تھا سے ملاقات کی۔ یہ مشن اس سے پہلے دو مرتبہ بلکل آخری لمحات میں معطل ہو چکا تھا، لیکن اس بار اُنہیں یقین تھا کہ کینسل نہیں ہوگا۔

اعلیٰ فوجی حکام نے مشن میں حصہ لینے والے تمام ہوا بازوں کو آخری بریفنگ دی اور اُنہیں باور کرایا کہ یہ حملہ اسرائیل کی بقاء کیلئے از حد ضروری ہے۔ ادھر یہ میٹنگ جاری تھی اُدھر آپریشن روم کے باہر نروے پر واقع زیر زمین ہنگرگز میں القاعدہ ٹیکنیشنز روانگی سے قبل لڑاکا طیاروں کے انجن گرم رہے تھے۔ اُنہوں نے ایف سولہ طیاروں کے پروں کے نیچے فضاء سے فضاء میں مار کرنے والے جدید سائینڈ وئڈر میزائل نصب کئے اور اس کے علاوہ ہر جہاز میں دو ہزار پاؤنڈ 84 MK آئرن بم لوڈ کئے۔ ان کارکیروں کو بھی پتہ نہیں تھا کہ طیارے کہاں حملہ کرنے جا رہے ہیں۔ کچھ دیر بعد آٹھ ایف سولہ اور چھ ایف 15 طیارے ہنگرگز سے باہر کھینچ کر نروے پر کھڑے کئے گئے۔ ان جہازوں کو اسرائیل نے اپنی دفاعی ضرورت کے تحت ہمرز میں تبدیل کر دیا تھا۔

کچھ دیر بعد جب پائلٹ بریفنگ کے خاتمے پر آپریشن روم سے باہر آئے تو اُن کے طیاروں کے انجن پہلے ہی سے چالو کر دیے گئے تھے۔ مقامی وقت کے مطابق تین بجے دو پہر وہ ہوا باز اپنے اپنے طیاروں کے کاک پٹ میں بیٹھ چکے تھے۔ اس کے چند ہی لمحوں بعد کنٹرول ٹاور سے اجازت ملنے کے بعد وہ تمام طیارے یکے بعد دیگرے گر جتے ہوئے فضاء میں بلند ہوئے۔ آپریشن بے بیلون کا آغاز ہو چکا تھا۔ گراؤنڈ پر

کھڑے اسرائیل کے اعلیٰ فوجی حکام تھوڑی دیر تک نیچی پرواز کرتے طیاروں کو فضاء میں نکتے رہے جو پلک جھپکتے ہی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔
 ان طیاروں کو نوے منٹ میں 650 میل کا فاصلہ طے کر کے بغداد کے قریب عراقی نیوکلیمیری ایکٹر (osirak) کو تباہ کرنا تھا۔ اُن کا یہ سفر دشمن ممالک کی فضائی حدود کو چیر کر مکمل ہونے والا تھا۔ اس دوران میں انہیں فضاء ہی میں ایندھن فراہم کرنے کیلئے ایک بوئنگ 707 جہاز بھی فضاء میں بلند ہو چکا تھا۔ اس جہاز کو ایک یورپی کرشل انٹر لائن کی طرح پینٹ کیا گیا تھا۔ لڑاکا طیاروں کے ریڈ پوسٹم آف کر دیے گئے تھے تاکہ عراقی ریڈار انہیں محسوس نہ کر سکے۔ بحیرہ احمر کے کنارے تفریق میں مصروف ہزاروں سیاحوں نے ان طیاروں کو نامعلوم منزل کی طرف پرواز کرتے دیکھا مگر کسی نے توجہ نہیں دی کیونکہ اکثر اسرائیلی طیارے ان اوقات میں جنگی مشقوں میں مصروف رہتے تھے۔

بہوں کے بوجھ سے لدے طیاروں کو نیچی پرواز میں کافی وقت ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ سعودی عرب کے شمال میں ایک صحرا کے اوپر گزرے حملہ آور طیاروں میں سب سے آگے ایف 15 جہاز جا رہے تھے۔ اچانک انہوں نے پرواز کی بلندی مزید کم کر دی وہ زمین سے محض ساٹھ فٹ کی اونچائی پر اڑ رہے تھے کیونکہ سعودی اور اردنی راڈار سسٹم سے بچنے کیلئے یہ بہت ضروری تھا۔ کہتے ہیں کہ جب یہ اسرائیلی طیارے سعودی فضائی حدود سے گزر رہے تھے تو ایک سعودی ایو کس طیارہ بھی فضاء میں گشت کر رہا تھا جسے ایک امریکی پائلٹ چلا رہا تھا، جس کا مطلب یہ ہے کہ امریکیوں کو اس حملے کا پہلے سے پتہ تھا۔ طیاروں کے ریڈیو اب بھی خاموش تھے۔ ٹھیک شام چار بجے انہوں نے سعودی فضائی حدود کو عبور کر کے عراقی فضاء میں انٹری کی۔ ہوا باز اپنے سامنے لگے ہزاروں کے ریڈار سکرین پر نظر رکھے ہوئے تھے تاکہ دشمن کی طرف سے کسی مزاحمت کا بروقت پتہ چل سکے مگر اُنکی خوش قسمتی تھی کہ عراقی راڈار سسٹم مکمل جام ہو چکا تھا لہذا اُن کا کوئی طیارہ فضاء میں نمودار نہیں ہوا۔ اسرائیلی بوئنگ نے انہیں فضاء ہی میں دوبارہ ایندھن فراہم کیا اور خود شام کی فضاء سے ہوتا ہوا قبرص جا پہنچا۔

اسرائیلی طیارے جو بنی بغداد کے قریب جھیل بخرالح کے اوپر پہنچے تو اُن میں سے چار ایف 15 جہاز اچانک بیس ہزار فٹ کی بلندی پر چلے گئے جبکہ باقی دو پچیس ہزار فٹ کی اونچائی پر آ گئے۔ اس کے بعد وہ تمام طیارے ایک وسیع دائرے میں اڑنے لگے۔ اُن کے ذمے ایف سولہ طیاروں کی حفاظت کرنا تھا۔ شام ٹھیک 5:33 بجے وہ عراقی نیوکلیمیری پلانٹ کی عمارت کے عین اوپر پہنچ گئے جہاں سے انہیں عمارت کا ساٹھ فٹ قطر کا ٹنڈ صاف نظر آ رہا تھا۔ عراقی دفاعی نظام بالکل مفلوج ہو چکا تھا کیونکہ ابھی تک اسرائیلی طیاروں کو نشانہ بنانے کیلئے زمین سے نہ تو کوئی سام میزائل فائر ہوا اور نہ طیارہ شکن توپوں کی گھن گرج سنائی دی۔ پلک جھپکتے ہی ایک طیارے نے ری ایکٹر پر ایک غوطہ لگایا اور بم گر کر تیزی سے دوبارہ بلندی کی طرف چلا گیا اس کے بعد تمام طیاروں نے باری باری ری ایکٹر کے عین مرکزی حصے میں ایم۔ کے 84 آرن بم گرائے۔ کنکریٹ کی مضبوط عمارت چند ہی لمحوں میں مہیب شعلوں اور دھوئیں کی لپیٹ میں آ چکی تھی۔ اس کی تھوڑی ہی دیر بعد عراقی توپ خانہ نیند سے ہزبڑا کر جاگا، انہوں نے طیاروں پر فائر کھول دیا لیکن اُن جیٹ جہازوں کی رفتار اس قدر تیز اور پرواز نیچر ہی میزھی تھی کہ انہیں نشانہ بنانا ناممکن تھا، اس کے علاوہ وہ نہایت نیچی پرواز بھی کر رہے تھے۔ اسرائیلی ہوا بازوں نے جتنے بھی بم وہاں گرائے وہ ٹھیک اپنے اپنے نشانے پر لگے۔ اس پیشہ ورانہ مہارت پر دنیا حیران ہوئی۔

اس حملے سے بہت عرصے پہلے ان پائلوں نے اسرائیل کے ایک صحرائی علاقے میں ری ایکٹر کے ایک ماڈل پر بم باری کی زبردست مشق کی تھی۔ چند فرانسیسی ٹیکنیشن جو ری ایکٹر کے گنبد کو پھینٹے ہوئے دیکھ چکے تھے وہ حملے کے وقت عمارت سے ذرا دور کھڑے تھے۔ ری ایکٹر کی تمام مشینری بالکل تباہ ہو چکی تھی۔ آخری بمبار طیارے کے جانے کے بعد اچانک ایک ایف-15 نے پراجیکٹ اریا کے اوپر ایک غوطہ لگایا لیکن اس بار وہ بم گرنے نہیں بلکہ جائے وقوع کی منظر کشی کرنے آیا۔ ارد گرد کا تمام علاقہ آگ اور دھوئیں سے بھرا ہوا تھا مگر طیارے میں نصب سپیشل انفرا ریڈ آلات کی مدد سے تباہ شدہ ری ایکٹر کی بالکل صاف ویڈیو فلم چند ہی سیکنڈوں میں بن گئی۔ تمام طیارے انتہائی تیز رفتار اختیار کرتے ہوئے واپس ہو چکے تھے اپنا بوجھ گرانے کے بعد وہ اب خاصے ہلکے ہو چکے تھے۔ وہ اب انتہائی بلندی میں اسرائیل کی طرف بھاگ رہے تھے کیونکہ نیچی پرواز کے دوران طیاروں میں ایندھن کی کچھت بہت زیادہ ہو جاتی ہے جبکہ اُن کے پاس اُس وقت بہت تھوڑا ایندھن رہ چکا تھا۔ اگرچہ واپسی کے اس سفر میں ان اسرائیلی طیاروں کو اردنی، عراقی اور سعودی راڈار محسوس کر چکے تھے مگر اُن کے ناقص انٹیلیجنس سسٹم میں اتنی صلاحیت ہی نہیں تھی کہ انہیں مارا کر سکیں۔

شام ٹھیک سات بجے پہلا ایف سولہ اسرائیل میں اپنے ازمیں پر اُترا۔ اس کے اگلے دس منٹوں میں باقی طیارے اسرائیل کے مختلف ہوائی اڈوں میں بحفاظت لینڈ کر گئے۔ آپریشن بے یلیون سومنٹ میں مکمل ہو چکا تھا۔ ادھر تل ابیب میں اسرائیلی وزیراعظم بیگن اپنی رہائش گاہ پر اپنی پوری کابینہ کے ساتھ بڑی بے چینی کیساتھ مشن کی تکمیل کا انتظار کر رہا تھا کہ اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی بجی جس سے وہاں موجود تمام اراکین حکومت کی دلوں کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ فون پر اسرائیلی چیف آف سٹاف نے وزیراعظم کو رپورٹ دی۔ مشن مکمل ہو چکا ہے اور ہمارے تمام طیارے بحفاظت اپنے اڈوں پر پہنچ گئے ہیں۔ اس پر وزیراعظم نے سکھ کا سانس لیا۔ اُس نے فوراً اپنے وزیروں کو یہ خوش خبری سنائی۔ اس کے بعد وہاں موجود تمام افراد کو اسرائیلی برانڈی پلائی گئی۔

وزیراعظم ہاؤس کے باہر اوپر فضاء میں دو ایف چندہ طیارے مشن سے واپسی کے بعد لینڈنگ سے پہلے فتح کی خوشی میں قلابازیاں کھا رہے تھے۔ پھر ایک ایک ان دونوں طیاروں نے انتہائی تیز رفتار اختیار کی اور ساؤنڈ بیرئیر کو توڑتے ہوئے آگے نکل گئے جس سے فضاء میں سُہر سا کبک گرج پیدا ہوئی، جس سے تل ابیب کے کئی گھروں کی کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ گئے۔ نیچے کسی اسرائیلی شہری کو ابھی تک پتہ نہیں تھا کہ اسرائیلی ائرفورس کیا کر کے آئی ہے۔ یہ حملہ ایسے وقت میں کرایا گیا جبکہ اسرائیل میں عام انتخابات کی تیاریاں شروع تھیں۔ الیکشن میں یقینی کامیابی حاصل کرنے کیلئے بیگن نے یہ حملہ بڑے صحیح وقت پر کیا تھا۔ اپنی انتخابی مہم کے دوران اُس نے جگہ جگہ اس کارنامے کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

"There will never be another holocaust in the history of Jewish people, never again, never again, the nightmare is over"

ماہرین کی رائے کے مطابق اگر یہ حملہ یکم جولائی کے بعد ہوتا تو خطرناک تباہ کاری کا سو فیصد امکان تھا کیونکہ ری ایکٹر بہت جلد کام شروع کرنے والا تھا۔ ایران جو اُس وقت عراق کے ساتھ گھمسان کی جنگ لڑ رہا تھا، نے اس حملے کی سخت الفاظ میں مذمت کی۔

ستمبر 1975ء میں صدر حسین عراق کے نائب صدر کی حیثیت میں فرانس کے دورے پر گئے۔ فرانسیسی صدر کیساتھ طویل بات چیت

کے بعد دونوں ممالک کے درمیان ایٹمی توانائی کے ایک منصوبے پر باہمی تعاون کیلئے معاہدہ ہوا۔ اس کے بعد عراق نے 1976ء میں اٹلی کیساتھ بھی اسی سلسلے میں ایک سودا طے کیا جس کے تحت انہیں اٹلی نے ری ایکٹر میں استعمال ہونے والے مختلف آلات فراہم کرنے کا وعدہ کیا۔ اسی سال کے آخر میں فرانس کے مدد سے عراق نے اپنے نیوکلیر پروگرام کا باقاعدہ آغاز کیا۔ اس پراجیکٹ کا نام اوی راک (Osirak) تھا۔ اس کے تحت دو قسم کے ایٹمی ری ایکٹر تعمیر کئے گئے۔ پہلا ستر میگا واٹ کا پلانٹ جسے اوی ریس کا نام دیا گیا اور دوسرا چھوٹا ریسرچ نیوکلیر ری ایکٹر تھا اور اس کا نام آئی سسر (isis) تھا، یہ قدیم مصری دیوتاؤں کے نام تھے۔

اسرائیل کو جب عراقی نیوکلیر پروگرام کے بارے میں پتہ چلا تو اُس نے عالمی سطح پر واہیل شروع کیا کہ اس پروگرام سے اُس کی سلیبت اور بقاء کو سخت خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ امریکہ نے بھی فرانس پر سفارتی دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ یہ معاہدہ منسوخ ہو جائے۔ جولائی 1980ء میں صدام حسین جواب عراق کے باقاعدہ صدر بن چکے تھے، نے اسرائیلی چیچ و پکار پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا یورپ کے یہودی حلقے تو ہمیشہ سے عربوں کا مذاق اُڑاتے آئے ہیں کہ عرب ایک جاہل اور غیر مہذب قوم ہے جو صحرا میں صرف اونٹ کی سواری کیلئے ہی اچھی ہے۔ اب ذرا ان صیہونیوں کو دیکھو تو سبھی کس طرح چیخ رہے ہیں کہ عراق ایٹم بم بنانے والا ہے۔ اسرائیل اور امریکہ کے سخت دباؤ کے باوجود عراقی پروگرام جاری رہا۔ معاہدے کے تحت قریباً دو سو عراقی سائنسدان ایٹانس نیوکلیر ٹیکنالوجی کی تربیت حاصل کرنے کیلئے فرانس بھیجے گئے۔ اس کے علاوہ ایک سو پچاس عراقی انجینئرز اور ٹیکنیشن اسی سلسلے میں اٹلی روانہ ہوئے۔

جون 1980ء میں فرانس نے عراق کو بارہ کیلوگرام یورینیم جو 93 فیصد افروڈہ (Enriched) تھی، بھیج دی۔ یہ مادہ بالکل واپن گریڈ (Weapon Grade) تھا جس کی مدد سے ہیروشیما پر گرائے جانے والے بم کی طرز پر کم از کم چار ایٹم بم تیار کئے جاسکتے تھے۔ 1976ء میں موساد نے عراقی نیوکلیر پراجیکٹ کی خفیہ نگرانی کیلئے باقاعدہ ایک ٹاسک فورس بنائی تھی۔ جس نے فرانس اور عراق میں اُن جگہوں تک رسائی حاصل کر لی تھی جہاں اس پراجیکٹ پر کام ہو رہا تھا۔ چار اپریل 1979ء کو تین نامعلوم افراد سیاحوں کے بھیج میں بحیرہ روم کے ساحل پر واقع فرانسیسی شہر تاولون (Toulon) پہنچے۔ اُن کے پاس یورپی پاسپورٹ تھے۔ اس کے بعد چھ اپریل کو ان کے چار اور ساتھی بھی اُن سے آئے۔ ذہ شہر کے ایک عام درجے کے ہوٹل میں ٹھہرے۔

یہ سب افراد موساد کے خفیہ تحریک کار تھے۔ اُن میں ایک شخص پیشے کے لحاظ سے نیوکلیر فرسٹ تھا۔ چھ اپریل کی رات وہ سب افراد دو چھوٹے ٹرکوں میں سوار ہو کر شہر کے باہر واقع ایک گودام کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ گودام دراصل ایک فرانسیسی نیوکلیر فرم سی۔ این۔ آئی۔ ایم (CNIM) کی ملکیت تھا جہاں عراق کیلئے حال ہی میں تیار ہونے والی ری ایکٹر کے دو مرکزی حصے پڑے ہوئے تھے۔ مذکورہ سامان اگلے اڑتالیس گھنٹوں میں عراق روانہ ہونے والا تھا۔ موساد کے آدمی جن ٹرکوں میں بیٹھ کر وہاں پہنچے تو ڈیوٹی پر کھڑے گارڈ نے دیکھا کہ دونوں ٹرکوں پر CNIM کے مخصوص نشانات لگے ہوئے تھے۔ گارڈ نے آنے والے افراد کے شناختی کارڈ بھی چیک کئے جو CNIM کے جاری کردہ نظر آ رہے تھے۔

اُس نے گیٹ کھول کر انہیں عمارت کے اندر داخلے کی اجازت دے دی۔ بیگر کے اندر انہوں نے با آسانی عراقی ری ایکٹر کے مرکزی

حصوں کو ڈھونڈ نکالا۔ انہوں نے مشین کے مختلف حصوں پر پلاسٹک بم نصب کر دیے اس کے بعد وہ بڑے آرام کیساتھ اپنے ٹرکوں میں سوار ہو کر شہر کی طرف واپس چلے گئے۔ رات کے ٹھیک تین بجے اُسی گودام میں تین ہولناک دھماکے ہوئے۔ پولیس اور ڈی۔ ایس۔ ٹی (فرنچ سکیورٹی سروس) والے فوراً جانے واردات پر پہنچے۔ ری ایکٹر کے حصے مڑے تڑے لوہے کے ڈھیر کی شکل میں ادھر ادھر بکھرے پڑے تھے۔ گودام کے اندر اور بھی بہت سارا سامان پڑا ہوا تھا مگر انہیں ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا تھا۔

اس حملے کے فوراً بعد کئی فرانسیسی اخبارات کے دفاتر میں گمنام ٹیلی فون کالیں موصول ہوئیں جن میں دعویٰ کیا گیا کہ یہ دھماکے فرنچ ایکولا جیکل گروپ نے کئے ہیں تاکہ مستقبل کی انسانی نسل کو خطرناک ایٹمی ہتھیاروں کی تباہ کاریوں سے بچایا جاسکے۔ لیکن اس گروپ کا اس سے پہلے کسی نے نام نہیں سنا تھا۔ فرنچ سکیورٹی سروس کے مطابق کوئی ایکولا جیکل گروپ اس قدر پیچیدہ اور پیشہ ورانہ تجربہ کاری نہیں کر سکتا ہے۔ اس دوران میں فرانسیسی میڈیا پر موساد کا نام سب سے زیادہ لیا جا رہا تھا۔ اس واقعے کے بعد فرانسیسی حکومت جس پر پہلے ہی امریکہ اور اسرائیل کا شدید دباؤ تھا، نے عراق کو مشورہ دیا کہ وہ اب ایک دوسرے قسم کاری ایکٹر قبول لے جو چین گریڈ یورینم کے بجائے لوہہ گریڈ یورینم سے چلتا ہے۔ لیکن صدام حسین نے اسے معاہدے کی خلاف ورزی قرار دیتے ہوئے صاف انکار کر دیا۔ تاہم کچھ عرصے بعد فرانس نے مطلوبہ بری ایکٹر بغداد کو فراہم کر دیا۔ اسے بغداد سے چودہ میل دور دریائے دجلہ کے کنارے نصب کیا گیا۔

صدام حسین نے ایٹم بم بنانے کے مختار میں اپنے نیوکلیئر ریسرچ پروگرام میں کروڑوں پیڑروڈ اور جوہر کلنے شروع کئے۔ ڈاکٹر جعفر ضیاء اس پروگرام کا سربراہ مقرر ہوا۔ وہ ایک انتہائی ذہین نیوکلیئر ایکسپٹ تھا۔ اُسے برٹینیکم یونیورسٹی سے نیوکلیئر فزکس کے مضمون میں ڈاکٹریٹ کی تھی۔ پیرس کے اسرائیلی سفارت خانے میں متعین موساد کے سٹیشن چیف کوئل ابیب سے آدھی رات کے قریب ایک خفیہ مراسلہ موصول ہوا۔ سی۔ این۔ آئی۔ ایم (فرانسیسی نیوکلیئر فرم) میں زیر بیت تمام عراقی ایٹمی سائنسدانوں کی لسٹ فوراً فراہم کرو: جیسا کہ ہر ملک میں کچھ یہودی رضا کار ہر لمحہ موساد کی مدد کیلئے دستیاب ہوتے ہیں جنہیں خفیہ زبان میں Sayanim کہا جاتا ہے، بالکل اسی طرح CNIM میں بھی ایک یہودی رضا کار کافی عرصے سے موساد کو سیکرٹ معلومات فراہم کر رہا تھا۔ اس شخص کا کوڈ نیم مارسل تھا۔ موساد کے سٹیشن چیف نے اسے عراقی ٹیم سے متعلق فائل لانے کو کہا۔ مارسل کیلئے یہ کام انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتا تھا کیونکہ فرم کے ہر ملازم کی خفیہ نگرانی ہوتی تھی۔ اتفاق سے اُسی ہفتے مارسل اپنی فرم کی ایک میٹنگ کیلئے پیرس آ رہا تھا جس میں اُس نے اپنے افسران بالا کو مختلف فائلوں کے علاوہ عراقیوں کی مذکورہ لسٹ بھی پیش کرنی تھی۔ مقررہ دن مارسل تمام فائلوں کو کار میں رکھ کر صبح سویرے ایک ریسٹوران پہنچا جہاں موساد کا ایک اہل کار پہلے ہی سے اُس کا منتظر تھا۔ مارسل نے کار کی ڈیگ سے وہ فائل نکال کر اس کے حوالے کی۔ وہ شخص فائل لیکر سیدھا اسرائیلی سفارت خانے چلا گیا جبکہ مارسل اُسی جگہ کھانے پینے میں مشغول رہا۔ سفارت خانے میں اُس فائل سے فوراً ایک نقل تیار کی گئی۔ تھوڑی دیر بعد اس شخص نے واپس آ کر اصل فائل مارسل کو واپس کر دی۔

اُسی شام یہ لسٹ تل ابیب بھیج دی گئی جہاں موساد کے ماہرین نے اس کا دو دن مطالعہ کیا۔ اس کے بعد انہوں نے پیرس میں اپنے سٹیشن چیف کو خفیہ ریڈیو پیغام بھیجا۔

"Find the easiest target and quickly"

بطرس بن حلیم، عراقی سائنسدانوں کی ٹیم میں پیرس پہنچا تھا۔ و CNIM میں عراقی ری ایکٹر osirak کیلئے خصوصی تربیت حاصل کر رہا تھا۔ بیالیس سالہ بطرس بن حلیم واحد عراقی سائنسدان تھا جو اپنی بیوی سمیرا کیساتھ شہر میں ایک پرائیویٹ فلیٹ میں مقیم تھا جبکہ باقی تمام عراقی پلانٹ کے قریب ملٹری کوارٹرز میں رہائش پذیر تھے۔ وہ روزانہ صبح اپنے گھر سے ایک بس میں سوار ہو کر پلانٹ پہنچتا تھا۔

ایک روز معمول کے خلاف اسکی بس لیٹ ہو گئی۔ وہ پریشانی کے عالم میں بس سٹاپ پر بار بار اپنی گھڑی دیکھ رہا تھا۔ اسنے میں ایک سفید رنگ کی ہچو کار (Peugeot) اُسکے قریب آ کر رُک گئی۔ ایک شخص نے اُسے فرانسیسی میں لفٹ کی پیشکش کی جو حلیم نے فوراً قبول کی اور اُسکے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ حلیم اُس شخص کو فوراً پہچان گیا کیونکہ وہ بھی بالکل اسی وقت روزانہ اس چوک سے گزرتا تھا جہاں سے حلیم بس میں سوار ہوتا تھا۔ کار میں سفر کے دوران دونوں میں اچھی گپ شپ لگی۔ کار ڈرائیور نے اپنا تعارف کرایا۔ اُس کا نام جبک تھا جو پیرس میں ایک تجارتی فرم چلا رہا تھا۔ حلیم نے ہنسی بھری نگاہوں سے کہا میں یہاں یونیورسٹی میں پڑھ رہا ہوں۔ اور اس کیساتھ ہی ایک چوک پر اُسے کار روکنے کو کہا۔ اُس نے جبک کا شکریہ ادا کیا اور خود ایک گلی میں غائب ہو گیا۔

محض چند ہی دنوں میں موسا نے حلیم کا فلیٹ معلوم کر لیا۔ وہ اور اُسکی بیوی سمیرا اس فلیٹ میں رہتے تھے۔ اُن کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ ایک دو ہفتے تک تو موسا کے ایجنٹ حلیم کے فلیٹ کے قریب منزل لاتے رہے۔ انہوں نے حلیم کے روزانہ معمولات کو نوٹ کیا۔ اُس عمارت میں ان کے علاوہ کوئی دوسری عرب فیملی نہیں رہتی تھی۔ حلیم صبح سویرے کام کیلئے نکل جاتا تھا اور سمیرا تمام دن گھر میں اکیلی اُس کے آنے کا انتظار کرتی تھی۔ آخر ایک دن کسی نے اُن کا دروازہ کھٹکھٹایا سمیرا نے فوراً دروازہ کھول کر دیکھا تو ایک خوبصورت اور فیشن ایبل لڑکی نے مسکرا کر کہا: میرا نام جیکو لین ہے۔ میں پرفیوم بنانے والی ایک فرم میں سیل ایجنٹ ہوں۔ روزانہ نئے قسم کے پرفیوم خریدنا سمیرا کی کمزوری تھی، اُس نے فوراً جیکو لین کو اپنے ڈرائیونگ روم میں بیٹھنے کی دعوت دی۔ جیکو لین نے اپنے بریف کیس سے پرفیوم کے مختلف نمونے (Sample) نکال کر سمیرا کو دیے سب کی قیمتیں بیک وقت معلوم کیں، لہذا اُس نے چند کا تو وہیں آ رہا لکھوایا۔ جیکو لین نے دو دنوں کے اندر اندر ڈیوڑھی کا وعدہ کیا۔ اس تھوڑی دیر کی ملاقات میں ہی سمیرا جیکو لین کے ساتھ اچھی خاصی فری ہو گئی۔ اُس نے ایک ہی سانس میں اُسے اپنے دل کا سارا حال بتا دیا۔

ہماری شادی کو کئی سال ہو چکے ہیں مگر ابھی تک کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا ہے۔ ہماری مالی حالت کافی خراب ہے، میں تو اکثر بغداد میں اپنے والدین سے پیسے منگواتی ہوں، میرے شوہر کو تو کمانا آتا ہی نہیں ہے۔ ایک دو ہفتے میں، میں بغداد جا رہی ہوں، وہاں میری امی کا میجر آپریشن ہونے والا ہے۔ جیکو لین نے بڑی ہمدردی کیساتھ اُس کی باتیں سننے کے بعد کہا: کیا آپ کا شوہر بھی آپ کیساتھ بغداد جا رہا ہے؟ نہیں میں اکیلی جا رہی ہوں۔ سمیرا نے کہا۔ سمیرا نے جیکو لین کے خوبصورت ہنرے مسائل کی بہت تعریف کرتے ہوئے کہا: آپ بال کہاں سے بنواتی ہیں؟ جیکو لین نے مسکراتے ہوئے کہا اپنے ایک دوست سے بنواتی ہوں، اُس کی یہیں شہر میں ذاتی سیلون ہے اگر چاہو تو تمہیں بھی وہاں لے چلوں، وہ آپ کے بالوں کو بڑی خوبصورتی سے سیٹ کر دے گا۔

سمیرا نے فوراً خوش ہو کر کہا کہ ضرور چلوں گی۔ آخر کافی دیر گپ شپ کے بعد جیکو لین نے واپس جانے کی اجازت مانگی۔ اُس نے سمیرا کو

پرفوم سپائی کرنے دوبارہ بھی آنا تھا۔ جیکو لین نے اپنا اعتبار قائم کرنے کیلئے اُس عمارت کے دوسرے گھروں میں بھی اپنی فرم کے پرفوم کی تقصیر کی اور آرڈر بک کئے۔ کچھ دنوں بعد وہ سپائی کیلئے دوبارہ سمیرا کے پاس پہنچی گئی۔ اُس نے پرفوم کی خریداری پر سمیرا کو فرم کی طرف سے ایک خوبصورت چابی چین کا تحفہ بھی دیا۔ وہ ایک انوکھے قسم کا چابی چین تھا۔ جیکو لین نے کہا اُوں میں تمہارے فلیٹ کی چابیاں اس میں لگا دوں۔ سمیرا نے فوراً اپنی چابیوں کا گچھ اُسے پکڑا دیا اور خود چائے بنانے کچن چلی گئی۔ جیکو لین نے فوراً اپنے پرس سے ایک چھوٹی سی ڈیبا نکالی۔ اُس ڈیبا میں کوئی نرم قسم کا کیسیائی مادہ تھا جیکو لین نے سمیرا کی تمام چابیوں کو اُس پر باری باری دبایا جس سے اس پر چابیوں کے واضح نقش پڑ گئے۔ اب اس کی مدد سے چابیوں کی ہو بہو نقل تیار کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ اتنے میں سمیرا واپس کمرے میں آگئی تو جیکو لین نے سنے چابی چین میں تمام چابیاں پرو کر اُسے واپس دے دیں۔

موساد کا ایک شعبہ جسے (Nevio) کہا جاتا ہے، اس کے تربیت یافتہ افراد بے جان اشیاء سے حساس معلومات اخذ کرتے ہیں، مثلاً وہ کسی شخص کے مکان میں نقب لگا کر اندر داخل ہو جاتے ہیں۔ جہاں وہ متعلقہ فرد کی جاسوسی کیلئے خفیہ کیمرے اور ٹرانسمیٹر اس کے کمرے میں نصب کر دیتے ہیں۔ ایک دن سمیرا اپنے شوہر کے ہمراہ گھر سے باہر گئی ہوئی تھی تو موساد کے دو اہل کار چپکے سے اُن کے فلیٹ میں داخل ہو گئے۔ اُن کے پاس فلیٹ کی چابیوں کی نقل تھی جس کی مدد سے اُنہوں نے با آسانی فلیٹ کا دروازہ کھولا۔ اُنہوں نے گھر کی مکمل تلاشی لی۔ ایک الماری میں اُنہیں عراقی نیوکلیئر پروگرام کے متعلق ایک فائل ملی۔ اُنہوں نے فوراً ایک کیمرے سے اس کے ہر صفحے کی تصویریں نکال کر اسے پھر اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ اس کے بعد اُنہوں نے حلیم کے بیڈ روم میں مختلف جگہوں پر خفیہ طاقتور ٹرانسمیٹر نصب کر دیے۔

بیرس میں اسرائیلی سفارت خانے میں قائم موساد کے سبل میں مسلسل کئی ہفتے بطرس بن حلیم اور سمیرا کی سرگوشیاں سُنی گئیں۔ حلیم اپنی بیوی کو اکثر اپنے ٹریننگ اور نیوکلیئر پلانٹ کے بارے میں ہر بات کچھ نہ کچھ بتاتا رہتا تھا اور موساد اُنہیں شپ کر کے اپنی خصوصی سفارتی ڈاک میں تل ایبیب بھیج دیتا تھا۔ ایک دن اُنہیں پتہ چلا کہ سمیرا کچھ ہی دنوں میں اکیلی بغداد روانہ ہونے والی ہے۔ حلیم کو پہلی بار بھیجے کار میں لفٹ دینے والا شخص جبکا نام جیک تھا اب ہر دوسرے تیسرے دن اُسی مقام پر اُسے اپنی گاڑی میں بیٹھا کر وسط شہر لجاتا تھا، جہاں سے وہ کچھ دور پیدل چل کر اپنے کام پر پہنچتا۔ جیک نے حلیم کو اپنا بزنس کارڈ دیا تھا کہ کسی دن فارغ وقت میں اُسکے پاس گپ شپ کیلئے آئے۔

سمیرا کے جانے کے بعد حلیم نے سٹھ کا سانس لیا کیونکہ اُس کی موجودگی میں وہ بیرس کی رنگینیوں سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا تھا۔ اُس نے فوراً اپنے دوست جیک کو فون پر بتایا کہ وہ گھومنے پھرنے کے موڈ میں ہے۔ چند ہی لمحوں بعد دونوں ایک مہنگے ہوٹل میں کمرے سے اُنس کا شو کچھ رہے تھے۔ جیک نے اُسے دُنبھی کھلایا۔ جیک نے ہر بار بل کے پیسے خود ادا کئے حلیم نے اس دوران میں ٹھپین کے کئی گلاس پی ڈالے۔

اسی شام جیک نے اُسے کہا کہ وہ کچھ پرانے کنٹینر فریٹ براڈ مکرنا چاہتا ہے جو بیرس سے باہر ایک ٹاؤن میں پڑے ہوئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم بھی میرے ساتھ چلو تاکہ متعلقہ فرم کیساتھ اس کی قیمت طے ہو جائے۔ دوسرے روز وہ حلیم کو اپنی کار میں اُس جگہ لے گیا۔ جیک نے مطلوبہ چیزیں خرید کر رقم ادا کی تو حلیم نے دیکھا کہ کنٹینرز گنگ آلود تھے اس پر اُس نے فرم کے مالک سے ان کی قیمتوں میں مزید ڈسکاؤنٹ کیلئے اصرار کیا۔ اسی رات دوبارہ ایک ڈنر کے موقع پر جیک نے حلیم کی طرف ایک ہزار ڈالر بڑھاتے ہوئے کہا لو بھی یہ ہوا تمہارا کمیشن تم نے تو بروقت

زنگ آلود کنٹینروں کی نشان دہی کر کے مجھے اچھا خاصا فائدہ پہنچایا تھا۔ حلیم کو پہلی بار احساس ہوا کہ یہ شخص نہ صرف اُسے اچھی کمپنی دے رہا ہے بلکہ ساتھ ساتھ مالی فائدہ بھی۔ موساد بغور دیکھ رہی تھی کہ پیسہ، سیکس اور نفسیاتی مانیٹوشن حلیم پر گہرے اثرات مرتب کر رہی تھی۔

انہوں نے اس عراقی کو بغیر کسی دقت کے شیشے میں اتار لیا تھا اب مطلب کی بات کا وقت آ گیا تھا۔ جبکہ کو پتہ تھا کہ عراقی اب اُس پر مکمل اعتماد کرنے لگا ہے۔ اُس نے حلیم کو ایک بار پھر رات کے کھانے پر مدعو کیا۔ اس مرتبہ یہ پروگرام جبکہ نے اپنے فائینڈار ہوٹل کے کمرے میں کیا۔ حلیم نے دیکھا کہ کمرے میں اُن کے علاوہ ایک نوجوان خوب روکال گرل بھی موجود تھی۔ اُس کا نام میری تھا اور وہ پیرس کے ریڈ لائٹ ایریا کی سب سے مہنگی طوائف تھی۔ ڈنر کے بعد جبکہ نے حلیم سے معذرت کرتے ہوئے کہا میں ایک انتہائی ضروری کام سے کہیں جا رہا ہوں تم دونوں انجوائے کرو، کل ملاقات ہوگی۔ حلیم کی اس رات کو کمرے میں نصب ایک انفراریڈ ویڈیو کیمرے نے ریکارڈ کر لیا تھا۔

دو دن بعد جبکہ واپس آیا تو کچھ پریشان دیکھائی دے رہا تھا۔ حلیم نے جب پوچھی تو اُس نے کہا: ایک جرمن فرم سے زبردست بزنس ملنے کا چانس ملا ہے مگر ایک پرابلم میں پھنس چکا ہوں۔ حلیم نے کہا کیسا پرابلم: دراصل اس فرم کو ہسپتالوں کیلئے ریڈیو ایکٹیو مادہ کچھ خاص ٹیوبوں (Pneumatic tubes) میں سپلائی کرنا ہوتا ہے۔ میں یہی ٹیوبز انہیں فراہم کرنا چاہتا ہوں مگر یہ کام خاصا ٹیکنیکل نوعیت کا ہے۔ بس یہی میرا مسئلہ ہے کیونکہ انہوں نے ایک انگریز ایکسپٹ کو اختیار دیا ہے کہ وہ مذکورہ ٹیوبز کا معائنہ کرے۔ وہ شخص اس کے عوض ہماری فیس کا مطالبہ کر رہا ہے۔ مجھے شک ہے کہ وہ اس جرمن فرم کیساتھ ملا ہوا ہے۔ کیا میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں؟ حلیم نے پوچھا۔ نہیں شکریہ مجھے کسی نیوکلیر ایکسپٹ کی ضرورت ہے جبکہ نے کہا۔ میں ہوں نا ایکسپٹ حلیم نے فخر سے کہا۔ جبکہ نے مصنوعی حیرت سے کہا: کیا مطلب ہے تمہارا میں تو تمہیں سٹوڈنٹ سمجھ رہا تھا۔ ہاں پہلے پہل تو مجھے یہی کہنا تھا تمہیں لیکن وہ حقیقت میں عراقی سائنسدان ہوں اور یہاں ایک پراجیکٹ پر کام کر رہا ہوں مجھے یقین ہے میں تمہاری پوری مدد کر سکتا ہوں۔ جبکہ نے کہا ٹھیک ہے لیکن یہ سودا ایسٹریڈم میں طے ہوتا ہے۔ اس کیلئے تمہیں دو تین چھٹی لیکر میرے ساتھ جانا ہوگا۔ یاد رکھنا اگر یہ بزنس مجھے مل گیا تو تمہیں بھی اچھا خاصا کمیشن دلاؤں گا۔ تم میری کمپنی کے پرائیویٹ جیٹ میں ہالینڈ جاؤ گے اور واپس بھی اسی جہاز سے آؤ گے۔ مقررہ دن موساد نے ایک لبر جیٹ (Lear Jet) جس پر جبکہ کی کمپنی کا لوگو پینٹ کر دیا تھا اسرائیل سے خصوصی طور منگوا یا تھا۔ حلیم جیٹ جہاز میں ایسٹریڈم پہنچا تو ائر پورٹ پر ایک شخص نے اُسے ایک لیموزین میں بٹھا کر شہر کے وسط میں ایک آفس پہنچا دیا۔ یہ تجارتی دفتر دراصل ایک مقامی یہودی رضا کار کا تھا جو اس ڈرامے میں برابر کا شریک تھا۔ حلیم کی اس ملاقات کے دوران جبکہ جان بوجھ کر اُسکے ساتھ نہیں آیا، وہ اپنے ہوٹل کے کمرے میں اُسکا انتظار کرتا رہا۔ اُس آفس کے اندر دو بظاہر بزنس مین بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے دراصل ایک شخص موساد کا کیس آفیسر اور دوسرا ایک اسرائیلی نیوکلیر ایکسپٹ تھا جو جرمن پاسپورٹ پر اسرائیل سے حال ہی میں پہنچا تھا۔ اُس نے حلیم کو مذکورہ ٹیوب دیکھائی جس کیلئے جبکہ اُس جرمن فرم کیساتھ کاروبار کرنے والا تھا۔ موساد کا آفیسر کسی بہانے کمرے سے باہر نکلا تو اسرائیلی سائنسدان نے حلیم سے پوچھا کہ وہ نیوکلیر انڈسٹری کے بارے میں کیسے جانتا ہے۔ حلیم، جس کی تمام مدافعتی قوت مفلوج ہو چکی تھی، نے اُسے اپنی اصل حیثیت کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ اس کے بعد اسرائیلی نے اُسے کہا: ہم تیری دنیا کے غریب ممالک کو پُر امن مقاصد کیلئے نیوکلیر پاور پلانٹ فروخت کرنے کی کوشش کر

رہے ہیں۔ اگر تم اپنے پلانٹ کے پروجیکٹ کے بارے میں ہمیں تفصیلات فراہم کر دو تو ہمیں یہ کاروبار کرنے میں بڑی آسانی ہو جائے گی اور تمہیں بھی معقول مالی فائدہ ہوگا۔ لیکن یہ بات میرے اور تمہارے درمیان ایک راز ہوگی۔ تم نے جیک سے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہنا ہے۔ حلیم یہ سن کر کچھ تذبذب کا شکار ہو گیا، اس نے سر گھنجاتے ہوئے کہا: دیکھئے یہ کام بے حد خطرناک ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ جیک میرا بہت اچھا دوست ہے میں کیسے اسے بتائے بغیر آپ لوگوں کیساتھ یہ ڈیل کر سکتا ہوں۔ اس پر اسرائیلی ایکسپٹ نے کہا: ارے کوئی خطرہ کی بات نہیں ہے تم تو ہر روز اس پروجیکٹ پر جاتے رہتے ہو۔ ہر چیز تک تمہاری رسائی ہے۔ ہم تو محض آپ کے ری ایکٹر کے ماڈل پر اپنا کام چلانا چاہتے ہیں۔ ہم تمہیں تمہاری سوچ سے بھی زیادہ رقم دیں گے۔ کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔ اور ہاں تمہارے اس دوست کو تو اس کی ہوا تک نہیں لگے گی۔ حلیم موساد کے خطرناک جال میں بُری طرح پھنس چکا تھا۔ واپسی کے تمام راستے ہر طرف سے بند ہو چکے تھے۔

دوسرے روز جیک نے اُسے آٹھ ہزار ڈالر کا ایک اور چیک Pneumatic Tubes کے سودے میں مدد کرنے کے عوض دیا، جسے پا کر حلیم کے تو جیسے ہوش اُڑ گئے۔ اگلی رات ایک مہنگے ہوٹل میں ڈنر کیساتھ پھر ایک کال گرل کیساتھ اسکی ملاقات کرائی گئی۔ اگلے روز خوش و خرم اُسی پرائیویٹ جیٹ میں واپس بیس چلا گیا۔ جانے سے پہلے اسرائیلی سائنسدان نے حلیم کو ایک اور شخص کے بارے میں بتایا جو مطلوبہ مواد لینے اُس کے ساتھ بیس میں ملنے والا تھا۔ اس کا خفیہ نام ازحاق تھا۔ بیس پہنچتے ہی حلیم نے CNIM میں اپنے پراجیکٹ کے دفتر سے پلانٹ کے متعلق فائلوں سے نقلیں پُراثر شروع کیں۔ موساد کا نیا ایجنٹ جسے وہ جرمن سمجھ رہا تھا ہر دوسرے تیسرے دن کسی پارک یا ریستوران میں اُس سے یہ چیزیں وصول کر کے معقول معاوضہ ادا کر کے غائب ہو جاتا۔ حلیم نے اُسے چند ہی دنوں میں پلانٹ کا مکمل بیلو پرنٹ اور بغداد سے باہر جس جگہ اسے نصب ہونا تھا کا نقشہ فراہم کر دیا۔ وہ اُبی جی بھی حلیم کیساتھ ملتا تو مزید معلومات کیلئے اصرار کرتا۔ اس خفیہ سرگرمیوں میں ملوث ہونے کی وجہ سے حلیم کا اعصابی نظام بُری طرح متاثر ہونا شروع ہوا، اُس پر Spy reaction کے واضح اثرات نمودار ہو چکے تھے یعنی پکڑے جانے کا خوف و ہراس، شدید بے خوابی اور ہر وقت ٹھنڈے پینے آنا وغیرہ۔

وہ اس پُراسرار شخص سے کسی طرح پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ مگر وہ تھا کہ اُس کی جان کو پڑا ہوا تھا۔ آخر تک آ کر اُس نے جیک کو فون پر روتے ہوئے کہا: مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے میں تو اس شخص سے سخت خوفزدہ ہوں: جیک نے انجان بننے ہوئے کہا کونسا شخص؟ اس پر حلیم نے کہا میں فون پر ساری بات نہیں کہہ سکتا، ہم کہیں ملتے ہیں پھر سب کچھ بتا دوں گا۔ دو دن بعد وہ ایک ہوٹل کے کمرے میں ملے۔ میرے ساتھ زبردست دھوکہ ہوا ہے: حلیم نے تقریباً روتے ہوئے کہا اُس نے جرمن کمپنی کیساتھ اپنے خفیہ معاہدہ کی تمام تفصیلات بتاتے ہوئے کہا۔ مجھے بے حد افسوس ہے میں نے لالچ میں آ کر تم سے پوچھے بغیر یہ سب کچھ کیا ہے۔ اس میں میری بیوی بھی برابر کی قصوروار ہے جو مجھے ہر وقت کم آمدنی کا طعنہ دیتی رہتی تھی۔ میں تم سے معافی مانگتا ہوں تم میرے بہت اچھے دوست ہو۔ میری مدد کرو اس خبیث سے میری جان چھڑاؤ۔

جیک نے ساری باتیں سننے کے بعد بڑے اطمینان سے کہا: تم جسے جرمن سمجھ رہے ہو وہی۔ آئی۔ اے کا جاسوس بھی ہو سکتا ہے: یہ سن کر حلیم کا رنگ اور بھی اُڑ گیا۔ لیکن میں نے تو اُسے وہ سب کچھ دے دیا ہے جس کا وہ مطالبہ کر رہا تھا مگر پھر بھی وہ مجھے جین سے نہیں چھوڑ رہا جیک نے

کہا یا مجھے سوچنے کا موقع دو۔ میں کچھ لوگوں کو جانتا ہوں اُن سے تمہارا مسئلہ حل کروادوں گا۔ ویسے اب تم بہت آگے نکل چکے ہو تمہیں بہت احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ اُس رات جیک دوبارہ حلیم کو ایک ریستوران لے گیا۔ اُس نے ایک کال گرل کو حلیم سے متعارف کرتے ہوئے کہا۔ یہ تمہارے اعصاب سے سارا بوجھ چند ہی لمحوں میں اتار پھینک دی گی۔ اور اس کے ساتھ ہی اُس نے ایک زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے حلیم کی کمر پر ہاتھ مارا۔ تین چار روز بعد موساد کے سٹیشن چیف نے جیک کو ہدایت کی کہ وہ حلیم پر واضح کر دے کہ وہی آئی اے کے جال میں پھنس چکا ہے۔

جیک نے جب اُسے یہ بات کہی تو وہ خوف سے چیخ اٹھا: عراقی مجھے پھانسی پر لٹکا دیں گے، وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ ارے نہیں یار کچھ بھی نہیں ہوگا۔ تم اسرائیل کیلئے تھوڑی کام کر رہے ہو۔ اس بات کا تو کسی کو علم بھی نہیں ہے اور نہ کبھی ہو سکے گا۔ بہر حال میں نے تمہاری خاطر اُن لوگوں سے بات کر لی ہے۔ بس اُنہیں ایک آخری انفارمیشن اور درکار ہے اس کے بعد وہ تم سے کچھ نہیں مانگیں گے۔ کیا؟ میں اُنہیں اور کیا دوں؟ حلیم نے کانپتے ہوئے کہا۔ وہ دراصل جانتا چاہتے ہیں کہ اگر فرانس نے عراق کو وپین گریڈ پورٹیم کے بجائے کیرامل (Carame) مہیا کرنے کی آفر دی تو اُس کا کیا رد عمل ہوگا؟ بس تم ان کا یہ کام آخری مرتبہ کر دو پھر تمہیں وہ کبھی زحمت نہیں دیں گے۔ وہ تمہیں کسی طرح نقصان نہیں پہنچانا چاہتے۔

بعد میں حلیم نے اُنہیں اطلاع دے دی کہ عراق صرف اور صرف enriched urinium کیلئے اصرار کر رہا ہے۔ اُسے جیک کو ایک اور اہم خبر یہ دی کہ چند دنوں میں اُن کے پروجیکٹ کا مصری نژاد ماہر طبیعیات ڈاکٹر یحییٰ المشہد پیرس پہنچنے والا ہے جو اس منصوبے کا جائزہ لیکر عراق کی طرف سے اس مسئلے پر فیصلہ کن بات چیت کرے گا۔ کیا اُس کے ساتھ تمہاری بھی ملاقات ہوگی؟ جیک نے حلیم سے سوال کیا۔ ہاں وہ ہم سب سے ملے گا: بہت اچھا پھر تو تم اُس سے بالکل مستند معلومات لے سکو گے۔ یوں تمہارا دوسرا ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائے گا۔ ڈاکٹر یحییٰ پیرس پہنچا تو اُسے عراقی پروجیکٹ کے تمام سائنسدانوں کیساتھ فرد افراد ملاقات کی جس میں حلیم بھی شامل تھا۔ لیکن حلیم اس سخت گیر شخص سے مطلوبہ معلومات حاصل کرنے میں ناکام رہا۔

اس کے بعد موساد نے ڈاکٹر یحییٰ کو ریکروٹ کرنے کا ارادہ کیا کیونکہ وہ اس پورے منصوبے کا انچارج تھا۔ سیرا عراق سے واپس آئی تو اُس نے حلیم میں بڑی تبدیلی محسوس کی۔ اُسکے ہاتھ میں بہت پیسے تھے۔ وہ روز اُسے شاپنگ کیلئے لیجانے لگا تھا۔ اُس نے سیرا کو کہا کہ اُس کی حال ہی میں ترقی ہو گئی ہے جس کے ساتھ تنخواہ اور الاؤنس میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہو گیا ہے۔ وہ اب ذاتی موٹر کار لینے کا پروگرام بھی بناتا رہا۔ گرچہ حلیم ایک ذہین سائنسدان تھا مگر عام زندگی میں انتہائی بے وقوف تھا۔ ایک رات اُس نے اپنے دوست جیک کے متعلق سیرا کو سب کچھ بتا ڈالا اور ساتھ ہی سی آئی اے کیساتھ اپنے کنٹیکشن کی بات بھی منکشف کر دی۔ اس پر سیرا نے اُسے جھاڑ پلاتے ہوئے کہا کہ وہ ضرور اسرائیلی ایجنٹ ہو گئے۔ پھر اُس نے چیختے ہوئے کہا: تمہارے ساتھ امریکیوں کا کیا کام ہے؟ اسرائیلیوں اور میری ماں کی بد نصیب بیٹی کے علاوہ تم میں اور کون دلچسپی لے سکتا ہے۔

اُس دن حلیم اور سیرا پیرس کے لفٹ بینک بستر میں کھانا کھا کر آدھی رات کے قریب گھر لوٹے۔ سونے سے پہلے حلیم نے کچھ میڈیکل سٹڈی کی خاطر اپنا ریڈیو آن کیا تو اُس پر خبریں نشر ہو رہی تھی کہ اچانک اُس نے CNIM میں دھماکے کی خبر سنی۔ وہ فوراً اپنے بستر سے کود کر کمرے

میں پاگلوں کی طرح ادھر ادھر دوڑنے اور چیخنے لگا۔ کیا بات ہے؟ پاگل ہو گئے ہو کیا: سمیرا نے چیخ کر کہا۔ اُنہوں نے ری ایکٹر اڑا دیا ہے اب وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ حلیم نے روتے ہوئے کہا۔ اُسے اُسی لمحے جیک کو ٹیلی فون پر یہ خبر سُنائی تو اُسے مشورہ دیتے ہوئے کہا کوئی بے وقوفی نہیں کرنا، بس اپنی زبان بند رکھو۔ کوئی تم پر اس سلسلے میں الزام نہیں لگا سکتا۔ کل رات مجھ سے میرے ہوٹل میں ملاوسا پر بات کریں گے۔ اگلی شب جب وہ جیک سے ملنے ہوٹل پہنچا تو وہ سخت خوف و ہراس کی وجہ سے کانپ رہا تھا۔ وہ ساری رات سویا نہیں تھا اور نہ ہی وہ صبح شیو کر سکا تھا۔ اب عراقی مجھے شُوت کر دیں گے۔ اُسے گلوگیر آواز میں کہا پھر وہ مجھے فرانس کے حوالے کر دیں گے جو میرا اگلا کاٹ دیں گے۔ جیک نے تسلی دیتے ہوئے کہا ارے تمہارا اس دھماکے سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے اور نہ ہی کوئی تم پر انگلی اٹھا سکتا ہے۔ اس پر حلیم نے کہا کہ یہ بہت بُرا ہوا ہے سمیرا کہتی ہے کہ اس کے پیچھے اسرائیلیوں کا ہاتھ ہے۔ تو جیک نے مسکراتے ہوئے کہا، کیا فضول باتیں کر رہے ہو میں جن افراد کیساتھ تمہاری خاطر بات چیت کر رہا ہوں وہ ہر گز اسرائیلی نہیں ہیں اور نہ وہ اس کام میں کبھی ملوث ہو سکتے ہیں۔ یہ دھماکا تو غالباً کسی صنعتی جاسوسی کا نتیجہ ہے۔ تمہیں تو اچھی طرح پتہ ہے آج کل اس فیلڈ میں کس قدر مقابلہ ہو رہا ہے۔ حلیم نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا میں بس عراق واپس جانا چاہتا ہوں۔ سمیرا بھی یہاں مزید رہنا نہیں چاہتی۔ میں ان لوگوں سے دور بھاگنا چاہتا ہوں۔

اس پر جیک نے ہنسیز ادب لے کر ہوئے کہا دیکھو اگر تم چاہتے ہو کہ تمہیں بالکل ایک نئی شناخت مل جائے ایک نئی زندگی مل جائے اور تم عراقی سیکرٹ سروس کی پہنچ سے بہت دور چلے جاؤ تو میں صرف تمہاری خاطر ایک دوست کے حیثیت سے اسرائیل کیساتھ رابطہ کر سکتا ہوں۔ وہ تمہیں اتنا کچھ دے دیں گے کہ جس کا تم نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔ وہ صرف تمہارے علم اور ذہانت سے فائدہ اٹھائیں گے۔ نہیں نہیں کبھی نہیں حلیم نے زور دیتے ہوئے کہا میں کبھی اُن کے پاس نہیں جاؤں گا۔ میں واپس عراق جا رہا ہوں۔ لیکن اس کے بعد ان دونوں میاں بیوی کا کسی کو کوئی پتہ نہیں چل سکا کہ انہیں واپس پہنچنے ہی صدام کی خفیہ پولیس نے ختم کر دیا یا وہ عراق کے بجائے کسی مغربی ملک میں روپوش ہو گئے۔

ڈاکٹر یحییٰ المشہد ابھی تک موساد کے جال میں نہیں پھنسا تھا۔ وہ عرب دنیا میں مانا ہوا نیوکلیر سائنسدان تھا اور عراق کے فوجی اور سول انتظامیہ کے بے حد قریب تھا۔ سات جون 1980ء کو وہ ایک بار پھر بیروت آیا۔ پلانٹ کے دورے کے دوران اُس نے وہاں موجود فرانسیسی صحافیوں کو کہا:

"We are making a change in the face of Arab world history"

موساد نے فرینچ پرنٹری کو ل کے ایک شخص سے پتہ لگایا تھا کہ وہ کس ہوٹل میں ٹہرے گا (روم نمبر 9041 ہوٹل میریڈین)۔ اُنہوں نے اُس کمرے میں ڈاکٹر یحییٰ کے پہنچنے سے قبل ہی جاسوسی آلات فکس کر دیے تھے۔ مئی 1932ء میں مصر کے ایک قصبے میں پیدا ہوا تھا۔ وہ ایک سنجیدہ اور ذہین سائنسدان تھا۔ اُس کے پاسپورٹ پر اُس کا پیشہ لیچرر شعبہ ریاضیات کا انجینئرنگ یونیورسٹی آف سکندریہ مصر لکھا ہوا تھا۔

اُس کی بیوی نے بعد میں مصری اخبار نویسوں کو ایک انٹرویو میں کہا: ڈاکٹر المشہد اور میں اپنے تین بچوں کے ہمراہ چھٹیاں منانے قاہرہ جا رہے تھے۔ ہم نے جہاز کے ٹکٹ بھی خرید لئے تھے۔ کہ بیروت سے عراقی پروجیکٹ میں کام کرنے والے ایک سینئر شخص نے اُسے ٹیلی فون کیا فون پر میں نے اُسے یہ کہتے ہوئے سنا: میری کیا ضرورت ہے میں اپنی جگہ ایک اور ایکسپرت بھیج دوں گا: اس کے بعد وہ چند دن نہایت پریشان اور زوریں رہا۔

میرا اپنا ذاتی خیال ہے کہ فرینچ گورنمنٹ میں موساد کے کسی ایجنٹ نے اُسے ٹریپ کیا تھا۔ وہ مجھے اکثر کہتے تھے کہ وہ ہم ضرور بنائے گا حتیٰ کہ اگر اُس کی جان بھی چلی جائے وہ اس کام سے ذرا بھر پیچھے نہیں ہٹے گا۔ فرانسیسی حکومت نے میڈیا کو جو بیان جاری کیا وہ کچھ اس طرح تھا۔ امشد تیرہ جون 1980ء کو اپنے ہوٹل میں ایک لفٹ کے ذریعے نوے منزل میں اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا تو اُس کے ہمراہ ایک خور کو ال گرل بھی تھی۔ موساد کو اس شخص کی جنسی آوارہ گردی کا پہلے سے ہی علم تھا۔ لہذا انہوں نے بدنام زمانہ جیسی طوائف میری میگل کو اُسکے پیچھے لگا دیا تھا۔ یہ عورت کافی عرصے سے موساد کیلئے کام کر رہی تھی مگر مرتے دم تک اُسے یہ پتہ نہیں چلا کہ اُسے چلانے والے کون لوگ تھے۔ ویسے بھی اُس کا کام صرف پیسہ بٹورنا تھا۔ موساد کو بھی یہی علم تھا کہ امشد حلیم کی طرح سادہ لوح نہیں تھا چونکہ اُس کا پیسہ میں قیام مختصر تھا لہذا موساد نے اُسے براہ راست رجوع کر کے نارادہ کیا۔ اگر وہ مان گیا تو بات بن گئی ورنہ وہ زندہ نہیں رہے گا۔ یہودا گل (Yehuda Gil) نامی ایک ایجنٹ جو روانی کیساتھ عربی بولتا تھا اُس کے ہوٹل پہنچا۔ اُس نے کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک دی تو ڈاکٹر یجی نے بغیر دروازہ کھولے اندر ہی سے آواز دی کون ہے؟ تو گل نے کہا۔

I am from a power that, will pay a lot of money for answers، ڈاکٹر یجی نے اندر ہی سے انتہائی غصے میں کہا۔ گل فوراً وہاں سے نکل آیا بلکہ وہ ایک پرواز کے ذریعے اسرائیل پہنچ گیا۔ اُس لمحے میری میگل ڈاکٹر یجی کیساتھ کمرے میں موجود تھی۔ اسرائیلی انٹیل جنس کے دو اہل کار جو یہودہ گل کے جانے کے فوراً بعد وہاں آدھکے تھے۔ انہوں نے کچھ دیر انتظار کیا تا کہ میری فارغ ہو کر چلی جائے۔ تھوڑی دیر بعد یہی ہوا میری چلی گئی تو یجی اپنے بستر پر لیٹ کر نیند کی آغوش میں چلا گیا۔ عین اسی وقت وہ دو افراد لاک کھول کر کمرے میں داخل ہو گئے انہوں نے کسی تیز دھار آئے سے اُس کا گلا کاٹ ڈالا۔ کمرے کے باہر کسی نے بھی ڈاکٹر یجی کی چیخ و پکار نہیں سنی۔

اگلی صبح اُس کی خون میں لت پت لاش کو سب سے پہلے ہوٹل کی ایک ملازمہ نے دریافت کیا۔ وہ اس سے پہلے دو تین مرتبہ اُس کے کمرے کا چکر لگا چکی تھی مگر دروازے پر "Dont Disturb" کا سائن دیکھ کر واپس چلی جاتی۔ آخر میں اُس نے دروازہ بار بار کھٹکھٹایا جب کوئی جواب نہیں ملا تو شک کی بنیاد پر وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ بعد میں فرینچ پولیس نے بیان دیا کہ اسے کسی پیشہ ور قاتل نے ہلاک کیا تھا، کیونکہ کوئی رقم یا دستاویز ادھر ادھر نہیں ہوئی تھی۔ صرف ہاتھ روم کے فرش پر اپر سنک زدہ ایک تولیہ پڑا ہوا ملا۔ میری اس قتل سے بے حد خوف زدہ ہوئی کیونکہ وہ اس سے پہلے اُس کے کمرے میں جاتی دیکھی گئی تھی لہذا اپنے آپ کو بچانے کیلئے وہ فوراً پولیس سٹیشن پہنچی۔ اُس نے رپورٹ درج کراتے ہوئے کہا کہ وہ جب ڈاکٹر یجی کے پاس گئی تو وہ بے حد غصے کی حالت میں تھا اور کہہ رہا تھا کہ ابھی کوئی شخص آیا تھا اور عراقی پلانٹ کے متعلق کچھ معلومات مجھ سے خریدنا چاہا رہا تھا۔ موساد کو میری کے متعلق جب پتہ چلا کہ وہ پولیس کے ساتھ اس کیس میں تعاون کر رہی ہے تو اس کے ایجنٹ اُسکے بھی پیچھے پڑ گئے۔

12 جولائی 1980ء کی رات کو میری میگل ایک گلی میں کام سے واپس آ رہی تھی کہ ایک کالی مسیڈیز کا راجا چاک اُس کے قریب آ کر رُک گئی۔ اُس میں سوار ایک شخص نے گاڑی کا شیشہ نیچے اُتار کر اُسے آواز دیکر اپنے قریب بلایا۔ میری سمجھی کہ کوئی گا بک ہے۔ وہ شخص اُس کیساتھ

کچھ دیر باتیں کرتا رہا کہ اچانک ایک اور کالے رنگ کی مرسیڈیز گلی کے پارکینگ ایریا سے نکل کر نہایت تیز رفتار میں اُن کی سمت آئی۔ کار جو جنوبی اُن کے قریب سے گذری تو عین اسی لمحے اُس شخص نے میری کواکب زوردار دھک دیکر سرک کے درمیان گرا دیا اور وہ برق رفتار مرسیڈیز اُسے بُری طرح روندتی ہوئی گذر گئی۔ اس کے بعد وہ پہلی والی گاڑی بھی سٹارٹ ہوئی اور اس کے تڑپتے جسم پر آخری بار گنڈر کر پیرس کی رات میں غائب ہو گئی۔

اسرائیل سے پرواز کے ٹھیک تین گھنٹے بعد تمام حملہ آور طیارے بحفاظت واپس اپنے اڈے پر اتر گئے۔ وزیراعظم بینگن دو گھنٹوں سے اپنی رہائش گاہ میں پوری کابینہ کیساتھ اس خبر کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔ شام سات بجے اسرائیلی آرمی کے کمانڈر انچیف جنرل رافیل ایٹان نے نیلے فون پر اپنے وزیراعظم کو آپریشن بے بیلون کی کامیابی کا مشرودہ سنایا۔ اس پر کہتے ہیں کہ بیگن نے عبرانی میں کہا "Baruch hashem" یعنی خدا کا شکر ہے۔ ایک امریکی مصنف سٹیورٹ سیٹون نے اپنی ایک کتاب "The spy masters of Israel" میں اس اسرائیلی ہوائی حملے کے متعلق کچھ یوں لکھا۔

"In many ways this raid which used military means to round off one of the Great Espionage operations any where in the world since the end of world war two, had all the hall marks of a classic Israeli Intelligence operation. A target was destroyed with awesome accuracy"

موساد کے ایک سنیر افسر نے کسی سے کہا: اکثر عرب ملکوں نے بھی درپردہ اس حملے پر خوشی کا اظہار کیا تھا: بہر حال یہ اُس کی اپنی ذاتی رائے تھی۔



چنگیز خان

چنگیز کی زندگی اور فتوحات تاریخ کا ایک ایسا باب ہے جسے پڑھ کر بغیر تاریخ کا سفر مکمل نہیں ہوتا۔ اس کا شمار انسانی تاریخ کے عظیم فاتحین میں سے ہوتا ہے۔ گو اس کا تعلق وحشی قبائل سے تھا لیکن وہ ایک ممتاز زور بے کا وحشی تھا۔ وہ صرف تلوار کی زبان ہی نہ جانتا تھا بلکہ از روئے ضرورت ٹریک ٹوڈ پلو میسی بھی بروئے کار لاتا۔ 1219 سے 1225 تک کے درمیانی عرصے میں چنگیز نے ترکستان کے راستے ایران اور افغانستان، دوسری طرف پامیر کی پہاڑی چوٹیوں سے سندھ کے کناروں تک آذربائیجان، کاکس اور جنوبی روس کے علاقے کی مہمات سر کیں..... چنگیز خان کی تاریخ کتاب گھر کے تاریخ (History) سیکشن میں دستیاب ہے۔

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

اسلامک جہاد: بیروت میں ڈراؤنا خواب

تیس اکتوبر 1983ء کو جب سورج طلوع ہوا اور اس کی زرد کرنیں بحیرہ روم کے پانیوں سے منعکس ہونے لگی تو تین اسی لمحے بیروت کے ایک گنجان آباد علاقے سے ایک شخص ایک لمبے مریدیز ٹرک کو لیکر ایک سڑک پہ نکلا۔ وہ بیروت میں قابض اسرائیلی فوجی چوکیوں کے بالکل سامنے سے گذرا، ڈیوٹی پہ متعین سنتریوں نے اسے معمول کی ٹریفک سمجھ کر کوئی توجہ ہی نہیں دی۔ اس کے بعد وہ بغیر کسی چیکینگ کے ایک لبنانی چیک پوسٹ کو بھی عبور کر کے بیروت انٹرنیشنل ایئر پورٹ روڈ پر پوری رفتار کیساتھ دوڑنے لگا۔ بیروت ایئر پورٹ کے قریب ہی ایک چار منزلہ عمارت میں امریکی میرین گارڈز رہائش پذیر تھے۔ صبح کے 6:20 بج چکے تھے، امریکی ابھی گہری نیند سو رہے تھے۔ عمارت کے ایک سیوری گارڈ ڈی فرائٹو نے اس ٹرک کو سڑک پہ جاتے ہوئے دیکھا اس نے بھی کوئی خاص توجہ اس لئے نہیں دی کہ اس سڑک پہ دن رات ہیوی ٹریفک دواں دواں رہتی تھی۔ اچانک وہ ٹرک ایئر پورٹ روڈ سے اتر کر میرین گارڈ کی عمارت کی طرف پوری رفتار کیساتھ آنے لگا تو اس سیوری گارڈ کے اوسان خطا ہو گئے اس نے فوراً وائیٹ ٹاکی پر اپنے انچارج کو اطلاع دی۔ جس نے فوراً عمارت میں نصب الارم سسٹم کا بٹن دبا کر خطرے کا سائرن بجادیا۔ لیکن اب اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا وہ ٹرک عمارت کے آہنی جنگلے روندتا ہوا سیدھا بلڈنگ کی دیوار سے جا ٹکرایا۔ پھر ایک خوفناک دھماکہ ہوا اور پورا بیروت شہر لرز اٹھا۔ امریکی میرین کی وہ چار منزلہ عمارت چند ہی لمحوں میں زمین بوس ہو گئی۔ اُس میں موجود دوسو اکتالیس میرین گارڈ نیند کی حالت میں ہی ہلاک ہو گئے۔ دوم جنگ عظیم کے بعد بیک وقت اتنی تعداد میں امریکیوں کی ہلاکت کا یہ دوسرا واقعہ تھا۔ امریکی ایف بی آئی کے مطابق یہرو شیماء کے ایشی دھماکے کے بعد یہ انسانی تاریخ کا دوسرا بڑا دھماکہ تھا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اس ٹرک میں چھٹن انتہائی طاقتور بارود لدا ہوا تھا۔ زندہ بچ جانے والے سیوری گارڈ نے کانپتی ہوئی آواز میں اخبار والوں کو کہا: وہ ٹرک جو نبی میرے قریب پہنچا تو اس کے ڈرائیور کیساتھ میری نظریں جب ملیں تو وہ مجھے دیکھ کر مسکرایا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا مجھے یاد نہیں ہے۔

اس حادثے کے محض بیس سینڈ بعد چار کلومیٹر دور موت کا ایک اور ٹرک فرانسیسی ملٹری مشن کی بلڈنگ سے جا ٹکرایا۔ اس ٹرک میں بھی سنوں کے حساب سے بارود ہولناک دھماکے سے جب پھٹا تو پوری عمارت تباہ ہو گئی اور اس میں موجود 58 فرانسیسی فوجی موقع ہی پر ہلاک ہو گئے۔ ادھر ریڈ کراس کے سائرن بجاتے ہوئے ایبویلنس لمبے سے نکلی گئی لاشوں اور زخموں کو ہسپتال پہنچا رہے تھے کہ بیروت میں مقیم ایک فرانسیسی خبر رساں ایجنسی کے دفتر میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ وہاں موجود ایک شخص نے فون کا ریسور اٹھایا تو کسی نے عربی میں اُسے کہا: یہ دونوں دھماکے ہم نے کئے ہیں۔ ہم اللہ کے سپاہی ہیں۔ ہمارا تعلق اسلامک جہاد سے ہے۔ ہم ایرانی ہیں نہ شامی اور نہ فلسطینی، ہم صرف مسلمان ہیں اور قرآنی احکامات پر عمل کر رہے ہیں۔ ہم تمام امریکیوں کو خبردار کرتے ہیں کہ وہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے لبنان کی سرزمین سے نکل جائیں ورنہ موت اُن کا مقدر ہوگی اور اس

کے ساتھ ہی فون بند ہو گیا۔

اس واقعہ کے ٹھیک دس دن بعد خود کشی پہ آمادہ اسلامک جہاد کا ایک اور سرفروش نوجوان اپنی کار میں گیارہ سو پاؤنڈ بارود بھر کر لبنان کے جنوب میں ایک اسرائیلی فوجی چوکی کی طرف روانہ ہوا۔ کار جو نبی اسرائیلی چوکی، جو دو منزلہ عمارت میں تھی کے احاطے میں انتہائی تیزی سے داخل ہوئی تو ڈیوٹی پہ متعین ایک گاڑی نے دیکھتے ہی اُس پر مشین گن کا برسٹ چلا دیا لیکن کار عمارت کے سیدھا اندر گھس کر ایک خوفناک دھماکے سے پھٹ چکی تھی۔ عمارت لمبے کا ڈھیر بن گئی اور 29 اسرائیلی اس میں دب کر ہلاک ہو گئے۔

اسلامک جہاد 1982ء میں لبنان پہ اسرائیل کے حملے کے دوران اچانک منظر عام پہ آئی تھی۔ اسرائیل نے اس حملے میں پی ایل او کی گوریلا طاقت کو بُری طرح گھل ڈالا تھا۔ اسکے بعد پی ایل او کو مجبوراً اپنا ہیڈ کوارٹر تیونس منتقل کرنا پڑا۔ اسلامک جہاد دراصل شیعہ مسلح تنظیم حزب اللہ ہی کی ایک ذیلی شاخ تھی جسے اسلامی انقلابی ایران کی پشت پناہی حاصل تھی۔ اس کے جانبازوں کو ایران میں تربیت دی جاتی تھی۔ ایران نے حزب اللہ کو کروڑوں ڈالر کا سرمایہ اور اسلحہ دھڑا دھڑا سپلائی کیا۔ یوں اسلامک جہاد امریکیوں اور اسرائیلیوں کیلئے ایک ڈراؤنا خواب بن کر ابھری۔ اس کے خود کش بم دھماکوں سے ان غیر ملکی فوجیوں کا مورال اتنا گر چکا تھا کہ اکثر امریکی اور اسرائیلی فوجی مسلسل خوف و ہراس کی وجہ سے نفسیاتی مریض بن گئے تھے۔ 18 اپریل 1983ء کو اسلامی جہاد نے امریکی خفیہ ادارے سی آئی اے پر کاری ضرب لگائی انہوں نے ایک دوسرا سینیٹر بزنس میں ایک ٹن بارود بھرا ہوا تھا تختے میں امریکیوں کو بھیجا۔ وہ ٹرک مغربی بیروت میں واقع امریکی سفارت خانے کی سات منزلہ عمارت سے جا گرایا، عین اُسی لمحے وہاں تیسری منزل پر سی آئی اے کا اہم اجلاس ہو رہا تھا۔ اس دھماکے میں سی آئی اے کے نیشنل چیف سمیت 66 اہل کار ہلاک ہو گئے۔ اس حملے نے سی آئی اے کی تمام صلاحیتوں اور منصوبہ بندیوں پر پانی پھیر دیا۔ ان پے در پے دھماکوں کے بعد امریکی ایف بی آئی اور سی آئی اے کے ماہرین تحقیقات کیلئے بیروت پہنچے۔ کافی عرصہ وہ اس خود کش گروہ کی تلاش میں رہے مگر انہیں کوئی ٹھوس سراغ نہیں ملا۔ آخر سی آئی اے نے موساد سے مدد کی درخواست کی۔

موساد نے دو تین مہینوں کی تحقیقات کے بعد سی آئی اے کو ایک تفصیلی رپورٹ دی جس کے مطابق اس خوفناک گروہ کی جڑیں ایران اور شام تک پھیلی ہوئی تھیں۔ رپورٹ میں امریکی میرین گاڑی کی عمارت کی تباہی کا الزام ایک شیعہ راہنما شیخ محمد حسین فضل اللہ پر لگایا گیا تھا۔ یہ لبنان کی شیعہ راہنما اُن دنوں بغداد میں مقیم تھا۔ رپورٹ کے مطابق پورا منصوبہ اُس کے گھر میں تیار ہوا تھا۔ اس سلسلے میں اُس کی مدد شام کی انٹیلیجنس سروس نے کی اور ایرانی سفارت خانے نے پچاس ہزار ڈالر کا سرمایہ فراہم کیا۔ اس کے بعد فضل اللہ ہی کی رہائش گاہ پر ایک خفیہ اور سادہ سی تقریب ہوئی جس میں خود کشی کی مہم پہ جانے والے کچھ جوانوں کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ آخر میں شیخ فضل اللہ نے مشن کی کامیابی اور خود کشی پر جانے والوں کیلئے جنت کی دعائیں پڑھیں۔ اس کے بعد انہیں خفیہ راستوں سے لبنان روانہ کیا گیا، جہاں انہیں وافر مقدار میں بارود اور ٹرک فراہم کئے گئے۔ بعد میں یہ رپورٹ کسی طرح پریس میں شائع ہوئی تو شیخ فضل اللہ نے ان تمام الزامات کی سختی سے تردید کرتے ہوئے کہا: امریکی میرے خلاف شرمناک پروپیگنڈہ کر رہے ہیں میں نے کسی کو بھی اس قسم کی مہم پر نہیں بھیجا۔ یہ خود کشی ہے اور خود کشی اسلام میں حرام ہے۔ لیکن امریکی برابر شیخ فضل اللہ کو

میرین گارڈ کی ہلاکت کا ذمہ دار ٹھہرا رہے تھے۔

1985ء میں سی آئی اے نے اسے ختم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ امریکی مصنف باب وڈروڈ کی کتاب Veil: Secret wars of CIA-1981-87 کے مطابق سی آئی اے نے ایک عرب ملک کی اٹلی جنس سروس کیساتھ ملکر یہ منصوبہ بنایا تھا۔ اس سلسلے میں سی آئی اے کے ڈائریکٹر William J. Casey نے اُس ملک کے سفیر کے ساتھ واشنگٹن میں خفیہ ملاقات کی۔ مشن کیلئے اُس ملک نے 30 لاکھ امریکی ڈالر جینوا میں سی آئی اے کے خفیہ اکاؤنٹ میں جمع کرائے۔ اس آپریشن کیلئے برطانوی سیشل پولیس کے ایک ریٹائرڈ افسر کو منتخب کیا گیا۔ یہ شخص روانی سے عربی بولتا تھا اور لیپٹنن کے چپے چپے سے واقفیت رکھتا تھا۔ اسے طاقتور بارود اور گاڑی خریدنے کیلئے سرمایہ فراہم کیا گیا۔

8 مارچ 1984ء کو بیروت میں مسلمان نماز جمعہ پڑھ کر واپس اپنے گھروں کی طرف جا رہے تھے کہ ایک بھاری ٹرک اُن کی نظروں کے سامنے سے گذر کر ایک آٹھ منزلہ عمارت کے قریب کھڑا ہوا۔ ڈرائیور نیچے اتر کر اپنے ایک ٹائر کا معائنہ کرنے لگا۔ شیخ فضل اللہ کی رہائش اسی عمارت میں تھی۔ عمارت کے چوکیداروں نے جونہی اس ٹرک کو دیکھا وہ فوراً اس کی طرف لپکے۔ انہوں نے ڈرائیور کو عمارت کی حدود سے فوراً باہر نکلنے کو کہا تو اُس نے معذرت خواہانہ لہجہ میں کہا کہ اُسے سہر پارٹس کی دوکان سے دوسرا ٹائر خریدنے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ اپنا سفر دوبارہ شروع کر سکے۔ چوکیدار بھی نرم پڑ گئے۔ وہ شخص تیز تیز قدم اٹھا تا ہوا ایک گلی کی طرف گیا اور غائب ہو گیا۔ اس کی تھوڑی ہی دیر بعد ٹرک میں ایک زبردست بلاسٹ ہوا اور وہ سات منزلہ عمارت لمبے کا ڈھیر بن گئی جس میں اسی (80) کے قریب لوگ تھمر اہل بن گئے لیکن خوش قسمتی سے فضل اللہ اُس وقت ایران میں امام خمینی کیساتھ ملاقات کر رہے تھے۔ موساد اور سی آئی اے کی فضل اللہ کی موجودگی کے بارے میں تمام اطلاعات بالکل غلط ثابت ہوئیں۔

دوسرے دن شیخ فضل اللہ کے حامیوں نے بیروت میں امریکہ کے خلاف زبردست مظاہرہ کیا۔ انہوں نے تباہ شدہ عمارت کے کھنڈر پر ایک بینر آویزاں کیا جس پر Made in USA: لکھا ہوا تھا۔ آپریشن کی ناکامی کے بعد سی آئی اے نے شیخ فضل اللہ سے براہ راست سودے بازی کا فیصلہ کیا۔ سی آئی اے نے اُسکے ساتھ خفیہ رابطہ قائم کیا فضل اللہ سے کہا گیا کہ اگر وہ امریکیوں پر اسلحہ جہاد کے حملوں کی پیشگی اطلاع بہم پہنچائے تو اس کے عوض اُسے بیس لاکھ امریکی ڈالر دیے جائیں گی۔ فضل اللہ نے اس شرط پر اپنی رضامندی ظاہر کی کہ رقم کے بجائے اتنی ہی مالیت کی ادویات اور اشیائے خورد و نوش اُس کے حامیوں کو مہیا کی جائے۔ اس کے بعد کم از کم فضل اللہ کے گروپ نے امریکی اڈوں پر دوبارہ حملہ نہیں کیا۔ بعد میں اس ملک کے سفیر نے کسی سے کہا: شیخ فضل اللہ کو ختم کرنا بے حد مشکل لیکن خریدنا آسان تھا۔ لیکن اسکے باوجود امریکی مفادات پر اسلحہ جہاد کے خود کش حملے جاری رہے۔ اٹھاون سالہ William Buckley بیروت میں واقع امریکی سفارت خانے کی تباہی کے بعد وہاں سی آئی اے کے نئے سٹیشن چیف کی حیثیت سے متعین تھا۔ وہ اس سے پہلے ویت نام میں اپنی شاندار صلاحیتوں کا لوہا منوچا کھاتا تھا۔ وہ نہایت روانی کیساتھ عربی بولتا تھا اسکے علاوہ اُسے اسلامی تاریخ اور ثقافت پر بھی عبور حاصل تھا۔ لیپٹنن میں اپنا چارج سنبھالتے ہی اُس نے سی آئی اے کے تباہ شدہ نیٹ ورک کو از سر نو معنظم کیا۔

سولہ مارچ 1984ء:

وہ حسب معمول صبح سات بجے جاگا۔ تھوڑی دیر میں وہ ناشتے سے فارغ ہو کر اپنی رہائش گاہ سے جو ساحل سمندر کے قریب تھی، اپنی ڈیوٹی پر روانہ ہوا۔ آج کے دن اُس نے شیخ فضل اللہ کے کامیوں سے ملنا تھا۔ وہ انہیں یقین دہانی کرانے جا رہا تھا کہ گذشتہ دنوں کے بم دھماکے میں سی آئی اے کا کوئی ہاتھ نہیں تھا اور امریکہ شیخ فضل اللہ سے خوشگوار تعلقات کا خواہاں ہے۔ ولیم بکلی نے اپنے مخصوص بریف کیس میں کچھ انتہائی اہم کاغذات رکھے۔ یہ خاص قسم کا بریف کیس تھا جس میں ایک چھوٹا سا گیس کنٹینر لگا ہوا تھا جو ایک مٹن کے دانے سے بریف کیس کے اندر آگ لگا کر تمام حساس کاغذات کو محض چند سیکنڈز میں تلف کر سکتا تھا۔ گرچہ امریکی سفارت خانے کے کسی فرد کو بھی بغیر گاڑے کے بیروت میں سفر کرنے کی اجازت نہیں تھی مگر بکلی نے آج اس اصول کی پروا نہ نہیں کی آخر وہ ایک تجربہ کار اور سینئر خفیہ اہل کار تھا۔ وہ نیچے اترنے کیلئے تھوڑی دیر لفٹ کے انتظار میں کھڑا ہوا۔ اتنے میں لفٹ کا دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہوا تو ایک دائری والا لیبیانی نوجوان جس نے ہاتھ میں ایک سوٹ کیس پکڑا ہوا تھا وہاں پہلے سے کھڑا تھا۔ لفٹ نیچے جا کر ایک اور فلور پر رُکی تو ایک موٹی سی عربی عورت داخل ہوئی جسے بکلی پہلے سے جانتا تھا وہ اُسکی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

لفٹ گراؤنڈ فلور پر رُکی تو بکلی نے عورت کو پہلے نکلنے کی دعوت دی۔ اس کے بعد وہ نوجوبی نکلنے لگا پیچھے سے اُس اجنبی شخص نے پوری قوت سے سوٹ کیس اُس کے سر پہ دے مارا۔ ولیم بکلی چکر کر لفٹ میں ہی گر پڑا۔ اتنی دیر میں ایک اور شخص عمارت کی پارکینگ ایریا سے ایک سفید رینالٹ کار لیکر اُن کے قریب پہنچا کار سے دو اور آدمی تیزی سے نکلے اور اُنہوں نے ولیم بکلی کو بے ہوشی کی حالت میں کار کے اندر گھسیٹ لیا۔ کار نے اس تیزی سے موڑ کاٹ کر مین روڈ پر دوڑنا شروع کیا کہ اُس کے مائر جیج پڑے۔ اُس لیبیانی عورت نے جب ولیم کو اغوا ہوتے دیکھا تو وہ مدد کیلئے چلائی لگی۔ لیکن وہ لوگ انتہائی تیزی کیساتھ وہاں سے فرار ہو گئے۔ اس وقت واشنگٹن میں رات کے تین بجے تھے۔ سی آئی اے کے ڈائریکٹر ولیم کیسی کو فون پر اطلاع دی گئی کہ بیروت میں اُس کاسٹیشن چیف اغوا ہو چکا ہے۔ اُس کا اغوا سی آئی اے کیلئے زبردست دھچکا تھا بقول ولیم کیسی "Buckley's abduction was a major intelligence disaster" کیونکہ بکلی کے پاس سی آئی اے کے انتہائی حساس راز تھے۔ اُس کے پاس مشرق وسطیٰ میں سرگرم عمل تمام خفیہ اہل کاروں کی فہرست تھی اس کے علاوہ وہ تمام خفیہ اپریشنز کی تفصیلات سے بھی آگاہ تھا۔

سی آئی اے کو اپنی تاریخ میں اس قدر بڑا نقصان کبھی نہیں ملا تھا۔ ولیم کیسی نے بیروت میں امریکیوں کو ارجنٹ احکامات بھیجے کہ جیسے بھی ہو ولیم بکلی کو برآمد کیا جائے۔ تل ابیب میں موساد کے ہیڈ کوارٹر کو بھی مدد کیلئے کہا گیا۔ ولیم کیسی نے یہاں تک کہہ دیا کہ وہ ولیم بکلی کی رہائی کیلئے لاکھوں ڈالر لیور تاون دینے کیلئے تیار ہے۔ پورے لیبان میں اُسکے لئے زبردست تلاش کا کام شروع ہوا۔ تمام ملیشیا گروپوں سے رابطے قائم کئے گئے مگر کوئی مثبت پیش رفت نہیں ہوئی۔ امریکی سفارت خانہ اس انتظار میں تھا کہ کوئی گروپ فون پر اس اغواء کی ذمہ داری قبول کر کے اپنے مطالبات واضح کر دے گا۔

امریکہ سے خصوصی طور پر ایف بی آئی کی ایک ٹیم بیروت پہنچی جنہوں نے موساد اور لیبانی اٹلیے جنس کے ساتھ ملکر بالیک اور بیکہ وادی کا چپہ چپہ جھان مارا۔ خلائی سیاروں سے بھی مدد لی مگر بے سود۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اسے زمین نکل گئی ہے۔ ولیم بکلی کے بعد تین اور امریکی اور ایک برطانوی جرنلسٹ بھی اسی طرح اغوا ہوئے۔ آہستہ آہستہ یہ اسرار و رازاتیں برہمنی گئی۔ مغربی ملکوں کے اکثر باشندوں نے ڈر کے مارے بیروت

سے اپنا بوریا ستر سینا شروع کیا۔

نومئی 1984ء کو اچانک بیروت میں امریکی سفارت خانے میں کسی نامعلوم شخص نے فون پر دعویٰ کیا کہ وہ اسلامک جہاد کا نمائندہ ہے اور دہلیئم بکے اُن کے قبضے میں ہے، اور اس کیساتھ ہی لائن کٹ گئی۔ بعد میں دہلیئم بکے کے متعلق جو تفصیلات منظر عام پر آئیں اس کے مطابق اغوا کے بعد وہ دہلیئم بکے کو یکہ وادی میں انرفورس کے ایک متروکہ ہوائی اڈے لے گئے، جہاں سے وہ ایک پرائیویٹ طیارے میں اُسے لیکر تہران روانہ ہوئے۔ تہران میں پاسداران انقلاب کی ایک ٹیم نے کئی گھنٹوں تک اُس سے پوچھ گچھ کی۔ اس کے بعد اُسے دوبارہ بیروت شفٹ کر دیا گیا۔ اس اغوا کے 53 دن بعد امتحن میں امریکی سفارت خانے کو ایک پارسل موصول ہوا جس میں ایک وڈیو کیسٹ بند تھا۔ یہ امریکی سفیر کے نام امتحن میں کی ڈاک سے بھیجا گیا تھا۔ چند ہی گھنٹوں بعد دہلیئم بکے کی اوریسی آئی اے کے تجربہ کار وڈیو پروڈیئم بکے کو نارچرہوتے دیکھ رہے تھے۔ اُس کے ہاتھ میں ایک سیکرٹ فائل تھی اور کچھ لوگ اُسے بڑی طرح پیٹ رہے تھے۔ اس سے اندازہ ہوا کہ وہ بریف کیس میں کاغذات کو چلائیں۔ کا تھا۔

قلم سے یہ بھی پتہ چل رہا تھا کہ دہلیئم بکے کو کافی مقدار میں نشہ آور انجکشن لگائے گئے تھے۔ ایک ماہ بعد ایک دوسری وڈیو کیسٹ روم میں امریکی سفارت خانے کو موصول ہوئی۔ اس کیسٹ میں وہ اقبال جرم کرتا ہوا دیکھا گیا تھا اُس نے اپنے ایک طویل بیان میں مشرق وسطیٰ اور بالخصوص لبنان میں سی آئی اے کی خفیہ سرگرمیاں بے نقاب کیں۔ اور یوں دہلیئم بکے نے وہ سب کچھ اگل دیا جو سی آئی اے نہیں چاہتی تھی۔ بیروت میں امریکی فرانسیسی اور برطانوی شہریوں کا اغواء اب روزمرہ کا معمول بن چکا تھا۔ امریکہ اپنی مصیبت کو بڑی تشویش کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ رونالڈ ریگن نے کہا 'ہم دہشت گردوں کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیکیں گے، آخر سی آئی اے نے صدر ریگن کو مشورہ دیا کہ اگر ایران کو جو اس وقت عراق کیساتھ برسرِ پیکار تھا، خفیہ طور پر اسلحہ فراہم کیا جائے تو لبنان میں اسلامک جہاد کی قیدے ریغالیوں کو ایران کی مدد سے رہا کیا جاسکتا ہے۔ ایران کو واقعی اس وقت شدید جنگ کی وجہ سے اسلحہ کی سخت ضرورت بھی تھی۔ اس سلسلے میں سی آئی اے اور موساد نے مشترکہ پلان بنایا۔ ماضی میں اسرائیل کے شاہ ایران سے انتہائی قریبی تعلقات تھے۔ موساد نے شاہ کی خفیہ پولیس ساواک کو بھی تربیت دی تھی۔ ایران کے اسلامی انقلاب کے بعد یہ تعلقات خود بخود منقطع ہو گئے۔ ایران میں اسی ہزار کے قریب یہودی بھی آباد تھے جسکے لئے اسرائیل سخت فکر مند تھا۔

1980ء میں اسرائیلی انرفورس نے جب عراقی نیوکلیر ری ایکٹر کو تباہ کیا تو اسرائیل نے خفیہ طور پر ایرانی قیادت پر احسان جنایا کہ ہم نے ایران کو مکملہ ایٹمی تباہی سے نجات دلائی ہے۔ مگر ایران نے ان خیر سگالی کے اشاروں کا کوئی ثبوت جواب نہیں دیا بلکہ شیعی نے اس اقدام کی ہی مذمت کر دی۔ اسکے بعد سی آئی اے نے ایرانیوں کے ساتھ بات چیت کیلئے سعودی نژاد کرب پتی عدنان خوشگی کو آگے بڑھایا۔ وہ اسلحہ کا بین الاقوامی تاجر تھا اسکے ایرانی ہائی کمان کیساتھ قریبی روابط تھے۔ وہ اسلحہ کے بدلے ریغالیوں کی رہائی کے سلسلے میں ایران گیا۔ جہاں اُس نے صدر ہاشمی رف سنجانی کے ایک کزن سائرش ہاشمی سے ملاقات کی۔ اور اس کے بعد یہ دونوں حضرات تل ابیب گئے جہاں ان سے اسرائیلی وزیراعظم Shimon Peres نے اس سلسلے میں بات چیت کی۔ ایران کو نینک شکن میزائل کی اس وقت سخت ضرورت تھی اسرائیل کے پاس امریکی اسلحہ کے علاوہ پی ایل او سے چھپے ہوئے اسلحہ کے ذخیرے گئے ہوئے تھے جسے فروخت کر کے اچھا خاصا منافع اور سیاسی فوائد حاصل کئے جاسکتے تھے۔

وزیراعظم شمعون پیرز نے سائرش ہاشمی کو صاف صاف کہہ دیا کہ اسلحہ کا سودا لبنان میں ریغالیوں کی رہائی کیساتھ منسلک ہوگا۔ اس کے

بعد باقاعدہ برنس کی بات طے ہوئی۔ رقم کیلئے عدنان خوشگی کو ذمہ دار بنایا گیا کیونکہ ایرانی بیٹنگی رقم دینے کیلئے تیار نہیں تھے، وہ اسرائیلیوں پر بھروسہ نہیں کر رہے تھے۔ بالآخر 1985ء میں عدنان خوشگی نے اپنے اکاؤنٹ سے اسرائیل کو پچاس لاکھ امریکی ڈالر ادا کر کے ایران کیلئے 508 ٹینک ٹھمن Tow میزائل خریدے۔ یہ میزائل تل ابیب سے بذریعہ ڈی سی 8 طیارے ایرانی شہر تبریز پہنچے۔ اسلحہ کی اس پہلی کھیپ کے بدلے ایران نے کچھ مغربی ریغالیوں کو اسلامی جہاد کی قید سے رہائی دلوائی۔ مگر سی آئی اے مسلسل ویلیم بیکے کی رہائی کیلئے اصرار کر رہی تھی جبکہ ایران اس بارے میں پس و پیش سے کام لے رہا تھا۔ درحقیقت ویلیم بیکے کی قید کی حالت میں سخت تشدد اور بعد میں مونیوا کی وجہ سے ہلاک ہو چکا تھا۔ اس کی موت کو اسلامک جہاد نے کافی عرصہ خفیہ رکھا تھا۔ اسی سال ستمبر میں پی ایل او کے کمانڈوز نے لارناک (قبرص) میں موساد کے تین ایجنٹوں کو ایک ہوٹل میں ہلاک کر دیا۔

جوابی کارروائی میں اسرائیلی لڑاکا طیاروں نے تیونس میں پی ایل او کے ہیڈ کوارٹر پر اچانک شدید بمباری کی جس کے نتیجے میں تیس کے قریب فلسطینی ہلاک ہو گئے۔ اس کے دوسرے دن اسلامک جہاد کے ہیڈ کوارٹر سے ایک بیان جاری ہوا کہ ہم نے سی آئی اے کے ایک جاسوس ویلیم بیکے کو مسلمانوں کے خلاف تحریکی سرگرمیوں میں ملوث ہونے کے جرم میں ہلاک کر دیا ہے۔ ایران عراق جنگ کے دوران اسرائیلی سی 130 جہاز اسلحہ لیکر تبریز میں رات کی تاریکی میں اترتے رہے۔ یہ تمام سلسلہ انتہائی خفیہ چلتا رہا مگر اچانک ایک دن لیونان کے ایک عربی میگزین کو اس کا علم ہو گیا۔ اس میگزین کی تین نومبر 1986ء کی اشاعت میں پہلی مرتبہ اس راز سے پردہ اٹھایا گیا تو پوری دنیا میں یہ ایران گیٹ (Iran Gate Scandal) سکیئنڈل کے نام سے مشہور ہوا۔

امریکی کانگریس نے ریگن انتظامیہ کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔ شروع شروع میں تو صدر ریگن اس کی تردید کرتا رہا مگر جب تمام شواہد اور ثبوت منظر عام پر آنے لگے تو لاچار اُس نے تسلیم کرتے ہوئے کہا۔ ’’تھیںیادوں کی اس فروخت کا مقصد لیونان میں ریغالی امریکیوں کو رہا کرنا تھا‘‘۔ امریکہ اپنے Tow میزائل، ایران عراق جنگ میں برابر جھونکتا جا رہا تھا۔ اسکے بعد ایران نے کچھ اور امریکی ریغالیوں کی رہائی کا وعدہ کیا مگر ساتھ ہی مزید میزائلوں کا بھی مطالبہ کیا۔ اس بار امریکہ نے اپنے ہاک میزائل اور لڑاکا طیاروں کے فاضل پُرزہ جات ان کے ہاتھ فروخت کئے۔ مگر ایران نے احتجاج کیا کہ یہ اسلحہ وہ نہیں ہے جس کیلئے ہم نے مطالبہ کیا تھا لہذا کوئی ریغالی اس بار رہا نہیں ہو سکتا۔

اسی سال عدنان خوشگی نے پھر ایک ہزار Tow میزائل کیلئے اسرائیل کو بارہ ملین ڈالر ایس ڈالر ادا کئے۔ پانچویں اور آخری بار اکتوبر 1986ء میں اسرائیل نے پانچ سو میزائل ایران سپلائی کئے جس کے عوض بیروت میں اسلامک جہاد نے تین امریکی شہریوں کو رہا کر کے کچھ ڈنوں بعد تین اور کوغوا کر کے حساب کتاب برابر کر دیا۔

تھیںیادوں کے اس برنس میں عدنان خوشگی نے تیس لاکھ ڈالر بطور کمیشن کمائے۔ مزے کی بات تو یہ ہے کہ عدنان نے اس کاروبار میں اپنے ایک عرب سرمایہ کار دوست کا پیسہ استعمال کیا اور خوب منافع کمایا۔ اور بقول اسرائیلی وزیر دفاع Ariel Sharor اسرائیل نے اس خفیہ تجارت میں 27 ملین ڈالر کمائے۔



کتاب گھر کی پیشکش

میونخ آپریشن

<http://kitaabghar.com>

میونخ شہر کے وسط میں واقع آرام دہ، فیملی شائل ایڈن ہوٹل سے پانچ ستمبر 1972ء کو ایک بظاہر سنجیدہ فلسطینی نوجوان صبح سویرے روانہ ہوا۔ ایڈن ہوٹل مسافروں کو اس وجہ سے پسند تھا کہ ایک تو ریل وے اسٹیشن اُس کے بلکل سامنے تھا دوسرا انٹرپورٹ جانے والی بس کا ٹرمینل اُس کے عین صدر دروازے کے قریب تھا۔ ہوٹل شاف اگر ذرا بھی توجہ دیتی تو انہیں صاف پتہ چل جاتا کہ اُن کا یہ عربی گیسٹ بڑی غلت میں ہوٹل سے نکلا تھا۔ وہ اُسرار فلسطینی 25 اگست کو اس ہوٹل میں چپک اِن ہوا تھا۔ اُس کے بگس عراقی پاسپورٹ پر اُس کا نام سعد الدین ولی، عمر 32 سال اور پیشہ جرنلزم درج تھا۔ اُس وقت ویسے بھی شہر غیر ملکی صحافیوں سے بھرا ہوا تھا، انتہائی مصروف ہوٹل شاف کے پاس اُس پر شک کرنے کا بظاہر کوئی جواز نہیں تھا، لیکن پھر بھی اگر وہ ذرا غور کرتے تو اُس کی چال ڈھال کم از کم صحافیوں جیسی لگ نہیں رہی تھی۔ اُس نے اپنا زیادہ تر وقت بند کرے میں اپنے عرب دوستوں کیساتھ سرگوشیوں میں گزارا۔ اُس نے، بقول آپریٹر کے، بیروت، طرابلس اور تونس ٹیلی فون کالیں کیں۔ ولی درحقیقت فلسطینی تنظیم بلیک ستمبر کا ایک اہم لیڈر تھا وہ اولمپک گیمز میں شریک اسرائیلی کھلاڑیوں پر حملے کیلئے مشن کی تیاری دیکھنے دمشق سے آیا تھا۔ اُس کے فرار کے محض چوبیس گھنٹے بعد دنیا بھر کی میڈیا فلسطینی مسئلے کی طرف متوجہ ہوئی۔ لوگوں نے بلیک ستمبر کا نام پہلی بار اخبارات میں جلی حروف میں دیکھا۔

اکتوبر 1968ء کی ایک صبح ہزاروں فلسطینیوں نے جن میں اکثر خود کار ہتھیاروں سے لیس تھے اردن کے دارالحکومت عمان میں زبردست مظاہرہ کیا۔ وہ فلسطینی مزاحمت کے حق میں نعرے اور ہوائی فائرنگ کرتے رہے۔ ویسے یہ جلوس الفتح کے ایک لیڈر عبدالفتاح حمودی ہلاکت کے خلاف احتجاج میں نکلا تھا مگر اس نے اچانک اردنی حکومت کے خلاف بھی نعرے بازی شروع کر دی۔ فلسطینی فداکین نے پہلی مرتبہ اپنے میزبان ملک کے خلاف طاقت کا مظاہرہ کیا۔ شاہ حسین کے لئے یہ منظر بڑا تکلیف دہ تھا۔ وہ اُس کی معزولی کا بھی مطالبہ کر رہے تھے۔

1948ء اور 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد سے اردن میں لاکھوں فلسطینیوں نے پناہ لے رکھی تھی۔ یہاں اُن کی مسلح تنظیموں نے اسرائیل کے خلاف جہاد کیلئے اپنے گوریلا گیمپ بنائے ہوئے تھے۔ شاہ حسین اور اُس کی فوج 1967ء کی شکست سے نڈھال تھی اور اس پوزیشن میں نہیں تھی کہ اس موقع پر اُن کا راستہ روک سکے۔ ویسے بھی مغرب نواز شاہ کا خود اپنے اقتدار پر گرفت اتنی مضبوط نہیں تھی۔ اُس پر کئی بار قاتلانہ حملے ہو چکے تھے۔ اب عمان میں فلسطینی فداکین برسر عام کلاشکوف لہراتے اور دندناتے پھر رہے تھے اور اُس کے اقتدار کیلئے براہ راست خطرہ بن رہے تھے۔ ملک میں لاء اینڈ آرڈر کی حالت دن بدن خراب سے خراب تر ہو رہی تھی۔

مسلح فلسطینی عمان میں لوگوں سے گن پوائنٹ پر چندے وصول کر رہے تھے۔ مہاجر کیپوں میں ان کی اپنی پولیس فورس بن چکی تھی جنکا اردنی پولیس کیساتھ کئی مرتبہ مسلح تصادم ہو چکے تھے۔ ایک بار تو انہوں نے فوج کے ایک سپاہی کو دن دھاڑے ہلاک کرنے کے بعد اُس کا سر کاٹ کر

پھینک دیا۔ یکم ستمبر 1970ء کو شاہ حسین اپنی بیٹی کے استقبال کیلئے عمان اتر پورٹ جا رہا تھا کہ اچانک ایک فلسطینی نے اُس کی کار پر مشین گن سے فائرنگ شروع کر دی مگر خوش قسمتی سے وہ بال بال بچ گیا۔ آخر صبر کے سارے پیمانے لبریز ہو گئے تو شاہ حسین نے سولہ ستمبر کو مارشل لاء کا اعلان کر دیا اور اس کے چوبیس گھنٹے بعد اردنی نینک اور توپ خانہ مہاجر کیپوں کی طرف حرکت کرنے لگا۔ فلسطینیوں نے عمان کے ارد گرد پہاڑوں میں منظبوط مو رپے بنائے تھے۔ لیکن شاہ حسین نے پھر بھی معرکہ آرائی سے قبل یا سرعفات کو پیغام بھیجا کہ اگر وہ چاہے تو حالات پر قابو پایا جاسکتا ہے مگر یا سر عفات کا جواب مایوس کن تھا اُس نے کہا کہ مجھے افسوس ہے حالات اب میری کنٹرول سے باہر ہو چکے ہیں، میں صرف آپ کو چوبیس گھنٹے کی مہلت ہی دے سکتا ہوں جس میں آپ ملک چھوڑ کر چلے جائیں۔

کہتے ہیں کہ یا سر عفات کا یہ جواب سُن کر شاہی فوج کا سربراہ شاہ حسین کے سامنے رو پڑا تھا کہ اُسے اب ایکشن کی اجازت دی جائے۔ اس کے بعد اردنی فوج نے عمان کے پہاڑوں میں قائم فلسطینی اڈوں پر زبردست حملہ شروع کر دیا۔ مسلسل دس دن تک شاہی نینک اور توپیں ان پر آگ اور لوہے کی بارش برساتے رہے۔ 27 ستمبر کو جب جنگ بندی کا اعلان ہوا تو بیس ہزار فلسطینی اس خونریز جھڑپ کی نذر ہو چکے تھے۔ اور اس کے ساتھ ہی پی ایل او کے تمام مسلح دھڑوں کو اردن کی سرزمین سے نکل جانے کا حکم ہوا۔ کہتے ہیں کہ اردنی فوج نے اس قدر شدید کریک ڈاؤن شروع کیا تھا کہ ان کے خوف سے اکثر فلسطینی جنگجو دریائے اردن عبور کر کے اسرائیلی سرحدی محافظوں سے پناہ مانگنے لگے۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ انہیں اسرائیلیوں نے نہ جانے کیوں پناہ دے دی تھی۔

پی ایل او کے مسلح کمانڈوز نے اردن سے نکلنے کے بعد بیروت میں اپنے نئے ٹھکانے بنائے مگر انہوں نے ستمبر 1970ء کے ملٹری کریک ڈاؤن کا بدلہ لینے کیلئے ایک جیش فورس بنائی جس کا نام انہوں نے بلیک ستمبر رکھا۔ انھیں نومبر 1971ء کو قاہرہ میں اردن کا وزیر اعظم وصفی الطلال عرب لیگ کے ایک اجلاس میں شرکت کے بعد دریائے نیل کے کنارے واقع ہوٹل شیرین پینا جہاں اُس کی بیوی بھی مقیم تھی۔ وہ ابھی ہوٹل کی لابی میں تھا جہاں بہت سارے ٹورسٹ اور سرکاری مہمان بھی ادھر ادھر چہل پہل کر رہے تھے کہ اچانک ایک فلسطینی نوجوان نے انتہائی قریب سے اُس پر پستول کے پانچ فائر کئے جس سے وہ خون میں لت پت وہاں گر پڑا اور موقع ہی پر ہلاک ہو گیا۔ اُس کے قاتل منصور سلیمان خلیفہ اور اُس کے تین اور ساتھیوں کو قاہرہ پولیس نے فوراً ہی گرفتار کر لیا۔ پولیس جب انہیں اپنی گاڑی میں لیجا رہی تھی تو انہوں نے نعرے لگائے: ہم بلیک ستمبر کے فدائی ہیں:۔ کچھ عینی شاہدوں کے مطابق منصور نے مقتول وزیر اعظم کے جسم سے پتے ہوئے خون میں انگلی ڈبو کر اُسے اپنے منہ میں ڈال کر چکا تھا۔ مصر نے بعد میں ان چاروں فلسطینیوں کو چپکے سے رہا کرنے کے بعد دمشق رخصت کر دیا۔ بلیک ستمبر نے پھر اسی سال اندن میں اردنی سفیر پر بھی قاتلانہ حملہ کیا مگر وہ خوش قسمتی سے بچ نکلا۔

میونخ اولمپک کے آغاز سے قبل ہی موساد کو خفیہ اطلاعات موصول ہو رہی تھی کہ پی ایل او نے اس موقع پر اسرائیل کے خلاف مظاہروں کا پروگرام بنایا ہے۔ لیکن اس کے اصل منصوبے کے بارے میں موساد کو بالکل خبر نہیں تھی۔ بلیک ستمبر نے اس آپریشن کی پلاننگ 1972ء کے اوائل میں ہی بیروت کے ایک خفیہ مقام پر مکمل کر لی تھی۔ اسے اس قدر خفیہ رکھا گیا تھا کہ ماسوائے پی ایل او کے چند چوٹی کے راہنماؤں کے علاوہ کسی کو اس

کی ہوا تک نہیں لگی تھی۔

گیمز شروع ہونے سے پہلے ہی موساد کے اہل کار اسرائیلی کھلاڑیوں کے حفاظتی اقدامات کی جانچ پڑتال کرنے مغربی جرمنی پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے جرمن انٹیلی جنس کو مشورہ دیا کہ میونخ پہنچنے والے تمام عرب باشندوں کی کڑی نگرانی کا بندوبست کیا جائے لیکن جرمن حکومت خوشی کے اس بین الاقوامی موقع پر غیر معمولی پولیس چیکینگ اور پکڑ دھکڑ کو معیوب سمجھ رہی تھی۔ وہ عالمی ذہن سے نازی دور کی تلخ یادیں مٹانے کیلئے ان کھیلوں کو بڑی اہمیت دے رہی تھی۔

آٹھ جولائی کو جب گرمی کی شدت نے دمشق کے باسیوں کو گھروں میں پناہ لینے پر مجبور کیا تو یوسف نجار (بلیک تمبر کا سخت گیر لیڈر) نے پی ایل او کے مختلف دھڑوں کے اہم لیڈروں کے ساتھ ایک خفیہ میٹینگ کی۔ جس میں انہوں نے اس آپریشن کی مختلف منظوری دی۔ اگست میں بلیک تمبر کے دو کمائنڈوز میونخ پہنچے تاکہ حالات کا جائزہ لے سکیں۔ اُن کی آمد کے چند ہفتے بعد اُن کے دوسرے آٹھ ساتھی بھی پہنچ گئے۔ اُن میں سے کسی نے بھی ہوائی سفر اختیار نہیں کیا۔ وہ روم اور بلغراد سے الگ الگ مختلف زمینی راستوں سے آئے تھے۔ اس کے علاوہ اُن میں سے کسی کے پاس دوران سفر کسی قسم کا اسلحہ یا دھماکا خیز مادہ نہیں تھا۔ میونخ میں شامی سفارت کاروں نے انہیں حتمی فرماہم کرنے تھے۔

اولپک ویلج پر بلغار کیلئے 5 ستمبر صبح ساڑھے چار بجے کا وقت مقرر ہو چکا تھا۔ مقررہ دن شہر کے مختلف مقامات سے وہ فلسطینی کمائنڈوز کندھوں پر سفری بیگ لٹکائے اور ٹریک سوٹ پہن کر نکلے۔ وہ اولپک ویلج کے قریب پہنچ کر اکٹھے ہوئے۔ اُن کے بیگوں میں جدید AK.47 کلاشنکوف اور لاتعداد کارتوس پڑے ہوئے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ دیوار پھلانگ کر کھلاڑیوں کے ہوسٹل کی طرف بڑھے۔ ہوسٹل میں گہری خاموشی تھی کیونکہ ابھی کوئی بھی جاگ نہیں تھا۔ بلیک تمبر کے خفیہ اہل کاروں نے اس سے قبل اسرائیلی ایٹھیلیس کے کمروں کی نشان دہی کر دی تھی۔ لہذا وہ سیدھا انہی کمروں کی طرف گئے جہاں اسرائیلی ٹیم کے کھلاڑی نیند کی گہری آغوش میں تھے۔

اچانک اُن فلسطینیوں نے فائرنگ کر کے کمروں کے دروازے توڑ دیے اور اندر گھس گئے۔ انہوں نے اسرائیلی کھلاڑیوں کو ہتھو کریں مار کر ہاتھ اوپر اٹھانے کا حکم دیا۔ اسرائیلی ابھی تک اصل صورت حال سے واقف نہیں ہوئے تھے۔ شاید وہ اسے کوئی ڈراؤنا خواب سمجھ رہے تھے۔ دو اسرائیلی کھلاڑیوں نے مزاحمت کی کوشش بھی کی مگر وہ جلد ہی سب مشین گن کی ایک گونج دار برست کا شکار ہو گئے۔ فلسطینی کمائنڈوز نے ان دونوں کی لاشوں کو گھسیٹ کر کمرے سے باہر پھینک دیا اور باقی نو کویر غمال بنا لیا۔ اس واقعے کے چند ہی لمحوں بعد جرمن پولیس متعدد بچپوں میں، جن کے سائزن بُری طرح جچ رہے تھے، جانے وقوع پر پہنچ چکی تھی۔ پولیس نے فوراً پوری عمارت کو گھیرے میں لے لیا۔ آخر کار جرمن حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں نے فلسطینی گوریلوں کے ساتھ بات چیت کا آغاز کیا۔ انہوں نے اسرائیلی جیلوں میں قید دو فلسطینیوں کی غیر مشروط رہائی کا مطالبہ کیا۔ اسرائیل کے سفیر نے جو خود بھی وہاں موجود تھا، گوریلوں کے مطالبات سے اپنی حکومت کو خبردار کیا۔ وہاں تل ابیب میں اسرائیلی کابینہ کا ایمر جنسی اجلاس ہوا جس میں وزیر اعظم مسبر گولڈامیر نے ان مطالبات کو سختی سے رد کرتے ہوئے اعلان کیا کہ وہ اُن کے سامنے گھٹنے نہیں ٹکیں گے۔ وقت تیزی سے کھسک رہا تھا لیکن مسئلہ کا کوئی حل دور دور تک نظر نہیں آ رہا تھا۔ اُدھر گوریلوں نے دھمکی دی کہ اگر مقررہ ڈیڈ لائن تک اُن کے مطالبات تسلیم

نہ کہیں گئے تو وہ ہر گھنٹے بعد ایک ریغالی کو ہلاک کرتے جائیں گے۔ جرمن حکومت اپنی ناقص سکیورٹی انتظامات کی وجہ سے انتہائی تنقید اور ملامت کی زد میں تھی۔ اولمپک گیمز عارضی طور پر روک دیئے گئے تھے۔ کچھ جرمن سیاست دانوں نے گوریلوں کو رضا کارانہ طور پر پیش کش کی کہ کھلاڑیوں کے بجائے انہیں ریغال بنالیا جائے۔ لیکن فلسطینی برابر اپنے مطالبات پر جتھے رہے۔

آخر پورا دن بھی گزر گیا اور دوبارہ شام ہو گئی مگر حالات جوں کے توں ہی رہے۔ اچانک رات گئے فلسطینی فدائین نے ایک اور مطالبہ کیا کہ انہیں ایک بونینگ جہاز فراہم کیا جائے تاکہ وہ ریغالیوں کو لیکر قاہرہ جا سکیں جہاں وہ گفت و شنید دوبارہ شروع کریں گے۔ رات کے دوسرے پہر دو ملٹری جیلی کا پٹر اولمپک ویلج سے فضاء میں بلند ہوئے۔ ایک ہیلی کاپٹر میں کمانڈر اپنے ریغالیوں کیساتھ بیٹھے ہوئے تھے جبکہ دوسرے میں جرمن پولیس کے اعلیٰ حکام اور موساد کے کچھ افسر سوار تھے۔ فلسطینی کمانڈر کو یہ بتا دیا گیا تھا کہ انہیں لٹھنا ائیر لائن کا ایک خصوصی بونینگ فراہم کیا جا رہا ہے۔

دونوں ہیلی کاپٹر میونخ سے کچھ دور ایک فوجی ہوائی اڈے پر جا اترے۔ دن دے پر ایک بونینگ 727 پہلے سے کھڑا تھا۔ جرمن حکام نے فلسطینیوں سے کہا کہ وہ نیچے اتر کر جہاز پر سوار ہو جائیں تاکہ ان کی خواہش کے مطابق انہیں قاہرہ پہنچا دیا جائے۔ گوریلا لیڈر نے کہا کہ وہ پہلے جہاز کا معائنہ کرنا چاہتے ہیں کہ کہیں انہیں ٹریپ تو نہیں کیا جا رہا ہے۔ جرمن پولیس کے سربراہ نے انہیں فوراً اجازت دے دی۔ آخر دو نقاب پوش مسلح فلسطینی ہیلی کاپٹر سے اتر کر جہاز کی طرف چل پڑے۔ انہوں نے طیارے کا اندر سے تھوڑی دیر معائنہ کیا۔ جہاز کے انجن بالکل سرد تھے اور عملے کا کوئی فرد موجود نہیں تھا۔ فلسطینی سمجھ گئے کہ ان کیساتھ دھوکہ ہو رہا ہے۔ وہ فوراً جہاز سے اتر کر واپس اپنے ہیلی کاپٹر کی طرف بھاگنے لگے کہ اچانک ائر پورٹ کے کنٹرول ٹاور کی چھت سے جرمن کمانڈر نے ان پر مشین گن کا فائر کھول دیا۔ وہ دونوں فلسطینی موقع پر گولیوں سے چھلٹی ہو کر ہلاک ہو گئے۔ ادھر ہیلی کاپٹر پر موجود فلسطینی گوریلوں نے بھی جوابی فائرنگ شروع کر دی۔

شدید فائرنگ کے تبادلے سے بجلی کی تاریں کٹ کر گر گئیں جس سے پورا ائر پورٹ تاریکی میں ڈوب گیا۔ فلسطینیوں نے ایک جرمن کمانڈر کو نشانہ بنایا۔ وہ گولی لگتے ہی چھت سے گرا اور وہیں ہلاک ہو گیا۔ یہ شوٹ آؤٹ چھ منٹ تک جاری اس کے بعد کچھ دیر خاموشی چھا گئی۔ نوے منٹ بعد اچانک گوریلوں نے ہیلی کاپٹر سے چھلانگیں لگائی۔ انہوں نے ریغالیوں پر گولیوں کی بوچھاڑ شروع کر دی، اور اس کے ساتھ ہی آٹھ دس گرینڈ بھی ہیلی کاپٹر کے پیٹ میں لڑھکا دیے۔ خوفناک دھماکوں سے ہیلی کاپٹر کے پر نیچے اڑ گئے۔ نو ریغالیوں کے اعضاء ائر پورٹ میں دور دور تک بکھر گئے۔ اسکے بعد جرمن کمانڈر نے ان پر زبردست فائرنگ شروع کر دی جس کے نتیجے میں دو اور گوریلے ہلاک ہو گئے۔ باقی چار کو پولیس نے شدید ڈھکی حالت میں گرفتار کر لیا۔

اور اس کیساتھ اس خونخوارے کا ڈراپ سین مکمل ہوا۔ دمشق اور بیروت میں فلسطینیوں نے میونخ آپریشن کی کامیابی پر زبردست جشن منائے۔ فلسطینی نوجوانوں نے ہوائی فائرنگ کر کے اپنی خوشی کا اظہار کیا۔

تیرہ ستمبر کو پی ایل او کے ایک کیونست راہنما جارج حباش نے بیروت کے ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا:

A bomb in the white house, a mine in the Vatican, the death of Mao Tse-tung

earthquake in Paris, none of these could have produced the far-reaching echo every man in the world like the operation of Black September in Munich:

میونخ سے ایک خصوصی طیارے میں جب اسرائیلی کھلاڑیوں کے تابوتِ تل ابیب پہنچے تو ہمسو گولڈا میسر بذات خود انرپورٹ پر موجود تھی۔ اسرائیل نے تین دن قومی سوگ کا اعلان کیا۔ اسرائیلی وزیراعظم کھلاڑیوں کے لواحقین کے پاس اُن کے گھروں میں گئی اور انہیں دلا سہ دیتی رہی۔ ادھر چار فلسطینی کمانڈوز کی لاشیں لیکر ایک بوئینگ طرابلس پہنچا تو اُن کے استقبال کیلئے قذافی بذات خود انرپورٹ پر موجود تھا انہیں سرکاری اعزاز کیساتھ دفنایا گیا۔

یاسر عرفات اور پی ایل او کی قیادت کو زیادہ انتظار کرنا نہیں پڑا۔ میونخ کے حساب کتاب کو بے باک کرنے کیلئے آٹھ ستمبر کو اسرائیلی انرفورس کے لڑاکا طیاروں کے ایک سکواڈرن نے شام اور لبنان میں فلسطینی ٹھکانوں پر شدید بمباری کی۔ اس ہوائی حملے میں ایک اندازے کے مطابق تین سو بے گناہ فلسطینی بچے بوڑھے اور عورتیں ہلاک ہوئیں۔ اس کے بعد سولہ ستمبر کو طلوع آفتاب سے پہلے اسرائیلی فوج کا ایک دستہ لبنان میں سرحد عبور کرتا ہوا فلسطینی کیمپوں میں داخل ہوا۔ انہوں نے وہاں خوب لوٹ مار کرنے کے بعد ایک سو پچاس کے قریب مکانوں پر ریل ڈوزر چلا کر انہیں مسمار کر دیا۔

جوابی کاروائی میں بلیک ستمبر نے امریکہ اور یورپ میں متعین اسرائیلی سفارت کاروں کو ستر کے قریب (Letter bomb) لیٹر بم روانہ کیے۔ جن میں سے اکثر تو بروقت شناخت ہونے پر ناکارہ بنا دیے گئے تھے لیکن کچھ اپنا کام کر گئے۔ لندن میں ایک اسرائیلی سفارت کار نے اپنے نام کا ایک پارسل جو نبی کھولا تو زوردار دھماکا ہوا اور وہ موقع پر ہی ہلاک ہو گیا۔ لیٹر بم ایک انتہائی طاقتور دھماکا خیز مادہ RDX سے تیار ہوتا ہے۔ یہ عام کاندھ کی طرح باریک ہوتا ہے جسے باآسانی ڈاک کے لفافے میں فولڈ کر کے بند کیا جاسکتا ہے۔ RDX کے ورق کو لفافے میں ایک باریک Detonator سے منسلک کر دیا جاتا ہے۔ اب جسے ہی یہ نامہ مرگ بذریعہ ڈاک کسی کو موصول ہوتا ہے اور وہ اُسے کھولنے لگتا ہے تو RDX ایک خوفناک دھماکے سے پھٹ کر اُس کی جان لے لیتا ہے۔

میونخ آپریشن کے دوران زندہ بچ جانے والے تین فلسطینی کمانڈوز ابھی تک جرمن حکومت کی تحویل میں تھے۔ بلیک ستمبر نے ان کی رہائی کیلئے مغربی جرمنی کے چانسلر کو ایک خط لکھا اور ساتھ دھمکی بھی دی کہ اگر انہیں فوراً چھوڑا نہیں گیا تو بین الاقوامی فضائی راستوں پر لٹھیا نازلان کا کوئی طریقہ محفوظ نہیں رہے گا۔ جرمنی نے اس مطالبے کو سختی سے رد کر دیا۔ آخر بلیک ستمبر نے اپنی اس دھمکی کو حقیقت میں جلد ہی بدل ڈالا۔ انہوں نے لٹھیا نازلان کا ایک بوئینگ ہیروٹ سے پرواز کے چند ہی لمحوں بعد اغوا کر لیا۔ یہ جہاز جس پر عملے کے علاوہ بیس مسافر سوار تھے، انقرہ جا رہا تھا۔

ہائی جیکروں نے جہاز کو یوگوسلاویہ میں اترنے پر مجبور کیا، جہاں سے ایندھن لیکر وہ میونخ روانہ ہوئے۔ میونخ پہنچ کر فضاء ہی سے انہوں نے جرمن حکام کیساتھ ریڈیائی رابطہ قائم کر کے انہیں اپنا ہرانا مطالبہ دھرایا۔ حکومت نے اس اندیشہ کے تحت کہ دوبارہ میونخ جیسا قتل عام نہ ہو جائے اُن تینوں فلسطینیوں کو رہا کر دیا اور انہیں ایک جہاز میں بیٹھا کر طرابلس پہنچا دیا جہاں اُن کا بطور ہیرو استقبال ہوا۔ لیبیا کے سرکاری ٹیلی ویژن پر اُن کے براہ راست انٹرویو نشر کئے گئے۔ اسرائیل نے مغربی جرمنی کے اس اقدام کی شدید مذمت کی۔

سانحہ میونخ کے چند ہی ہفتوں بعد موساد نے اپنے ذرائع سے اس آپریشن کے ذمہ دار افراد کا پتہ چلا لیا۔ بقول موساد اس قتل عام کا آپریشن انچارج ایک خوبرو نوجوان علی حسن سلا سے تھا۔ علی حسن سلا سے یاسر عرفات کا انتہائی قریبی ساتھی تھا، وہ اُس کی ذاتی سیورٹی فورس (Force-17) کا سربراہ بھی تھا۔ سلا سے انتہائی ذہین شخص تھا۔ اس کے پاس بیک وقت کئی سفارتی پاسپورٹ تھے جن کی مدد سے وہ آسانی دنیا بھر میں گھومتا رہتا تھا۔ وہ کبھی ایک رات سے زیادہ کسی جگہ نہیں ٹھہرتا تھا۔ پی ایل او کے حلقوں میں وہ ابوسن اور موساد کی خفیہ فائل میں Red prince کے کوڈ سے جانا جاتا تھا۔

حسن سلا نے 1971ء کی حسینہ عالم لیبانی دوشیزہ جارجینہ رزق (Georgina Rizk) سے شادی رچائی تھی۔ مسز گولڈمیر نے علی الاعلان کہہ دیا تھا کہ میونخ آپریشن کے ذمہ دار دنیا کے کسی کو نہ میں بھی اسرائیلی انتقام سے نہیں بچ سکیں گے۔ اسرائیلی وزیراعظم نے بیس اہم فلسطینی لیڈروں کے ڈیوٹھ وارنٹ پر دستخط کئے۔ یہ افراد بقول موساد میونخ آپریشن میں براہ راست ملوث تھے۔ موساد نے ان افراد کو ٹھکانے لگانے کیلئے ایک خصوصی ہسٹ WRATH OF GOD کے نام سے ترتیب دی، اس ٹیم میں شین دتھ کے انتہائی پیشہ ور کمانڈر کو شامل کیا گیا۔ 1972ء اور 1973ء کے درمیان اس ٹیم نے یورپ اور مشرق وسطیٰ کے مختلف شہروں میں بلیک سمبر کے ذمہ دار افراد کو چُن چُن کر ختم کیا۔ بقول یاسر عرفات اس کے 60 آدمی W.O.G کا شکار ہوئے۔

عبدل وائل (Abdul Wael Zwaiter) روم میں لیبیا کے سفارت خانے میں بطور ترجمان ملازم تھا۔ سولہ اکتوبر 1972ء کو دفتر سے چھٹی کے بعد وہ حسب معمول سیدھا اپنے گھر پہنچا۔ وہ جونہی اپنے فلیٹ کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو دو اجنبی اشخاص نے اُس پر انتہائی قریب سے پستول کے کئی فائر کئے گولیاں اُس کے سر اور سینے میں لگی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اُس کے ایک ہمسائے کے بقول دو آدمی تیزی سے اُس کے فلیٹ سے اتر کر ایک سُرخ رنگ کی کار میں بیٹھ کر فرار ہو گئے۔ کار کی ڈرائیور سنہرے بالوں والی ایک لڑکی تھی جو مکان کے بلکل قریب اپنے ساتھیوں کا انتظار کر رہی تھی۔

اطالوی پولیس قاتلوں کا سراغ نہیں لگا سکی مگر بلیک سمبر کو خوب پتہ تھا کہ یہ کس کی کاروائی ہے۔ عبدل وائل پر میونخ آپریشن کے علاوہ اسرائیلی اِز لائن کے ایک طیارے کو تباہ کرنے کی سازش کا بھی الزام تھا۔ اسرائیلی ہسٹ Wrath of God کا دوسرا شکار چونتیس سالہ ڈاکٹر ہمشاری بنا۔ وہ پیرس میں پی ایل او کے سفارتی مشن میں نمائندے کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ اُس پر 1969ء میں اسرائیلی وزیراعظم ڈیوڈ بن گوریان پر قاتلانہ حملہ کرنے کا الزام تھا۔

میونخ آپریشن کیلئے اُس نے کئی اہم امور کی نگرانی کی تھی۔ پیرس میں قیام کے دوران ڈاکٹر ہمشاری مسلح سیورٹی گارڈ کے بغیر گھر سے ایک قدم باہر نہیں نکالتا تھا۔ دسمبر کے مہینے میں اُس کی گلی میں کچھ Plumber ایک پائپ لائن کی مرمت کر رہے تھے کہ غلطی سے انہوں نے ٹیلے فون کیبل کو نقصان پہنچا دیا، جس سے ڈاکٹر ہمشاری کا ٹیلے فون خراب ہو گیا۔ ہمشاری نے محکمہ ٹیلیفون کو اس کی شکایت کی تو انہوں نے معائنے کیلئے ایک ٹیکنیشن اُس کے گھر بھیج دیا۔ ٹیکنیشن دراصل موساد کا مقامی خفیہ اہل کار تھا اُس نے ہمشاری اور اُس کے گارڈز کی موجودگی میں ٹیلے فون

سیٹ کھول کر مرمت کی۔ اُس نے نظریں بچا کر چپکے سے ایک چھوٹا سا ریوٹ کنٹرولڈ بم ریسیور کے اندر لگا دیا۔ تھوڑی دیر بعد ٹیلے فون ٹھیک کر کے وہ چلا گیا۔ دوسرے دن صبح کے وقت فون کی گھنٹی بجی تو ڈاکٹر ہمشاری نے ریسیور اٹھایا، دوسری طرف سے کسی نے پوچھا: کیا آپ ڈاکٹر ہمشاری بول رہے ہیں؟ اُس نے اثبات میں جواب دیا۔ اِس کے محض دس سیکنڈ بعد سیٹ ایک زوردار دھماکے سے پھٹ پڑا اور ہمشاری بری طرح زخمی ہو گیا۔ اُسے فوراً ہسپتال پہنچایا گیا جہاں وہ ایک ماہ تک زیر علاج رہنے کے بعد چل بسا۔

ابھی یورپ میں موساد اور بلیک ستمبر کے درمیان خفیہ جنگ جاری تھی کہ اسرائیلی وزیر اعظم مہر گولڈامیر نے وینی کن سنی کے دورے کا اعلان کیا۔ ادھر اٹلیے جس کیبونی نے ایسے حالات میں اس بات کی بڑی مخالفت کی لیکن گولڈامیر نے کہا کہ وہ ضرور جائے گی۔ بلیک ستمبر کو جب پتہ چلا کہ اسرائیلی وزیر اعظم کا طیارہ روم کے انٹرنیشنل ایئر پورٹ پر اترے گا تو اُنہوں نے اسے تباہ کرنے کا منصوبہ بنانا شروع کیا۔ علی حسن سلا سے جو اُن دنوں مشرقی جرمنی گیا ہوا تھا اُسے وہاں سے اس مقصد کیلئے روسی ساختہ سٹریلا (Strella) میزائل حاصل کئے۔ یہ میزائل با آسانی کندھے سے فائر کیا جاسکتا ہے اور اس کی مار ساڑھے تین کلومیٹر ٹھکڑا میز تک ہوتی ہے۔ مشرقی جرمنی سے ان میزائلوں کو یوگوسلاویہ میں قائم پی ایل او کے تربیتی کیمپ پہنچایا گیا۔ پھر وہاں سے ان کو ایک سمندری لالچ میں اٹلی روانہ کیا گیا۔ رات کی تاریکی میں یہ لالچ اٹلی کے ایک ویران ساحل پہنچی تو وہاں علی حسن سلا سے پہلے سے انتظار میں کھڑا تھا۔ اُنہوں نے میزائلوں کے کریٹ کشی سے اتار کر پاس کھڑی ایک فیٹ Fiat ویگن میں رکھے۔ اس کے بعد اُنہوں نے لالچ میں سوراخ کر کے اُسے سمندر میں ڈبو دیا۔ پھر وہ اُس ویگن میں بیٹھ کر روم روانہ ہوئے۔ اُنہوں نے شہر کے وسط میں کرائے کے ایک مکان میں یہ میزائل چھپا کر رکھ دیئے۔

مہر گولڈامیر اپنے غیر ملکی دوروں کے پہلے مرحلے میں فرانس پہنچ چکی تھی۔ ادھر روم میں اُس کی آمد کے پیش نظر موساد اطالوی اٹلیے جس ایجنسیوں کے ہمراہ حفاظتی اقدامات کو ہر لحاظ سے مکمل کرنے کی سر تو دکوشش میں مصروف تھی کیونکہ انہیں لندن میں مقیم ایک فلسطینی طالب علم ایجنٹ سے ٹھہرے اطلاع موصول ہوئی تھی کہ بلیک ستمبر اسرائیلی وزیر اعظم کا طیارہ روم میں اترتے وقت تباہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ اطالوی پولیس بھی سخت دباؤ میں تھی۔ روم میں مقیم سینکڑوں فلسطینیوں کے گھروں پر پولیس نے راتوں رات چھاپے مارے مگر انہیں فلسطینی کمانڈرز کا کہیں سراغ نہ مل سکا۔ لیکن کبھی کبھی خوش قسمتی بھی بڑے کام دیکھا جاتی ہے۔ ہوا یوں کہ برسلا میں موساد کے ایک اہل کار کو ایک مشہور کالنگرل پر شک ہوا کہ اُسکے مداحوں میں کچھ فلسطینی جو انو جان بھی شامل ہیں جو اکثر اسکے پاس آتے رہتے تھے۔ اِس لڑکی کو کئی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ موساد کو باوثوق ذرائع سے یہ بھی پتہ چلا تھا کہ علی حسن سلا سے یورپ میں قیام کے دوران اِس لڑکی کو ملنے ضرور آتا ہے۔ ایک دن موساد نے چپکے سے اِس کے فلیٹ تک رسائی حاصل کی۔ اُنہوں نے اِس کے ٹیلے فون سیٹ میں ایک طاقتور ٹرانسمیٹر نصب کر دیا۔ اِس کے بعد اسرائیلی سفارت خانے میں ماہرین بڑے دھیان کیساتھ لڑکی کے کمرے میں ہونی والی سرگوشیوں کو سننے لگے۔

گولڈامیر کی روم میں آمد سے محض تین دن پہلے علی حسن سلا نے اِسی فون پر روم میں اپنے ایک ساتھی کو ایک ٹھہرے پیغام بھیجا: ”مکان فوراً خالی کر کے اپنے چودہ ایک ساتھ لے جاؤ“ یہ پیغام اسرائیلی سفارت خانے کے جدید آلات نے اُسی وقت ریکارڈ کر لیا تھا۔ اِس کے ساتھ

اسرائیلیوں نے روم میں اُس شخص کا فون نمبر بھی معلوم کر لیا، جس کی مدد سے روم کی ٹیلی فون ڈائریکٹری سے مکان کا مکمل ایڈریس معلوم کر لیا گیا۔ مو ساد کے ٹھہرے اہل کاروں نے اُس مکان کو فوراً ڈھونڈ نکالا۔ انہوں نے مکان کا تالا کھول کر دیکھا تو اندر کچھ بھی نہیں تھا، شاید وہ شخص انتہائی سرعت کیساتھ اسے خالی کر کے چلا گیا تھا۔ انہوں نے مکان کا ایک ایک کونہ چھان مارا مگر انہیں کوئی مشکوک چیز نظر نہیں آئی۔ وہ واپس ہو کر جانے ہی والے تھے کہ انہیں فرش پر کاغذ کا ایک مڑا خورا سا ٹکڑا نظر آیا۔ انہوں نے اُسے ہموار کر کے دیکھا تو اس پر پرنٹسل سے Strella میزائل کا خاکہ بنا ہوا تھا اور نیچے روسی زبان میں کچھ ہدایات درج تھیں۔ موساد کو ممکنہ قاتلانہ حملے کا مکمل سراغ مل چکا تھا۔ مگر اب مسئلہ اُن فلسطینیوں کو ڈھونڈ کر میزائلوں سمیت پکڑنے کا تھا۔ ادھر دودن بعد میسر گولڈامیر کا طیارہ روم انٹرنیشنل ایئر پورٹ پر اترنے والا تھا۔ اطالوی انٹیلی جنس اور موساد ملکر شکاری ٹیموں کی طرح ان فلسطینیوں کی تلاش میں پورے شہر کو سونگتے پھر رہے تھے۔ موساد کے ڈائریکٹر نے سخت ڈپٹی دباؤ میں آ کر گولڈامیر سے التجا کی کہ ممکنہ قاتلانہ حملے کے پیش نظر وہ اپنا دورہ وہیں کن نے الحال ملتوی کر دے۔ لیکن گولڈامیر نے دو ٹوک الفاظ میں جواب دیتے ہوئے کہا: میں نے پوپ سے ضرور ملنا ہے تم اور تمہارے لڑکے ذمہ دار ہیں کہ میرا جہاز بحفاظت روم ایئر پورٹ پر اترے۔ اب موساد کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار رہی نہیں تھا کہ تلاش کا کام مزید تیز کر دیا جائے۔ انہوں نے ایئر پورٹ کے ارد گرد تمام علاقہ چھان مارا۔ انہوں نے شہر کے تمام ہوٹلوں اور یوتھ ہاسٹلوں کو کھنگالا مگر بے فائدہ۔ بلکہ تجربہ شہر میں پولیس کی غیر معمولی گشت سے بخوبی خبردار تھی۔ انہوں نے میزائل ایک وین میں لا کر پوری رات ایک سُنسان سمندری ساحل پر گزر ادی۔

اسرائیلی وزیراعظم کی آمد میں صرف 24 گھنٹے رہے چکے تھے۔ وہ وین ساحل سمندر سے ایک سڑک پر روم ایئر پورٹ کی طرف روانہ ہوئی۔ اس وین میں کل آٹھ Strella میزائل تھے یہ محض حُسن اتفاق تھا کہ ایئر پورٹ کے ارد گرد گشت میں مصروف ایک پولیس پارٹی کی نظر اس وین پر پڑی جو ایئر پورٹ سے ذرا دور ایک کھیت میں الگ تھلگ کھڑی ہو چکی تھی۔ پولیس نے وین میں سوار دو آدمیوں کو جو غیبی لٹکارا، تو انہوں نے مشین گن سے اُن پر فائرنگ شروع کر دی۔ پولیس نے بھی جوابی کارروائی میں فائرنگ شروع کر دی۔ تھوڑی ہی دیر میں پولیس نے انہیں گھیرے میں لیکر گرفتار کر لیا اور میزائل سمیت وین پر قبضہ کر لیا۔ پولیس کے بے پناہ تشدد کے بعد اُن دو فلسطینی کمانڈوز نے اپنے دو اور ساتھیوں کا پتہ بتا دیا۔

تھوڑی دیر کی تنگ دود کے بعد وہ دونوں کمانڈوز بھی چار میزائلوں سمیت پولیس کے ہاتھ چڑھ گئے مگر ٹھہرے اطلاعات کے مطابق اب بھی دو میزائل باقی تھے۔ گولڈامیر کا طیارہ آدھے گھنٹے بعد اترنے والا تھا۔ موساد اور اطالوی پولیس نے ان دو کمانڈوز کا مار مار کر بُرا حال کر دیا تھا مگر وہ برابر لاعلمی کا اظہار کرتے رہے۔ آخر ایک فلسطینی نے نفرت سے چیخے ہوئے کہا: چاہے تم کچھ بھی کرو، چند منٹ بعد تمہاری وزیراعظم ہمیشہ کیلئے ختم ہو نے والی ہے۔ اطالوی پولیس کے سربراہ کو وزیر داخلہ نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اگر وہ مہمان وزیراعظم کی حفاظت کرنے میں ناکام رہا تو اُس کی خیر نہیں ہوگی۔

آخر زبردست جدوجہد کے بعد پولیس نے ایک خوراک لیجانے والے ٹرک میں دو آخری فلسطینیوں کو میزائلوں سمیت حراست میں لے لیا۔ تھوڑی دیر بعد ایئر پورٹ کے کنٹرول ٹاور نے فضاء میں اسرائیلی بوئینگ 707 کو اترنے کا گرین سگنل دیا۔ اور یوں گولڈامیر بحفاظت

ایئر پورٹ سے دینی کن پہنچی۔ لیکن ایک مہینے بعد اعلیٰ حکومت نے بھی مغربی جرمنی کی طرح اُن پانچ فلسطینیوں کو بلیک متبر کی مسلسل دھمکیوں کے پیش نظر ہار کر کے لیڈیا بھیج دیا۔

تینتیس سالہ حسین البشیر نکوسیا (قبرص) میں بلیک متبر کا آپریشن انچارج تھا۔ 24 جنوری 1973ء کو وہ بیروت سے نکوسیا پہنچا۔ اُس نے اولمپک ہوٹل میں اپنے لیے ایک کمرہ بک کیا۔ دوسرے دن صبح وہ کسی کام کیلئے ہوٹل سے کچھ دیر کیلئے باہر نکلا تو موساد کے دو اہل کار اُس کے کمرے میں گھس گئے، جہاں انہوں نے ایک خفیہ بم نصب کر دیا۔ حسین البشیر رات کو کافی دیر بعد جب اپنے کمرے پہنچا تو اُس نے سونے کی نیت سے کمرے کی بتیاں بجھا دیں اور اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ ہوٹل کے سامنے ایک دوسری عمارت کی کھڑکی سے ایک شخص نے اُس کے کمرے کی بتیوں کو جونہی بجھتے دیکھا تو اُس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ایک ریڈیو کثرتول کا ٹین بدایا، جسکے بعد ایک زوردار دھماکہ ہوا اور البشیر موقع ہی پر ہلاک ہو گیا۔ اُس کے کچھ دیر بعد جب پولیس وہاں پہنچی تو حسین البشیر کے بدن کے گلوے پورے کمرے میں ادھر ادھر بکھرے پڑے ہوئے تھے۔ جس وقت دھماکہ ہوا تو ہوٹل میں مقیم ایک اسرائیلی جوڑہ جوہنی مون منانے آیا ہوا تھا، سمجھے کہ بلیک متبر نے حملہ کر دیا ہے۔ اس واقعے کے چند ہی دنوں بعد بلیک متبر نے موساد کیساتھ حساب کتاب برابر کر دیا۔ برسوں کے اسرائیلی سفارت خانے میں متعین موساد کے شیٹن چیف Baruch cohen کو ایک فلسطینی نے جو دراصل ایک ڈبل ایجنٹ کے طور پر کام کر رہا تھا، فون پر بتایا کہ اگر وہ فوراً میڈرڈ آ جائے تو وہ بلیک متبر کے تازہ منصوبے کے بارے میں کچھ بتانا چاہتا ہے۔

Baruch cohen سب کچھ چھوڑ کر اُس دن میڈرڈ پہنچا۔ وہ فلسطینی ایک کیفے میریا میں اُس کا انتظار کر رہا تھا۔ Baruch cohen جونہی کیفے میریا میں داخل ہوا تو فلسطینی نے نشانہ لیکر اُس پر انتہائی قریب سے آٹو میٹک پستول کے کئی فائر کئے۔ گولیاں اُس کی کھوپڑی اور دل پر لگی۔ وہ موقع ہی پر ہلاک ہو گیا۔ Baruch cohen کی موت موساد کیلئے زبردست دھچکا تھی کیونکہ وہ انتہائی تجربہ کار اور ڈین شخص تھا۔

پھر اسرائیلی ہیٹ ایم (W.O.G) نے بلیک متبر کے ایک اور اہم کارکن کو پیرس میں ہلاک کر دیا۔ عراقی نژاد ڈاکٹر باصل القیس بیروت کی امریکن یونیورسٹی میں پڑھاتا تھا۔ اُس نے 1956ء میں عراق کے شاہ فیصل پر قاتلانہ حملے کی سازش میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس کے علاوہ وہ مسرگولڈ امیر کوینیو یارک میں کاریم کے ذریعے ہلاک کرنے کی ناکام کوشش کر چکا تھا۔ ڈاکٹر القیس بلیک متبر کے ٹھکانے پر اپنا کھیلے ہتھیاروں اور محفوظ اڈوں کا ڈھونڈ رہا تھا۔

چھاپریل 1973ء کو رات کے وقت وہ پیرس میں بلیک متبر کا ایک اہم اجلاس اٹینڈ کر کے اپنی کار میں واپس گھر جا رہا تھا، کہ ایک چوک پر کسی نے نزدیک سے اُس پر پستول سے آٹھ دس گولیاں چلائیں۔ ڈاکٹر القیس کار کی سیٹ پر ہی خون میں لپٹ ہلاک ہو گیا۔ اس واقعہ کے 24 گھنٹے بعد قبرص کے ایک فائیو سٹار ہوٹل میں بلیک متبر کے ایک اور اہم کمانڈر زید کوٹاٹم بم سے اڑا دیا گیا۔

نواپریل کو بلیک متبر نے پھر اپنا وار کیا۔ قبرص ہی میں اسرائیلی سفیری کی رہائش گاہ میں بم کا خوفناک دھماکہ ہوا جس سے مکان مکمل طور پر تباہ

ہو گیا مگر خوش قسمتی سے اسرائیلی سفیر بمع فیملی اس وقت گھر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ اس کے بعد فلسطینیوں کے دو گروپ جو الگ الگ جیپوں میں سوار تھے۔ قبرص انٹرنیشنل ایئر پورٹ کے حفاظتی آہنی جنگلے توڑتے ہوئے اندر داخل ہو گئے۔ انہوں نے رن وے پر کھڑے اسرائیلی ایئر لائن ELAL کے ایک طیارے پر سب مشین گنوں سے فائرنگ شروع کر دی۔ طیارے کے سکوریٹ گاڑڈز نے بھی جوابی فائرنگ کھول دی۔ بیس منٹ کی اس شٹ آؤٹ میں ایک فلسطینی کمانڈر ہلاک اور دوشدیدی زخمی ہو گئے۔ باقی پر پولیس نے قابو پایا۔

چھ اپریل 1973ء: پانچ مرد اور ایک خوبرو دوشیزہ لندن، پیرس اور روم سے علیحدہ علیحدہ پروازوں میں بیروت انٹرنیشنل ایئر پورٹ پہنچے۔ اُن کے پاس بگس برطانوی اور فرینچ پاسپورٹ تھے اور وہ عام سیاحوں کے بھیس میں تھے۔ ڈیڑھ ایئر پورٹ سے سیدھا ساحل سمندر پر واقع ایک مکئی منزلہ فیشن ایبل ہوٹل گئے جہاں انہوں نے اپنے لیے الگ الگ کمرے بک کئے۔ دوسرے دن انہوں نے پی ایل او کے ہیڈ کوارٹر کے متعلق ٹھہرے معلومات اکٹھی کیں۔ ہیڈ کوارٹر کی طرف جانے والی سڑکوں کا مشاہدہ کیا۔ انہوں نے ایک ویران سمندری ساحل کا بھی معائنہ کیا۔ انہوں نے شہر کی ایک Rent-a-car ایجنسی سے کچھ کاریں (Mercedes, Buicks, Renault & Plymouth) کرائے پر حاصل کیں۔ اس کے بعد اُن میں سے ایک شخص نے بیروت کے سنٹرل پوسٹ آفس سے فرانس میں ایک ایڈریس پر ایک ٹھہرے نیلے گرام بھیجا کہ سب کچھ تیار ہے۔

نواپریل کی رات ڈیڑھ بجے، گہری تاریکی میں بیروت کے ایک غیر آباد ساحل سے ایک میل دور کھلے سمندر میں ایک اسرائیلی میزائل بوٹ سے ربرڈ کی چھ کشتیاں رسیوں کی مدد سے سمندر پر اتاری گئیں۔ ان کشتیوں میں موساد کے تیس پیشہ ور کمانڈر و جدیدہ آٹو میک تھیا روں سے لیس سوار ہوئے۔ ساحل پر ایک مرد اور ایک عورت پہلے سے اُن کے انتظار میں کھڑے تھے۔ اُن کے قریب چار لینڈ کرورز بھی تیار کھڑے تھے۔ کشتیاں جو نبی ساحل پر پہنچی تو وہ کمانڈر و پانچ پانچ افراد کی ٹولیوں میں تقسیم ہو کر ان گاڑیوں میں بیٹھ گئے۔ اس کے بعد وہ تین تین منٹ کے وقفے سے وسطی بیروت کی طرف روانہ ہوئے۔ ڈیڑھ بیروت کے نائٹ کلب ایریا سے گذرتے ہوئے خالد بن ولید سٹریٹ میں ایک سات منزلہ عمارت کے سامنے جاڑے۔ اس بلڈنگ میں جارج حباش کی پی ایف ایل پی (PFLP) کے ممبر مقیم تھے جبکہ اس کے ساتھ ہی ایک دوسری گلی الخرموط میں ایک سہ منزلہ عمارت میں یاسر عرفات کا دست راست اور بلیک تمبکر کا انچارج یوسف التجار، اُس کا معاون کمال ادوان اور پی ایل او کا ترجمان کمال ناصر رہائش پذیر تھے۔

پی ایل او کے یہ تینوں بڑے لیڈر اس لمحے اپنے اپنے گھروں میں گہری نیند کی آغوش میں تھے۔ اسرائیلی کمانڈر و کیلئے اُن کے مکان تلاش کرنا بے حد آسان تھا کیونکہ اُن سے پہلے ہی ٹھہرے اہل کاروں نے ان پر مخصوص نشانات لگا دیے تھے۔ بلڈنگ کے گیٹ پر متعین مسلح محافظوں کو مشین گن کے ایک ہی برسٹ سے ختم کر کے وہ دوسری منزل پر چڑھ گئے۔ انہوں نے یوسف التجار کے دروازے پر فائر کر کے اس کا لاک توڑ دیا اور مکان کے اندر گھس گئے۔ انہوں نے یوسف کو مشین گن کے پے در پے کئی برسٹ مار کر ہلاک کر دیا۔ اُس کے بیوی بچے اس ناگہانی آفت کو دیکھ کر بُری طرح چیختے لگے۔ یوسف التجار کی بیوی نے اپنے شوہر کو بچانے کی کوشش کی تو اُسے بھی گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا۔ فائرنگ کی خوفناک آواز سن

کر پاس والی ایک عمارت سے ایک اطالوی عورت نے اپنی کھڑکی سے صرف جھانکنا ہی تھا کہ اسرائیلی کمانڈوز اُسے بھی گولی مار دی۔ اس کے بعد وہ کمال ناصر کے اپارٹمنٹ میں دروازہ توڑ کر داخل ہوئے جہاں وہ اپنے ڈیک پر یا سرعرات کیلئے کوئی تقریر لکھ رہا تھا۔ اُسے بھی ہلاک کر دیا گیا۔

عین اسی دوران پی ایل او کے کمانڈوز موقع پر پہنچ گئے، انہوں نے پریشانی کے عالم میں نیچے چلکی میں ادھر ادھر فائرنگ شروع کر دی۔ جبکہ حملہ آوروں نے بلڈنگ کی تیسری منزل سے اُن پر جوابی فائرنگ شروع کی جس کے نتیجے میں کئی فلسطینی گولیوں کا نشانہ بننے گئے۔ اسی دوران موساد کے ایک ایجنٹ نے لیبانی پولیس کے چیف کو فون پر اطلاع دی کہ فلسطینی آپس میں لڑ رہے ہیں جس سے عام لوگوں کی جانیں خطرے میں پڑ گئی ہیں۔ ایجنٹ کو پتہ تھا کہ پولیس چیف کا اس معاملے میں رد عمل کیا ہوگا۔ پولیس چیف نے فوراً اپنے موبائل فون کے میجر کو حکم دیا کہ وہ اپنے آدمیوں کو اس جگہ سے دور ہی رکھے، اگر فلسطینی ایک دوسرے کو مارنے ہی پر تھے تو اس میں لیبانی پولیس کا کیا کام ہو سکتا ہے۔ یوں اسرائیلی کمانڈوز بے فکر ہو کر اپنا کام مکمل کرنے لگے۔ اسرائیلی ڈاکٹروں کی بھی ایک ٹیم موقع پر پہنچ گئی انہوں نے زخمی کمانڈوز کو طبی امداد دینا شروع کی۔ کچھ اسرائیلیوں نے عمارت کے اندر اور باہر ڈائنامائٹ جگہ جگہ بکھیر دیا۔ موساد کے چھ اہلکار جو عربی زبان پر عبور رکھتے تھے، قتل شدہ فلسطینی لیڈروں کی الماریوں سے اُن کی حساس فائلیں نکالنے میں مصروف ہو گئے۔ ٹھیک آدھے گھنٹے بعد انہوں نے ڈائنامائٹ کی تاروں کو ماچس کی تیلی دیکھا تو اور چنچلے بعد خوفناک دھماکوں سے پوری عمارت زمین بوس ہو گئی۔

اس کے بعد انہوں نے دوسری عمارت میں موجود فلسطینی کمانڈوز کیساتھ زبردست فائرنگ کا تبادلہ شروع کیا۔ تھوڑی دیر کی شوٹ آؤٹ کے بعد اس عمارت پر اسرائیلی کمانڈوز نے قبضہ کر کے بڑی تعداد میں فلسطینی کمانڈوز کو گولیوں سے اُڑا دیا۔ موساد نے اس عمارت میں بھی جھاڑو لگاتے ہوئے تمام اہم اور خفیہ دستاویزات اپنے قبضے میں لے لئے۔ کچھ دیر بعد مشن کی تکمیل کیساتھ ہی اسرائیلی کمانڈوز تیزی سے عمارت کی حدود سے باہر نکلے تو وہ عمارت بھی ڈائنامائٹ سے اُڑا دی گئی۔ اس کے بعد وہ اس ایریا کے شمالی حصے کی طرف بڑھے جہاں بڑے بڑے گوداموں میں پی ایل او کا اسلحہ اور دھماکے خیز مادہ پڑا ہوا تھا تھوڑی ہی دیر بعد ان گوداموں میں خوفناک دھماکوں سے پورا بیردہ لرز اٹھا۔ آپریشن کے ایک گھنٹے بعد موساد کے ایک افسر نے وائرلیس پر ساحل کے قریب کھڑے دوسرا اسرائیلی ہیلی کاپٹر کو ڈیڑھ گھنٹے کی درخواست کی۔ اس کے ساتھ ہی لیبانی پولیس کے سربراہ کو بھی بظاہر اپنے آرمی چیف کی طرف سے ٹیلی فون پر اطلاع ہوئی کہ لیبانی آرمی دو ہیلی کاپٹر بھیج چکی ہے جو فضاء سے متاثرہ مقام کا جائزہ لے رہے ہیں۔ بیردہ کی ساحلی کمان کو بھی اسی قسم کا پیغام موصول ہوا۔ دونوں اسرائیلی ہیلی کاپٹر نیچے پرواز کرتے ہوئے جائے واردات کے قریب اُترے۔ زخمی کمانڈوز کو ستر چاروں پر ڈال کر ہیلی کاپٹر میں پہنچایا گیا۔ ڈیڑھ زینوں کو لیکر دوبارہ فضاء میں بلند ہوئے۔ ایک ہیلی کاپٹر نے جائے وقوع کی طرف جانے والی شاہراہ پر بڑی تعداد میں لوک دارلوہے کی کیلوں کی بارش کر دی تاکہ پولیس کی گاڑیاں بروقت موقع پر نہ پہنچ سکے۔

موساد کی ٹیلی فون کالز سے لیبانی پولیس اور آرمی کے درمیان اس قدر غلط فہمی اور کنفیوژن پیدا ہوئی کہ کسی نے بھی اس اطلاع کو کنفرم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ کمانڈو فورس اپنا کام ختم کر کے موساد کے چھ خفیہ اہل کاروں کے ہمراہ دوبارہ اُن کاروں میں پوری رفتار کیساتھ ساحل مقررہ مقام پر پہنچے جہاں سے وہ کشتیوں میں بیٹھ کر گہرے سمندر میں لنگر انداز میزائل بوٹ تک پہنچے۔ چند گھنٹوں کے سفر کے بعد وہ بحفاظت تل

ایبیب کی بندرگاہ پر پہنچ گئے۔ اس ایجنشن کے دوران دو اسرائیلی حملہ آور ہلاک ہوئے جبکہ دوسری طرف سو سے زیادہ فلسطینی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ موساد کی دوسری بڑی کامیابی وہ قیمتی فائلیں تھیں جو پنی ایل او کے ہیڈ کوارٹر میں تلاشی کے دوران اُن کے ہاتھ آئی تھی۔ موساد کے ماہرین نے ان فائلوں کا بغور مطالعہ کر کے مستقبل میں پنی ایل او کے اسرائیل کے خلاف کئی خطرناک منصوبوں کو بے نقاب کیا۔ ان میں بالخصوص اسرائیلی کی سلور جوبلی کے موقع پر تل ابیب میں خوفناک تباہی مچانے کا منصوبہ اسرائیلیوں کے روٹنگے کھڑے کرنے کیلئے کافی تھا۔ موساد نے امریکی سی آئی اے کے علاوہ تمام یورپی اور عرب انٹیلیجنس اداروں کو یہ فائلیں دیکھنے کی دعوت دی۔ اسرائیل نے خصوصی طور پر عرب ممالک کے صدر اور بادشاہوں کو ان فائلوں کی ایک بھلک دیکھائی کہ کس طرح پنی ایل او ان کے خلاف تحریمی عزائم رکھتے ہیں۔ ان دستاویزی ثبوت کو بنیاد بناتے ہوئے اسرائیل نے تمام عرب دنیا کے ذہنوں میں فلسطینی فداکین کے خلاف شکوک و شبہات کے بیج بو دیے۔

ان فائلوں کی مدد سے کم از کم ایک اسرائیلی ایجنٹ کی بھی جان بچ گئی جو کافی عرصے سے پنی ایل او کے اندر موساد کیلئے کام کر رہا تھا۔ وہ فلسطینی انٹیلیجنس کی نظر میں آ گیا تھا۔ اُس پر انہوں نے ایک فائل بنانا شروع کی تھی جو اب موساد کے ڈیبک پر پڑی تھی۔ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر اس خفیہ ایجنٹ کو بیروت سے نکال کر واپس تل ابیب پہنچا دیا گیا۔

۵ اگست 1973ء

ایجنٹ کے بین الاقوامی ہوائی اڈے پر ٹرانس ورلڈائر لائن کے ایک مسافر بردار بوئینگ میں ابھی ایندھن بھرا جا رہا تھا۔ یہ بارہ چند لمحوں بعد تل ابیب کیلئے پرواز کرنے والا تھا۔ اس کے مسافر ائیر پورٹ کے لاؤنج میں آپس میں خوش گپیوں سے دل بہلا رہے تھے۔ ان میں زیادہ تر مسافر یورپی یہودی تھے جو اسرائیل میں آباد کاری کی غرض سے جا رہے تھے۔ اچانک لاؤنج میں بھگدڑ مچ گئی اور لوگ ادھر ادھر بھاگنے لگے، عورتیں اور بچے زور زور سے چلانے لگے۔ اتنے میں دونو جوان فلسطینیوں نے ٹین گن کے فائر سے سب کو خاموش کر دیا۔ مسافر سہم کر ایک کونے میں جمع ہو گئے۔ ائیر پورٹ کی انتظامیہ نے فوراً جنگی صورت حال کا اعلان کر کے پولیس کو مدد کی درخواست کی۔ چند لمحوں بعد یونانی پولیس کی بھاری جمعیت موقع پر پہنچ گئی۔ انہوں نے چاروں طرف سے لاؤنج کو گھیرے میں لے لیا۔ ادھر دونو فلسطینیوں نے پولیس کو دیکھ کر دھمکی دی کہ اگر انہیں گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ تمام مسافروں کو ختم کر دیں گے۔ آخر تھوڑی دیر بعد انہوں نے فلسطینیوں کے ساتھ گفت و شنید شروع کی۔ انہوں نے فلسطینیوں کو ہتھیار بھیجنے کا مشورہ دیا۔ پولیس ابھی انہیں سمجھانے بھانے میں مصروف تھی کہ اچانک اُن فلسطینیوں نے مسافروں پر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی جس سے پانچ یہودی موقع ہی پر گولیوں سے چھلنی ہو گئے۔

پولیس نے بھی جوانی کاروائی میں اُن پر فائر کھول دیا۔ آخر تھوڑی دیر بعد انہوں نے ہتھیار پھینک کر خود کو پولیس کے حوالے کر دیا۔ وہ دونوں نو عمر فلسطینی طالب علم تھے۔ شفیق اور طلال جن کی عمریں بالترتیب اکیس اور بائیس سال تھیں، نے پولیس کو حراست کے دوران بتایا کہ اُن کا تعلق بلیک تمبر سے ہے اور وہ بیروت میں اسرائیلیوں کے ہاتھ شہید ہونے والے فلسطینیوں کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔

23 جنوری 1974ء کو کراچی کے ساحل پر لنگر انداز ایک یونانی کارگو جہاز کو تین فلسطینی گوریلوں نے ہائی جیک کر لیا۔ انہوں نے

یونان میں قید ان دونوں ساتھیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا، ساتھ ہی انہوں نے دھمکی دی کہ اگر مقررہ وقت کے اندر اندر ان کے مطالبات تسلیم نہیں کئے گئے تو وہ پورے جہاز کو بم سے اڑا دیں گے۔ بالآخر پاکستان، مصر اور شام نے ملکر یونانی حکومت کو دونوں فلسطینیوں کی سزائے موت میں تخفیف کرنے پر رضی کر لیا۔

اسرائیلی ہٹ ٹیم W.O.G کی فہرست پر علی حسن سلامے کا نام ابھی باقی تھا۔ موساد کیلئے سلامے کو ہلاک کرنا بے حد مشکل ہو چکا تھا کیونکہ وہ اکثر بہروپ بدل کر دنیا کے مختلف ملکوں میں پھرتا رہتا تھا۔ اُس کے ٹھکانوں کا پتہ چلانا آسان کام نہیں تھا۔ گولڈ اسٹیر ہر بار موساد کے سربراہ سے علی حسن سلامے کے بارے پوچھتی رہتی تھی کہ وہ کیوں ابھی تک ختم نہیں ہوا۔

تسل ایبب 18 جولائی 1973ء۔ ہٹ ٹیم کے چھ بہترین کمانڈرز طلوع فجر سے ذرا پہلے ایک سرخ رنگ کی ویگن میں بیٹھ کر بن گوریان انٹرنیشنل ائر پورٹ کیلئے روانہ ہوئے۔ انہیں اطلاع ملی تھی کہ علی حسن سلامے ناروے میں ایک اسرائیلی ائر لائن کے طیارے کو اغوا کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہے۔ یہ تمام کمانڈرز عام مسافروں کے کبجیس میں تھے۔ انہیں ائر پورٹ کے دی وی آئی پی لاناؤنچ میں بیٹھایا گیا جو آج کے دن دوسرے مسافروں کیلئے out of bound تھا۔ تھوڑی دیر بعد مسافروں کے اسی لاناؤنچ میں اس کے پبلک ایڈریس سسٹم پر ایک نسوانی آواز میں پہلے عبرانی اور پھر انگریزی میں اعلان ہوا: ELAL کی پرواز نمبر 237 آسلو جانے کیلئے تیار ہے۔ مسافروں سے التماس ہے کہ وہ جہاز پر تشریف لے جائیں شکریہ۔ کمانڈرز دوسرے مسافروں کیساتھ جہاز میں سوار ہو گئے۔ اس آپریشن کا ٹھکانہ Chase for Red Prince تھا۔

21 جولائی کو انہوں نے ناروے کے ایک چھوٹے سے قصبہ لائل ہیمر Lillehammer میں واقع کنورس ہاؤس میں قیام کیا۔ اُن کی اطلاع کے مطابق حسن سلامے اسی قصبے میں موجود تھا۔ لائل ہیمر میں سر شام ہی لوگ اپنے گھروں میں گھس جاتے ہیں اور دونوں بھی جلد بند ہو جاتی ہیں اور سڑکیں سنسان ہو جاتی ہیں۔ دوسرے دن شام کے وقت WOG کا حدف اپنی نارویجن بیوی کے ہمراہ سینما پر انگریزی فلم where Eagles Dare دیکھ کر واپس اپنے گھر کی طرف ایک فٹ پاتھ پر جا رہا تھا کہ چیچے سے دو کاریں تیزی سے عین انکے قریب آ کر رکیں۔ دو اشخاص نے کاریں کھڑکی سے پستول نکال کر اُن کا نشانہ لیا اور پے در پے بارہ فائر کر دیے، گولی لگنے سے پہلے اُس نے حملہ آوروں کو دیکھ کر صرف No ہی کہا تھا۔ گولیاں اُس کے سر، گردوں اور پیچھے پھروں کو چیرتی ہوئی پاس ایک دوکان کے بند دروازوں پر جا لگیں۔ اُس کی بیوی جو چھ ماہ کی حاملہ تھی یہ منظر دیکھ کر زور زور سے چلانے لگی۔ اتنے میں موہاں پولیس بھی موقع پر پہنچ گئی۔ انہوں نے اُسے فوراً ہسپتال پہنچایا مگر وہ راستے ہی میں دم توڑ چکا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ موساد جسے علی حسن سلامے سمجھ رہی تھی وہ اصل میں احمد بوشیکی تھا، جو مراکش کا رہنے والا تھا اور ایک مقامی ہوٹل میں ویئر تھا۔

ہٹ ٹیم کے کمانڈرز ایک سنسان جگہ اپنی کاریں چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ کچھ دیر کی تک دو دو کے بعد پولیس کو یہ کاریں نظر آ گئی۔ یہ کاریں ایک Rental firm کی ملکیت تھیں اور اسرائیلی ایجنٹوں نے چند گھنٹوں کیلئے کرائے پر لے رکھی تھیں۔ پولیس نے فرم کے رجسٹر میں درج ایڈریس سے احمد بوشیکی کے قاتلوں کا سراغ لگا لیا۔ اور بدست نگ دو دو کے بعد انہیں گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ اسکے بعد نارویجن گورنمنٹ نے اُن چھ اسرائیلیوں پر کھلی عدالت میں احمد بوشیکی کے قتل کا مقدمہ چلایا۔ موساد کی تاریخ میں لائل ہیمر کا یہ واقعہ بدترین ناکامی تھی۔ پوری دنیا میں اسرائیل پہلے سے زیادہ سخت بدنامی اور تنقید کا نشانہ بنا۔ اگرچہ اسرائیلی حکومت نے ناروے پر کافی دباؤ ڈالا کہ وہ یہ معاملہ خاموشی سے نبھا کر ختم کر دے۔ لیکن

ناروے کی عدالت نے انہیں مختلف معیاد کی قید سنا کر جیل بھیج دیا۔ موساد علی حسن سلامے کے کھوج میں برابر لگی رہی۔ علی حسن سلامے کا کافی عرصہ موساد کی آنکھوں میں دھول جھونکتا رہا۔ اُس کا قتل اسرائیل کیلئے ایک چیلنج بن چکا تھا۔

ایک دن اُس نے بڑے فخر سے کسی کو کہا کہ I am a ghost who haunts Israelis لیکن وقت کے گزرنے کیساتھ اُس کی طرز زندگی میں تبدیلی آنا شروع ہوئی، اب وہ پہلے کی طرح حد سے زیادہ محتاط نہیں رہا تھا۔ اُس کی تباہی کے آثار 1978ء سے نظر آنے لگے تھے جب اُس نے پہلی بیوی اور پوجوں کے ہوتے ہوئے لیبانی حیدہ عالم Georgina Rizk سے شادی کر لی۔ اُس نے اپنی اس دوسری بیوی کو بیروت میں ایک شاندار فلیٹ لیکر دیا۔ سلامے اپنا زیادہ تر وقت جارحینہ کے پاس گزارنے لگا۔ اُس کا جارحینہ کیساتھ گھومنا پھرنا اب ایک معمول بن گیا تھا اور یہی معمول اُسے لے ڈوبا۔

1978ء کے اواخر میں مسرہ سلامے کے فلیٹ سے ملحقہ ایک دوسرے فلیٹ میں ایک ادھیڑ عمر کی عورت کہیں سے شفٹ ہو کر وہاں رہنے لگی۔ اس عورت کے پاس برٹش پاسپورٹ تھا اور اپنا نام Penelope بتاتی تھی۔ وہ بلیاں پالنے کے علاوہ مصوری کا شوق رکھتی تھی۔ وہ سارا دن اپنی کھڑکی میں بیٹھی ارد گرد کے مناظر بینٹ کرتی نظر آتی تھی۔

Penelope نے جارحینہ کیساتھ قریبی مراسم استوار کر لیے تھے وہ اکثر اُسے اپنی بنائی ہوئی Paintings گفٹ کیا کرتی تھی۔ جنوری 1979ء میں پیٹر سکرائیور بیروت کے انٹرنیشنل ائر پورٹ پہنچا، اُس نے امیگریشن کو اپنا برٹش پاسپورٹ دیکھا یا جس پر اُس کا پیسہ Technical consultant درج تھا۔ ائر پورٹ سے وہ میڈیٹرنین ہوٹل گیا جہاں اُس نے اپنے لئے ایک کمرہ بک کیا۔ پیٹر نے ایک Rent-a-car ایجنسی سے ایک نئے ماڈل کی فوکس ویگن بھی کرائے پر حاصل کی۔

دو دن بعد Ronald Kolberg نام کا ایک اور شخص بیروت پہنچا۔ اس کے پاس کینیڈین پاسپورٹ تھا۔ اُس نے رائل گارڈن ہوٹل میں قیام کیا۔ بعد میں جب پولیس نے امیگریشن ریکارڈ کی جانچ پڑتال کی تو ان دونوں کے پاسپورٹ جعلی نکلے Penelope کے سلامے کی فلیٹ کیساتھ تعلقات اس قدر گہرے ہو چکے تھے کہ اُس پر کوئی بھی شک نہیں کر سکتا تھا کہ وہ اسرائیل کی خفیہ ایجنٹ ہے۔ سلامے ایک سیاہ رنگ کی شیورلیٹ کار میں روزانہ پی ایل او کے ہیڈ کوارٹر آتا جاتا تھا۔ کار کے آگے پیچھے مسلح سکیورٹی گارڈ کی جیمیں ہوتی تھیں۔ وہ بیروت کے ایک خوبصورت چوک سے تقریباً روزانہ گزرتا تھا یہ چوک Penelope کی کھڑکی سے صاف دیکھا جاتا تھا۔

ایک دن Penelope نے جارحینہ سے نظریں بچا کر سلامے کی شیورلیٹ کے فٹل حصے کیساتھ ایک جھوٹا مسافینا طیسی آلہ چپکا دیا۔ یہ آلہ دراصل ایک طاقتور ریڈیو ٹرانسمیٹر تھا جو مخصوص قسم کے شارٹ ریڈیو سگنل خارج کرتا تھا۔ پیٹر سکرائیور نے اپنی فوکس ویگن میں ایک انتہائی تباہ کن دھماکا خیز مادہ Plastic explosive بھر کر گاڑی کی چابیاں Kolberg کے حوالے کر دی اور خود ایک دوسرے بوگس پاسپورٹ کے ذریعے اسی دن لبنان سے پرواز کر گیا۔

22 جنوری 1979ء بوقت شام 3:35 سلامے زندگی میں آخری مرتبہ اُس خوبصورت چوک پہنچا جہاں سے وہ روز گزرتا تھا۔ اُس کے ہمراہ چار مسلح محافظ بھی تھے۔ چوک کے ایک کنارے پر ایک فوکس ویگن کھڑی تھی۔ سلامے کی شیورلیٹ جو فوکس ویگن کے قریب سے

گذرنے لگی تو شیور لیٹ کے نچلے حصے کیساتھ منسلک ریڈیو ٹرانسمیٹر سے ایک Signal خارج ہوا جس سے فوکس ویگن میں ایک ڈی ٹو نیٹر چل پڑا اور وہ دھماکہ ہوا کہ آس پاس کی بلند و بالا عمارتوں کے شیشے دور دور تک ٹوٹ کر بکھر گئے اور سلاے اپنے چار ساتھیوں سمیت موقع ہی پر ہلاک ہو گیا۔ اس دھماکہ میں چار راگیئر بھی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

چینی لوپ اپنے فلیٹ کی کھڑکی سے علی حسن سلاے کو موت کے منہ میں جاتے دیکھتی رہی۔ اُسی روز اسرائیلی وزیراعظم کو موساد کے ہیڈ کوارٹر سے ایک مختصر ٹیلیگرام موصول ہوا Munich has been avenged ہم نے میونخ کا بدلہ لے لیا ہے۔

اگلے دن مسز گولڈامیر نے اسرائیلی پارلیمنٹ میں خطاب کے دوران اسی بات کا انکشاف کرتے ہوئے کہا:

We killed the murderers who were planning to kill again.

یعنی ہم نے قاتلوں کو ختم کر دیا ہے جو دوبارہ قتل پر آمادہ تھے۔



اردو ٹائپنگ سروس

اگر آپ اپنی کہانی، مضمون، مقالہ یا کالم وغیرہ کسی رسالے یا ویب سائٹ پر شائع کروانا چاہتے ہیں لیکن اردو ٹائپنگ میں دشواری آپ کی راہ میں حائل ہے تو ہماری خدمات حاصل کیجئے۔

☆ ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریریں کیجئے اور ہمیں بھیج دیجئے یا

☆ اپنی تحریر رو من اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیج دیجئے یا

☆ اپنا مواد اپنی آواز میں ریکارڈ کر کے ہمیں ارسال کر دیجئے یا

☆ مواد زیادہ ہونے کی صورت میں بذریعہ ڈاک بھی بھیجا جاسکتا ہے

اردو میں ٹائپ شدہ مواد آپ کو ای میل کر دیا جائے گا۔ آپ دنیا میں کہیں بھی ہوں، ہماری اس سروس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ادائیگی کے طریقہ کار اور مزید تفصیلات کے لئے رابطہ کریں۔

فون نمبر 0092-331-4262015, 0300-4054540

ای میل: harfcomposers@yahoo.com

ویب سائٹ: http://pktypist.com

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

بلیو پرنٹس آف میراج

<http://kitaabghar.com>

Blue Prints of Maraj

1967ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد فرانس کے صدر جنرل ڈیگال نے اچانک اسرائیل کو ہر قسم کے فوجی ساز و سامان کی فروخت پر پابندی (Arms Embargo) عائد کر دی۔ فرانس جو کسی وقت اسرائیل کا زبردست حامی اور مددگار رہا تھا، اس کا یہ فیصلہ اسرائیل کیلئے انتہائی غیر متوقع اور تباہ کن تھا۔ اس پابندی سے اسرائیلی آئرن فورس کو زبردست دھچکا لگا، کیونکہ وہ فرانسیسی میراج سسٹم پر قائم تھی۔ اسرائیل کے میراج فاضل پُر زوں کی عدم دستیابی کی وجہ سے Serviceable بھی نہیں رہے تھے پھر فرانس نے نل ایب سے اپنے تمام ٹیکنیشن واپس بلا کر اسرائیلیوں کو ایک عجیب پریشان کن حالات سے دوچار کر دیا۔

اسرائیل نے کچھ عرصہ قبل پچاس میراج II طیاروں کیلئے فرانس کیساتھ ایک سمجھوتے پر دستخط کئے تھے بلکہ پیشگی رقم بھی ادا کر چکا تھا۔ فرانس نے اس کنٹریکٹ کو بھی کالعدم قرار دیکر اسرائیل کو اپنی رقم لوٹا دی۔ اس کشمکش میں موساد نے اسرائیلی وزیر اعظم کو مشورہ دیا کہ وہ پچاس طیارے فرانس سے انکار کر لئے جائیں لیکن ماہرین نے اس خیال کو رد کر دیا کیونکہ فاضل پُر زوں کی عدم دستیابی میں ان طیاروں کا کوئی فائدہ ہی نہیں تھا۔ آخر اسرائیلی کابینہ نے اپنے ایک ہنگامی اجلاس میں ایک متفقہ فیصلہ کیا کہ حکومت اپنی طیارہ ساز فرم کو ریسرچ کیلئے وافر مقدار میں سرمایہ فراہم کرے گی تاکہ وہ از خود جدید طیارے بنائے جو کم از کم میراج کا ہم البدل ثابت ہوں۔

مگر اسرائیلی انکرافٹ انڈسٹری کا جواب مایوس کن تھا۔ اُن کے بقول ایک خالصتاً اسرائیلی جیٹ کی تیاری کیلئے انہیں کم از کم دس سال کا عرصہ درکار ہوگا جبکہ اس عرصہ میں فرانسیسی، برطانوی یا امریکی طیارے ترقی کی کئی منزلیں طے کر چکے ہوں گے۔ اس پر ایک اسرائیلی وزیر نے انکرافٹ انڈسٹری کے ایک ماہر کو کہا: آپ اسرائیلی آئرن فورس کے زیر استعمال ایک میراج طیارے کو لیں اور اس کے ایک ایک پُر زے کو کھول کر دیکھیں اور اس کی نقل کر کے خود ہی ایک جدید طیارہ بنالیں۔ اس پر وہ ماہر مسکرایا اور کہنے لگا "ایک جدید فائزر دس لاکھ سے زائد پُر زوں پر مشتمل ہوتا ہے، اور اس کے ہر پُر زے کی تیاری اور ٹیسٹ کیلئے علیحدہ علیحدہ مشینیں اور اوزار ہوتے ہیں۔ ان پُر زہ جات کی دوبارہ تیاری کیلئے اُن کے Blue Prints کی ضرورت ہوتی ہے جن میں تمام ٹیکنیکی معلومات درج ہوتی ہیں۔ ایک میراج طیارے کے بلیو پرنٹس سینکڑوں ٹن وزن کی ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے انجینئر نے بھی اس بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ جیٹ فائزر انسانی جسم کی طرح پیچیدہ ہوتے ہیں۔ سینکڑوں سالوں سے ڈاکٹر انسانی جسم کو چرتے پھاڑتے رہے ہیں۔ وہ اس کے ایک ایک عضو کو اچھی طرح پہچانتے اور جانتے ہیں مگر پھر بھی اُس جیسا دوسرا عضو بنائیں سکتے ہیں گویا اُن کے پاس اس کا "اورینجیل بلیو پرنٹ" دستیاب نہیں ہے۔

<http://kitaabghar.com>

فرانس نے یورپ میں صرف سوئزر لینڈ کی ایک فرم Sulzer Brothers کو میراج جیٹ فائٹر بنانے کا لائسنس دے رکھا تھا۔ سوئس گورنمنٹ اس بات کی پابندی کی کہ وہ یہ ٹیکنالوجی کسی دوسرے ملک منتقل نہیں کرے گی۔ اسرائیلیوں نے سوئس گورنمنٹ پر بھی بڑا زور لگایا کہ وہ انہیں میراج کے سپئر پارٹس فراہم کرے مگر انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ الفرڈ فراؤنکھت (Alfred Frauenknecht) سٹور برادرز (Sulzer Brothers) میں چیف انجینئر تھا۔ وہ سوئس میراج لڑاکا طیاروں کی تیاری کے کام کی نگرانی پر مامور تھا۔ فرانس میں یہی طیارے بنانے والی فرم Dassault araments firm تھا۔ الفرڈ چونکہ اپنی فرم کا انتہائی ذمہ دار افراد میں سے تھا، وہ اکثر اس فرانسیسی فرم کے ماہرین کیساتھ میٹنگ کیلئے پیرس آتا رہتا تھا، جہاں کئی بار اس کی ملاقات اسرائیلی انجینئروں کیساتھ ہوئی۔ اُن میں اکثر کیساتھ اس کی گپ شپ بھی پیدا ہو گئی تھی۔ الفرڈ کو شروع ہی سے اسرائیلیوں کیساتھ ہمدردی رہی تھی۔ دوم جنگ عظیم میں ہٹلر کے کنسرپشن کیپوں میں لاکھوں یہودیوں کی ہلاکت پر اُسے ہمیشہ بہت افسوس ہوتا تھا۔

صدر ڈیگال کی حالیہ ہتھیاروں کی فروخت پر پابندی سے اسرائیل کو جن مشکلات کا سامنا تھا، اس سے الفرڈ کو بہت دکھ ہوا تھا۔ وہ اکثر نجی محفلوں میں فرانسیسی حکومت پر لعن تعن کرتا رہتا تھا۔ اُس کی ولی خواہش تھی کہ کسی طرح وہ اسرائیل کی مدد کر سکے۔ ایک دن اپریل 1968ء کی ایک شام پیرس میں اسرائیلی سفارت خانے میں ٹیلے فون کی گھنٹی بجی۔ سوئچ بورڈ آپریٹر نے معمول کے مطابق ریسیور اٹھا کر عبرانی میں "شلوم" یعنی سلام کہا تو دوسری طرف سے ایک شخص نے فرانسیسی میں zvi Allon کے بارے میں پوچھا۔ خاتون آپریٹر نے کہا کہ وہ چھٹی کر اپنی رہائش گاہ جا چکا ہے۔ کیا آپ صبح انہیں فون کر سکتے ہیں؟

جناب میں زیورخ سے بول رہا ہوں، میرا اُس کیساتھ انتہائی ضروری بلکہ فوری کام ہے، مجھے ہر حال میں اُس سے بات کرنی ہے۔ آپریٹر لڑکی موقع کی نزاکت فوراً بھانپ گئی۔ چند ہی لمحوں میں اُس نے لائن zvi allon کے گھر سے جوڑ دی۔

Zvi allon نے جو ٹیلی فون اٹھایا تو اُس نے ایک شخص کے صرف دو جملے سنے۔

I am Alfred. I would like to see you soon please. اور اس کے بعد لائن کٹ گئی۔

اُسی رات اس فون کے بعد سفارت خانے میں بڑی گرما گرمی دیکھی گئی۔ کرنل Zvi Allon پیرس میں موساد کا کیس آفیسر تھا۔ سفارت خانے میں موساد کا باقاعدہ ایک الگ وگ تھا۔ انہیں الفرڈ کی حیثیت کا اچھی طرح سے پتہ تھا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ الفرڈ اسرائیل کیلئے نیک جذبات رکھتا ہے۔ آدھی رات کے قریب پیرس سے موساد کے سٹیشن چیف نے اپنے ہیڈ کوارٹر (تل ابیب) کو ہائی فریکوئنسی ریڈیو پر الفرڈ کے ٹیلی فون کال کی اطلاع دی۔ چند ہی گھنٹوں بعد کرنل Zvi زیورخ کی فلائٹ پکڑنے پیرس کے Only ائر پورٹ کی طرف ایک گاڑی میں رواں دواں تھا۔ اس کے علاوہ موساد کا ایک دوسرا فریجی روم سے زیورخ روانہ ہو چکا تھا۔ وہ دونوں سمجھ رہے تھے کہ الفرڈ شاید انہیں میراج کے سپئر پارٹس دلانے والا ہے۔ اُس نے غالباً سوئس حکومت کو اس بات پر راضی کر لیا ہو گا وغیرہ۔

وہ دونوں اسرائیلی الفرڈ کیساتھ زیورخ کے ایسیسیڈر ہوٹل میں ملے۔ بغیر کسی تمہید کے الفرڈ نے اصل بات شروع کرتے ہوئے کہا۔ تم

لوگ خواہ مخواہ سپئر پارٹس کیلئے اپنا وقت ضائع کر رہے ہو۔ میں تمہیں مکمل میراج دلاوا سکتا ہوں۔ اس پر کرٹل Zvi نے فوراً کہا۔ یہ ہمارے لئے ناممکن ہے بھلا ہم تمہارے سوکس میراج کیسے پڑا سکتے ہیں؟ ہمیں تو پتہ ہے کہ وہ طیارے کوہ الپس Alps میں بنائے گئے سرنگوں میں محفوظ رہتے ہیں، جن کے اتھنی دروازے اس قدر مضبوط ہیں کہ وہ ایٹمی دھماکے سے بھی شاید نہ ٹوٹ سکے۔ بہر حال اگر یہ ہمارے لئے ممکن بھی ہوتا تو بھی ہم ایسا نہیں کرتے کیونکہ ہمارے سوکس حکومت کیساتھ بڑے اچھے تعلقات ہیں۔ الفرڈ نے ناک سگیز تے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے اُس کی بات کو روکتے ہوئے کہا۔ ارے نہیں نہیں تم غلط سمجھو۔ میں کبھی اپنے ملک کیساتھ غداری کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ موساد کے دونوں اہل کاروں نے خالی نظروں سے اُس کی طرف دیکھا شاید وہ سوچ رہے تھے کہ الفرڈ نے مفت میں اُن کا وقت ضائع کیا ہے۔

الفرڈ نے اُن کی پریشانی بھانپتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ میں میراج کے پلان (Blue Prints) کے بارے میں سوچ رہا ہوں اِن کی مدد سے تمہارے انجینئر خود ہی یہ طیارہ اسرائیل میں بنالیں گے، میں تمہاری طیارہ ساز انڈسٹری کے صدر Al Schimmer کو خوب جانتا ہوں۔ وہ انتہائی ذہین شخص ہے، یقیناً وہ اِن پیپر پلان کو سامنے رکھ کر یہ جدید طیارہ بنالے گا۔ میں سمجھتا ہوں اگر آپ کے پاس میراج کے تمام بلیو پرنٹ ہاتھ آ جائیں تو آپ لوگ نہ صرف یہ طیارہ بنالیں گے بلکہ اِس کے تمام سپئر پارٹس بھی تیار کر لیں گے جن کی اِس وقت آپ کو سخت ضرورت ہے۔

دونوں اسرائیلی بڑے انہماک سے الفرڈ کے ایک ایک لفظ کُسن رہے تھے۔ پھر کچھ دیر تو قف کے بعد الفرڈ نے کہا۔ آپ لوگ ضرور سوچ رہے ہوں گے کہ اِس کام کیلئے میں کتنا معاوضہ لوں گا۔ میں اسے مدھی فریضہ سمجھ کر ادا کر رہا ہوں۔ میں اسرائیلی کی مدد کر کے اپنی روح کو تسکین پہنچانا چاہتا ہوں۔ لیکن پھر بھی مجھے کچھ رقم کی ضرورت ہوگی تاکہ اگر میں گرفتار ہو جاؤں تو میری بیوی معاشی مسائل سے دوچار نہ ہو جائے۔ میں آپ کو واضح کر دینا چاہتا ہوں، میں جو کام آپ کی خاطر کرنے والا ہوں وہ انتہائی خطرناک اور مشکل ہے۔ مطلوبہ Blue Prints کا وزن اور حجم اتنا زیادہ ہے کہ وہ ہشکل ریل کے ایک ڈبے میں سما سکیں گے۔ بہر حال مجھے اِس کام کیلئے دو لاکھ ڈالر چاہئے باقی مرضی آپ لوگوں کی ہے۔

اِس پر موساد کے دونوں آدمیوں نے نیک دوسرے کی طرف دیکھا، رقم بھینا اتنی بڑی نہیں تھی۔ وہ تو سمجھ رہے تھے الفرڈ دس ملین ڈالر سے کم ایک پیسہ قبول نہیں کرے گا۔ اسرائیلی میراج کے حصول کیلئے کسی بھی قیمت سے پیچھے ہٹنے والے نہیں تھے۔ اِس کے بعد الفرڈ فوراً اپنی کرسی سے اُٹھا اور اسرائیلیوں کیساتھ ہاتھ ملاتے ہوئے کہنے لگا۔ میں آپ لوگوں کیساتھ دوبارہ رابطہ کروں گا۔ اور وہ تیزی سے ہوٹل سے نکل کر زیورخ کی بھیڑ میں گم ہو گیا۔

جہاز کے صرف فریم اور انجن کی تیاری کا طریقہ کار ایک لاکھ پچاس ہزار بلیو پرنٹس (Blue prints) میں درج تھا۔ جہاز کی مینوفیکچرنگ میں استعمال ہونے والے خصوصی اوزار (tools) اور مشینوں کے ڈیزائن اور بلیو پرنٹس پینتالیس ہزار صفحات پر مشتمل تھے۔ اِن تمام کاغذات کا مجموعی وزن دو ٹن کے لگ بھگ تھا۔ الفرڈ نے اسرائیلیوں کو صاف کہہ دیا تھا کہ وہ ایک سال کے عرصے میں تمام بلیو پرنٹس اُن تک پہنچا دے گا۔ یہ بلیو پرنٹس بڑے بڑے کریٹوں میں محفوظ تھے اور Solzer فیکٹری کے ایک وسیع گودام میں پڑے ہوئے تھے۔

1968ء میں سٹور برادرز نے میراج کی مینوفیکچرنگ عارضی طور پر بند کر دی تھی۔ الفرڈ نے ایک روز فیکٹری کے ایم ڈی کو کہا کہ اُس کے پاس ایک ایسا منصوبہ ہے جس سے فیکٹری کو سالانہ ایک لاکھ فرانک کی بچت ہو سکتی ہے۔ ایم ڈی نے حیرت سے پوچھا وہ کیسے؟ الفرڈ نے کہا میراج کے بلیو پرنٹس جو فی الحال ہمارے استعمال میں نہیں ہیں مگر فیکٹری میں کافی قیمتی جگہ گھیرے ہوئے ہیں۔ فیکٹری کا دیگر سامان سٹور کرنے کیلئے ہم خواہ مخواہ ادھر ادھر گودام کرائے پر حاصل کر کے اپنا قیمتی سرمایہ ضائع کر رہے ہیں، کیوں نہ ان بلیو پرنٹس کی مائیکرو فلمیں بنا کر انہیں ضائع کر دیں۔ اس سے ہمیں جگہ کیساتھ ایک لاکھ فرانک سالانہ کی بچت ہوگی۔ فیکٹری کا ایم ڈی الفرڈ کے اس منافع بخش خیالات سے بے حد متاثر ہوا۔

اس کے بعد فرم نے الفرڈ کو اس آپریشن کا انچارج بنادیا۔ الفرڈ نے بلیو پرنٹس کی مائیکرو فلمنگ کیلئے خصوصی مشین خریدی تمام بلیو پرنٹس کو سخت حفاظتی اقدامات میں فیکٹری کے ایک الگ تھلگ کمرے میں لپکا کر اُنکی مائیکرو فلمیں بنائی جاتی تھیں۔ اس کے بعد انہیں خصوصی کریبنوں میں پیک کر کے بذریعہ وین شہر کی ایک آتش بجٹی (Incinerator) پہنچا کر سوکس پولیس اور خفیہ ایجنسیوں کے اہل کاروں کی نظروں کے سامنے نذر آتش کرنا تھا۔

الفرڈ کا فیکٹری میں نہایت شاندار پیشہ ورانہ ریکارڈ رہا تھا۔ فرم اُس پر حدود بے اعتدال کرتی تھی۔ سوکس انٹیل جنس ایجنسی نے بھی اُس پر ایک فائل بنائی تھی جس میں درج تھا کہ "اس شخص پر ہر طرح سے مکمل اعتماد کیا جاسکتا ہے اس کی فحشی اور پیشہ ورانہ زندگی بالکل بے داغ ہے۔ وہ ایک وفادار شہری ہے۔ اُس کی گھر بیروز زندگی نہایت پرسکون ہے۔ وہ کسی مالی مسائل کا شکار نہیں ہے۔ چرچ باقاعدگی کیساتھ جاتا رہتا ہے۔ وہ کبھی کسی مالی یا پیشہ ورانہ بے قاعدگی کا مرتکب نہیں ہوا ہے۔"

اس آپریشن سے بہت پہلے الفرڈ نے آتش بجٹی کو جانے والے راستے میں اپنے لئے ذاتی طور پر ایک بڑا گیراج کرائے پر لے لیا تھا۔ اس گیراج کا فیکٹری میں کسی کو علم نہیں تھا۔ اس دوران الفرڈ کو پتہ چلا کہ برن (Bern) میں سوکس فیڈرل پیٹنٹ آفس (SFPO) اپنا پچاس سال پرانا کاغذی ریکارڈ ریڈی میں فروخت کرنا چاہتا ہے الفرڈ فوراً مذکورہ آفس پہنچا۔ اُس نے متعلقہ کلرک کو کہا کہ وہ سکرپ کا تا جبر ہے اور اُن کے دفتر کا تمام متروکہ کاغذی سکرپ خریدنا چاہتا ہے۔

کلرک نے فوراً الفرڈ کو آفس انچارج سے ملو کر سودا طے کیا۔ الفرڈ نے وہ تمام ریڈی خرید لی جس میں مختلف قسم کے بلیو پرنٹس اور ڈایا گرامز تھے۔ اس کے بعد الفرڈ نے ایک فرم کو پیش کش کارڈن بنانے کا آرڈر دیا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ سٹور برادرز نے بھی اسی فرم کو بلیو پرنٹس کی پیکینگ اور ٹرانسپورٹیشن کیلئے کارڈن بنانے کا آرڈر دے رکھا تھا۔ الفرڈ نے اپنے کارڈن کا سائز اور رنگ ہو سٹور برادرز کی طرح رکھا تھا۔

فیکٹری سے آتش بجٹی (Incinerator) تک بلیو پرنٹس کے کریٹ ایک وین میں لیجانے تھے۔ الفرڈ نے وین کو چلانے کیلئے خود ایک بااعتماد شخص کو منتخب کیا جو دراصل اُس کا کزن تھا۔ وہ شخص مینوسیل ٹرانسپورٹ اسٹھارڈن میں بطور ڈرائیور ملازم تھا۔ جمعرات کے دن اُس کی چھٹی ہوا کرتی تھی۔ لہذا الفرڈ نے اُسے اسی دن کیلئے ریکروٹ کر لیا۔

مقررہ تاریخ پر فیکٹری کی حدود کے اندر ایک کمرے میں میراج کے بلیو پرنٹس کی مائیکرو فلمینگ کا طویل اور تھکا دینے والا سلسلہ شروع ہوا۔

اس عمل کے دوران سوئس انٹیلیجنس کے کئی اہل کار گمرانی کیلئے آس پاس کھڑے رہتے تھے۔ تاکہ بلیو پرنس کی صرف ایک نقل بنائی جائے اور اورینجیل باقاعدہ کریٹوں میں پیک ہو کر ایک فاکس ویگن پر لوڈ کئے جائیں۔ الفرڈ نے مواد کے انتہائی حساس ہونے کے پیش نظر وین کے ہر پھیرے میں ساتھ جانے کو ترجیح دی۔ الفرڈ نے حکام سے ایک درخواست یہ بھی کی تھی کہ لوڈ یگ اور ان لوڈ یگ کے وقت سخت حفاظتی اقدامات کا بندوبست کیا جائے۔

آخر پہلے روز وین میں کریٹوں کو لا دیا گیا۔ الفرڈ اور اُس کا کزن جوڈ رائیو یگ کر رہا تھا۔ سلور برادرز کی فیکٹری سے شہر کی آتش بھٹی کیلئے روانہ ہوئے۔ اُنکے آگے پیچھے سیورٹی انتظامات جان بوجھ کر نہیں کئے گئے تھے۔ کیونکہ اس طرح سے عام لوگوں کی توجہ ان کی طرف ہو سکتی تھی۔ یہی الفرڈ کی خوش قسمتی تھی۔ وہ فیکٹری سے نکل کر سیدھا اپنے گودام گیا۔ وین عمارت کے اندر داخل کر کے اُس میں سے کریٹ اتارے گئے۔ پھر پہلے سے تیار کریٹ جن میں جعلی بلیو پرنس پیک تھے، وین میں رکھ دیے گئے۔ اس کریٹوں پر بھی Top Secret کی مہر لگی ہوئی تھی۔ یہ سب کام اتنی سرعت اور مہارت سے کیا گیا کہ جب وین مقررہ بجٹی پچھنی تو کسی نے محسوس ہی نہیں کیا کہ وین راستے میں کہیں رکی ہوگی۔

بجٹی پر موجود خفیہ پولیس کی گمرانی میں تمام کریٹ اتارے گئے پھر الفرڈ نے چار ڈمہ دار افراد سے رسید وصول کی۔ پھر جا کر انہوں نے تمام کریٹ شعلوں کے حوالے کر دیے۔ یوں ایک سال کے اندر اندر الفرڈ نے میراج کے تمام بلیو پرنٹ کے کارٹن اپنے پاس خفیہ گودام میں جمع کر لئے۔ آتش بھٹی میں برابر جعلی مواد جلتا رہا اور سوئس انٹیلیجنس کو پتہ ہی نہیں چلا۔ اب موساد کو اصل مسئلہ ان کریٹوں کو اسرائیل منتقل کرنے کا درپیش تھا۔ آمد و رفت کے تمام راستے اس کام کیلئے غیر محفوظ تھے۔ سرحدی چوکیوں پر سوئس کسٹم انتہائی چوکس تھی۔ لیکن یہ مواد سوئس سرحد سے جرمنی یا آسانی داخل ہو سکتا تھا بشرطیکہ کسٹم والوں کی چیکینگ سے بچا جائے۔

موساد کے چار اہل کاروں نے سوئس جرمن باڈر کا بغور مشاہدہ کیا۔ اب انہیں ایک ایسے شخص کی تلاش تھی جو بلیو پرنس کے اُن کریٹوں کو گاڑی میں رکھ کر جرمنی بحفاظت پہنچا دے۔ آخر وہ مفتوں کے اندر اندر انہیں مطلوبہ شخص مل گیا۔ ہینز سٹرکیر ایک جرمن باشندہ تھا۔ اُس نے زندگی کا بیشتر حصہ مشرقی برلن میں گزارا تھا۔ گذشتہ ایک سال سے وہ سویٹزر لینڈ کی ایک ٹرانسپورٹ فرم (Rotzinger & co) میں بطور رابطہ افسر ملازم تھا۔ فرم کے ٹرک مختلف مال تجارت لیکر اکثر جرمنی آتے جاتے تھے۔ ہینز کا کام ان ٹرکوں کی کلیم لیس کیلئے کسٹم لوازمات پورے کرنا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سرحد پر سوئس کسٹم کے اکثر افراد کیساتھ اُس کے قریبی روابط تھے۔

وہ اُن کے لئے کبھی کبھار بیڑے ڈبے تھے جن میں لاتار ہوتا تھا۔ کسٹم والے اچھی اکثر ہینز کی خاطر Rotzinger & co کے مال بردار ٹرک بغیر چیکینگ کے کلیم کر دیتے تھے۔ آخر ایک روز ہینز کو موساد کے ایک اہل کار نے کچھ کریٹ سرحد پار جرمنی لیجانے کے عوض ایک لاکھ ڈالر کی پیش کش کی۔ ہینز نے اتنی رقم کا کبھی سوچا بھی نہیں تھا وہ فوراً راضی ہو گیا۔ یہ کام کئی مہینوں میں مکمل ہونے والا تھا، وجہ یہ تھی کہ بیک وقت تمام کریٹوں کی نقل و حرکت خطرے سے خالی نہیں تھا۔

پروگرام کے مطابق الفرڈ ہر سہپہ کے دن جب Rotzinger & co کے ورکر چھٹی پر ہوا کرتے تھے، اپنی وین میں کچھ کریٹ رکھ کر اسی فرم کے ایک گودام پہنچاتا تھا۔ الفرڈ نے گودام کی چابی ہینز کو دے دی تھی۔ دوسرے دن ہینز اس گودام سے وہی کریٹ نکال کر اپنی سیاہ رنگ کی

مرسیدز کے ٹرک میں رکھ کر جرمن سرحد کی طرف روانہ ہو جاتا تھا۔ چیک پوسٹ پر حسب معمول کسٹم حکام مُسکرا کر اُسے جانے کا اشارہ کر دیتے اور وہ بحفاظت مغربی جرمنی کی سرحد میں داخل ہو جاتا تھا۔ پھر وہ شمال مشرق کی جانب بلیک فارسٹ سے ہوتا ہوا ایک مضافاتی شہر Stuttgart پہنچتا جہاں ایک چھوٹے سے پرائیویٹ انزفلڈ پر موسا کے چند آدمی اُس سے وہ کریٹ وصول کر کے رن وے پر کھڑے ایک سینیٹا طیارے میں رکھ دیتے تھے۔ تھوڑی دیر بعد یہ طیارہ پرواز کر کے اٹلی کے ایک شہر پہنچتا۔ جہاں سے اسرائیلی انزلائن کی معمول کی ایک پرواز اسے لیکر تل ابیب روانہ ہوتی۔ تل ابیب کے لاڈ انز پورٹ پر جو نبی یہ مال پہنچتا تو چند افراد اسے ایک بکتر بند گاڑی میں رکھ کر براہ راست انز کرافٹ انڈسٹری پہنچا دیتے تھے۔

بلیو پرنس کی پہلی کھپ پانچ اکتوبر 1968ء کو اسرائیل پہنچی۔ اور یوں ہر ہفتے پچاس کلو کے حساب سے یہ کاغذات اسرائیل منتقل ہوتے رہے۔ ایک سال تک یہ سلسلہ بغیر کسی حادثے کے چلتا رہا مگر ایک روز ہینز کی معمولی سی غلطی نے بنانا یا کھیل بگاڑ دیا۔ وہ حسب معمول ایک سچر کو اسی گودام سے بلیو پرنٹ کے کریٹ اپنی کار میں لوڈ کر رہا تھا کہ ایک عام شہری کی نظر اُس پر پڑ گئی۔ وہ اپنے گئے کو چہل قدمی کر رہا تھا۔ اُسے یونہی شک ہو گیا کہ سچر کو تو فرم میں عام تعطیل ہوتی ہے مگر یہ شخص گودام سے کریٹ نکال رہا ہے۔ اُس نے فوراً فرم کے ڈائریکٹر کو اطلاع کر دی۔

ڈائریکٹر فوراً اپنی گاڑی میں اس گودام پہنچا جہاں ہینز ابھی تک مصروف تھا۔ ڈائریکٹر نے حیرانگی میں ہینز کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "ہینز یہ کیا کر رہے ہو؟ مگر ہینز نے جو نبی اپنے ڈائریکٹر کو پاس کھڑے دیکھا۔ اُس نے فوراً کار سٹارٹ کی اور تیزی سے فرار ہو گیا۔ ڈائریکٹر فوراً گودام کے اندر گھسنا جہاں ہینز غلت میں ایک کریٹ چھوڑ چکا تھا۔ اُس نے جو نبی کریٹ کھولا تو اندر پہلے ہی صفحے پر چلی حروف میں لکھا ہوا تھا:

Top Secret Property of The Swiss Military Department.

ڈائریکٹر نے اُسی وقت مقامی پولیس اسٹیشن میں اس واقعے کی رپورٹ درج کروادی۔ چند لمحوں بعد پولیس نے پورے ملک میں جگہ جگہ تاکہ بندی کر کے بڑی سرگرمی سے ہینز کی تلاش شروع کر دی۔ لیکن سوئس پولیس کی بد قسمتی تھی کہ ہینز کب کا باڈر عبور کر کے مال Stuttgart پہنچا چکا تھا اور پھر یہی مال لیکر دو انجمن والا سنا جہاز کافی دیر پہلے اٹلی پرواز بھی کر چکا تھا۔

اسرائیلی جو ہینز پر نظر رکھے ہوئے تھے، انہیں جو نبی آپریشن کی جانے کا پتہ چلا تو اُسی وقت انہوں نے ٹیلیفون پر الفرد کو خفیہ اطلاع دی بہتر (72) گھنٹے بعد پولیس نے الفرد کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ الفرد کے چہرے پر کسی قسم کا خوف یا پریشانی عیاں نہیں تھی۔ پولیس اُسے گرفتار کر کے جیل لے گئی۔ پوچھ گچھ کے دوران الفرد نے پولیس کو ایک عجیب پیشکش کرتے ہوئے کہا۔ دیکھیں میں ایک عزت دار شہری ہوں۔ آپ لوگوں نے مجھے ایسے افراد کے سامنے ہتکڑیاں پہنائی ہیں جو مجھے اچھی طرح جانتے ہیں لیکن میں اس بے عزتی کو نظر انداز کرنے پر تیار ہوں اگر آپ مجھے خاموشی سے چھوڑ دیں ورنہ یہ معاملہ دنیا بھر میں مشہور ہو جائے گا اور فرانسیسی تو بالخصوص آگ بگولہ ہو جائیں گے اگر میں نے انکشاف کر دیا کہ میرا ج کے تمام پلانز اسرائیلیوں کے ہاتھ لگ گئے ہیں۔ آپ کو اندازہ ہے کہ اس سے ہماری حکومت اور فرانس کے درمیان کس قدر کشیدگی پیدا ہو جائے گی۔ بہر حال تمام بلیو پرنس کی مائیکرو فلمیں اب بھی ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ بلیو پرنس جو غائب ہو چکے ہیں، اُن کی ہمیں نے الحال قطعی ضرورت نہیں تھی کیونکہ

ہم مستقبل قریب میں کوئی جہاز سازی کرنے والے نہیں تھے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ قانونائیں نے ایک جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ لیکن اخلاقی طور پر میں بالکل بے گناہ ہوں۔ میں نے سوئزر لینڈ کو کم از کم کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہے۔ میں نے اپنے ضمیر کی آواز پر اسرائیل کی مدد کی ہے، کیونکہ اُن کی بقاء خطرے میں پڑ گئی تھی۔ ہمیں وہ دن نہیں بھولنا چاہئے جب آتش وز میں جرمنوں نے لاکھوں یہودیوں کو گیس چیمبر میں دھکیلا تھا۔

آپ مجھے خاموشی سے رہا کر دیں میں وعدہ کرتا ہوں کہ فرانسیزیوں کو کبھی اس واقعہ کا علم نہیں ہونے دوں گا۔ مگر سوکس حکام الفرڈ کے پُر کش بیان سے قطعی متاثر نہیں ہوئے، قانون، پھر بھی قانون تھا اُسے بہر صورت عدالت کے درپردہ پیش کرنا لازمی تھا۔ بالآخر 23 اپریل 1971ء کو ایک سوکس عدالت نے اُس پر صنعتی جاسوسی اور عسکری راز چوری کرنے کا جرم ثابت کرتے ہوئے ساڑھے چار سال قید با مشقت کی سزا سنائی۔ بعد میں الفرڈ نے تسلیم کیا کہ وہ کم از کم بیس سال قید کی توقع کر رہا تھا۔ سوکس گورنمنٹ کو سنسور دروازہ نے الفرڈ کے آپریشن کی مکمل رپورٹ پیش کی جس کے مطابق ایک سال کے عرصے میں اُس نے میراج کے انجن کے متعلق 2000 ڈرائنگز ایک لاکھ کے لگ بھگ (Jigs) کے بارے میں، آلات کے متعلق پیتا پیلز ہزار، سو کے قریب جہاز کے فریم اور اس کے علاوہ پندرہ ہزار بلیو پرنس پیئر پائلٹس اور مینٹیننس Maintenance سے متعلق اسرائیل منگل کرائی۔

لیکن ستمبر 1972ء میں سوکس حکومت نے اچانک نامعلوم وجوہات کے تحت اُسے رہا کر دیا۔ ڈھائی سال بعد اپریل 1975ء میں وہ اپنے ایک دوست کی دعوت پر بیوی کے ہمراہ اسرائیل گیا۔ جہاں اُس نے ایک خصوصی تقریب میں شرکت کی اور اسرائیل کے پہلے جدید لڑاکا بمبر طیارے کی آزمائشی پرواز دیکھی۔ اسرائیلی انٹرکرافٹ انڈسٹری کے تیار کردہ اس سہر سائیک جیٹ کو Kfir کا نام دیا گیا تھا۔ جس کا مطلب شیر کا بچہ ہے۔ اس اسرائیلی طیارے کی آزمائشی پرواز دیکھنے کیلئے دینا بھر سے ملٹری اور سول معززین کو مدعو کیا گیا تھا۔

Kfir ہو ہوفرانسیسی میراج III کی طرز پر ڈیزائن کیا گیا تھا۔ طیارہ جونہی گر جتا ہوا مہمانوں کے سروں کے اوپر سے گزرتا تو ایک جرمن ملٹری ایکسپرٹ نے ساتھ بیٹھے ہوئے ایک فرانسیسی کو کہنی مارتے ہوئے کر کہا۔ دیکھو Son of Marab! کو! الفرڈ جو عین اُن کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا اس بات پر حلا کا سا مسکرایا۔ صرف اُسے ہی اندازہ تھا کہ فرانسیسی مصر کو یہ مذاق کس قدر کڑوا لگا ہوگا۔ طیارے نے ایک بار پھر تل ابیب کی فضاء میں چکر لگاتے ہوئے ایک غوطہ کھایا تو خوشی سے الفرڈ کا دل دھک دھک کرنے لگا شاید وہ سوچ رہا تھا کہ اسرائیلیوں نے کس قدر جلد اُسکے جاسوسی کارنامے کو تیسویں صدی کے ایک شاہکار میں تبدیل کر دیا ہے۔

اسرائیل آنے سے قبل اُس کا خیال تھا کہ تل ابیب انٹرپورٹ پر اُس کا زبردست استقبال ہوگا، اُسے ہار پہنائے جائیں گے اور اُسے سرکاری مہمان کی حیثیت دی جائے گی۔ مگر یہ اُس کی خوش فہمی ہی رہی، اسرائیلی حکام نے اُسے کوئی لفٹ نہیں دی حتیٰ کہ اُس کے ہوائی ٹکٹ کا کرایہ بھی کسی نے ادا نہیں کیا۔ کسی اخبار یا رسالہ نے اُس کے کارنامے کا ذکر تک نہیں کیا۔ الفرڈ نے بڑے افسردہ لہجے میں جب ایک اسرائیلی اعلیٰ عہدیدار کو اس ستم ظریفی کا گلہ کیا تو جواب میں اُس نے وضاحت کی کہ موساد یا کوئی بھی سرکاری ایجنسی اُس کی خدمات کا یوں کھلم کھلا اظہار کر کے بالواسطہ طور سوئزر لینڈ کے خلاف اپنی جاسوسی سرگرمیوں کا اعتراف کبھی نہیں کر سکتی۔ ویسے بھی جاسوسوں کی بد قسمتی ہے کہ ان کے کارناموں کو کبھی بیان نہیں کیا جاتا۔ وہ ہمیشہ کیلئے تاریخ کے اندھیروں میں گم ہو جاتے ہیں۔

آج کل الفرڈ اپنی بیوی ایلیزبتھ کے ساتھ سوئٹزر لینڈ کے ایک خوبصورت گاؤں میں آرام سے زندگی کے بقیہ ایام پورے کر رہا ہے۔ اُسکے چھوٹے سے مکان کو ہمسائے Little Israel کے نام سے پکارتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مکان کا ایک کمرہ اسرائیلی کتابوں رسالوں اور سوونیر (Souvenirs) سے بھرا ہوا ہے۔ یہ سب کچھ اُسے اسرائیلی مداحوں اور دوستوں نے بھیجا ہے۔ اسرائیلی ائرفورس کا ارسال کردہ ایک خوبصورت البم بھی ایک میز پر پڑا ہوا ہے، جس میں Kfir کی مختلف زاویوں میں لی گئی تصاویر ہیں۔ الفرڈ اس البم کو کبھی کبھار بڑی چاہت سے دیکھتا رہتا ہے۔ خیال سے چھوٹنے کے بعد اُس نے ایک الیکٹرانک کمپنی میں ایک اعلیٰ منصب پر کام کیا۔ لیکن آج کل وہ اپنی ایجادات سے روزی کمار رہا ہے۔ اُس کا تیار کردہ کم قیمت انرکنڈیٹنگ یونٹ جو چھوٹی کاروں میں نصب ہوتا ہے بہت کامیاب ہے۔ لیکن اُسکی ایک اور دلچسپ اختراع ایک آلہ ہے جو Document discarding device کہتے ہیں۔ یہ آلہ کسی بھی دفتر میں متروکہ فائلیں اور کاغذات اکٹھی کر کے خود بخود جلا دیتا ہے۔ صرف سوئٹزر لینڈ میں ایک ہی مینیجمنٹ میں اس آلے کے پندرہ ہزار یونٹ فروخت ہوئے۔ کچھ عرصہ قبل الفرڈ نے یہی آلہ فرانس کی وزارت دفاع کو بھیجی تھی میں بھیجا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ انہوں نے نہ تو اس آلے کو سراہا اور نہ ہی واپس بھیجا۔ شاید انہیں ابھی تک میراج کے بلیو پرنٹس کے چوری ہونے کا دکھ تھا۔



دجال (شیطان کا بیٹا)

انگریزی ادب سے درآد ایک خوفناک ناول۔ علیم الحق کا شاندار اندازِ بیاں۔ شیطان کے پجاریوں اور پیروکاروں کا نجات دہندہ شیطان کا بیٹا۔ جسے بائبل اور قدیم صحیفوں میں بیٹ (جانور) کے نام سے منسوب کیا گیا ہے۔ انسانوں کی دنیا میں پیدا ہو چکا ہے۔ ہمارے درمیان پرورش پا رہا ہے۔ شیطانی طاقتیں قدم قدم پہ اسکی حفاظت کر رہی ہیں۔ اسے دنیا کا طاقتور ترین شخص بنانے کے لیے مکروہ سازشوں کا جال بنا چا رہا ہے۔ معصوم بے گناہ انسان، دانستہ یا نادانستہ جو بھی شیطان کے بیٹے کی راہ میں آتا ہے، اسے فوراً موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔

دجال یہودیوں کی آنکھ کا تارہ جسے عیسائیوں اور مسلمانوں کو تباہ و برباد اور نیست و نابود کرنے کا مشن سونپا جائے گا۔ یہودی کس طرح اس دنیا کا ماحول دجال کی آمد کے لیے سازگار بنا رہے ہیں؟ دجالیت کی کس طرح تبلیغ اور اشاعت کا کام ہو رہا ہے؟ دجال کس طرح اس دنیا کے تمام انسانوں پر حکمرانی کرے گا؟ 666 کیا ہے؟ ان تمام سوالوں کے جواب آپ کو یہ ناول پڑھ کر ہی ملیں گے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ آپ اس ناول کو شروع کرنے کے بعد ختم کر کے ہی دم لیں گے۔ دجال ناول کے تینوں حصے کتاب گھر پر دستیاب ہیں۔



Menachem Begin (Israeli Prime Minister)



Golda Meir (Israeli Prime Minister)



Menachem Begin (Israeli Prime Minister)



Leila Khalid
(The Palestinian Hijacker)



The Iraqi Mig Flown to Israel by Munir Redfa



Adolf Eichmann
(The Minister of Death)



Isser Harel
(First Chief of Mossad)



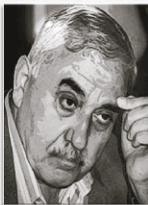
Georgina Rizk
(Salameh's wife)



Isser Harel (The first Chief of Mossad)

کتاب گھر ک . بیشکش

http://



George Habash (PLO Leader)

کتاب گھر ک . بیشکش

ar.com

George Habash
(PLO Leader)

شکش

http://

کتاب

ar.com

شکش

http://

کتاب

ar.com



Golda Meir (Israeli Prime Minister)

شکش

http://

کتاب

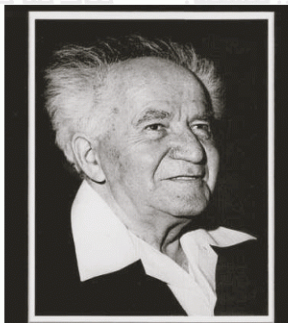
ar.com

شکش

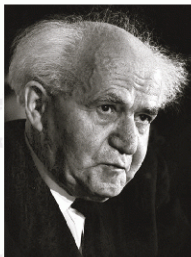
http://kitaabghar.com

http://kitaabghar.com

کتاب



David Ben Gurion (The first Israeli Prime Minister)

Begin
(Israeli Prime Minister)Adnan Khashoggi
(The Saudi Billionaire and Weapon dealer)

کتاب گھر ک. بشکش

http://

کتاب گھر ک. بشکش

ar.com



Abu Jihad (PLO Leader)



Ali Hassan Salameh (PLO Commando)

کتاب گھر ک. بشکش

http://

کتاب گھر ک. بشکش

ar.com



Abu Jihad (PLO Leader)

کتاب گھر ک. بشکش

http://k

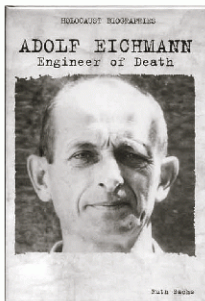
کتاب گھر ک. بشکش

ar.com

کتاب گھر ک. بشکش

http://kitaabghar.com

http://kitaabghar.com



کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

چربوغ کی میزائل بوٹس کا اغوا

<http://kitaabgohar.com>

مصر میں متعین موساد کے ایجنٹ وولف گینگ لونز نے 1962ء میں اپنے ہیڈ کوارٹر کو اطلاع دی تھی کہ بہت جلد سویت یونین مصری نیوی 'koma' اور 'osa' میزائل بردار کشتیاں فراہم کرنے والا ہے۔ اس میں سے ہر کشتی پر سام میزائل جن کی مار 25 میل تک تھی نصب تھے۔ اور اس سے اسرائیل کے گنجان آباد شہر حید اور تل ابیب با آسانی نشانہ بنائے جاسکتے تھے۔

اُس زمانے میں اسرائیلی بحریہ کے پاس دو انتہائی قدیم برطانوی ساختہ آب دوزوں، دس بارہ تارپیڈو بوٹس اور دو بھاری بھر کم سست رفتار ڈسٹرائر کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا جبکہ مصر کے پاس بارہ جدید ترین آب دوزیں، دس فریکٹس، چھ destroyer اور پچاس کے لگ بھگ تارپیڈو بوٹس تھیں۔ اور اب روسی میزائل بوٹس سے اس کی طاقت میں مزید اضافہ ہونے والا تھا۔

اس خطرے کے پیش نظر اسرائیلی ملٹری ایکسپرس نے فیصلہ کیا کہ انہیں بھی اپنی نیوی میں اسی قسم کے تیز رفتار کشتیاں شامل کرنی چاہیے۔ ان دنوں جرمنی جیکوار نامی جدید میزائل بوٹس تیار کر رہا تھا جس کی رفتار 45 میل فی گھنٹہ تھی۔ اسرائیل اسے حاصل کر کے اس پر اپنے Gabriel میزائل نصب کر کے مصری نیوی کا خوب مقابلہ کر سکتا تھا۔

1962ء کے آخر میں جرمنی نے مذکورہ کشتیاں اسرائیل کے ہاتھ فروخت کرنے کا معاہدہ کر لیا۔ جرمنی کی درخواست پر عربوں کی ہر بھی کے پیش نظر اسے انتہائی خفیہ رکھا گیا۔ اسی سلسلے میں 1964ء میں اسرائیل کو تین کشتیاں حوالے کی گئی۔

لیکن یہ بات جرمن انتظامیہ کے ایک فرد نے نیویارک ٹائمز کو لیک کر دی، یہ شخص ماضی میں نازی پارٹی کا حامی رہ چکا تھا اور اب بھی یہودیوں کا سخت مخالف تھا۔ جب یہ خبر امریکی جریدے کے صفحہ اول پر شائع ہوئی تو عرب دنیا میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ یون گورنمنٹ پر عربوں کی طرف سے اس قدر پریش پڑا کہ بالآخر جرمنی نے فیصلہ کیا کہ مزید کشتیاں اسرائیل کے لئے اب تیار نہیں کی جائے گی۔

لیکن در پردہ جرمنی نے اسرائیل کو تسلی دی کہ یہی کشتیاں اسی اور یورپی ملک میں بھی تیار کی جاسکتی ہیں۔ آخر فرانس نے اس کے لئے حامی بھری۔ فرانس کے شہر چربوغ کے شپ یارڈ میں ان کی پروڈکشن شروع ہوئی۔ اُس زمانے میں ویسے بھی فرانس اسرائیل کو 75% عسکری ساز و سامان فراہم کر رہا تھا۔

چند مہینوں میں دو سو کے قریب اسرائیلی ٹیکنیشن اور انجینئرز اس شپ یارڈ میں کام پر لگ گئے۔ وہ اپنے فرانسیسی ہم کاروں کے ہمراہ کشتیاں تیار کرنے لگے جو کبھی جرمنی میں تیار ہوا کرتی تھیں۔ اس آپریشن کا سربراہ بریگیڈ مورڈےچائی (Mordechai limon) تھا۔ اُس کا سمندر اور سمندری جہازوں سے متعلق بیس سالہ تجربہ تھا وہ 1950ء میں اسرائیل نیوی کا کمانڈر ان چیف رہ چکا تھا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ وہ محض 26 سال

کی عمر میں اس عہدے پر فائز ہوا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد وہ امریکہ چلا گیا جہاں اس نے بزنس اینڈسٹریشن ڈگری حاصل کی۔ بعد میں اسے اسرائیل کے لئے بیرون ملک فوجی ساز و سامان کی خریداری کیلئے خصوصی نمائندہ مقرر کیا گیا۔

اپریل 1967ء میں چربوغ کے شپ یارڈ نے اسرائیل کیلئے پہلی میزائل بوٹ تیار کر کے ان کے حوالے کی تو Limon نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ایک مقامی ہوٹل میں ایک تفریب منعقد کی، جس میں انہوں نے شمعوں اور واکن کی بوتلیں پی کر خوشی کا اظہار کیا اس کے بعد دوسری بوٹ بھی تیار ہو کر حیفہ روانہ کر دی گئی۔

1967ء کی عرب اسرائیل جنگ شروع ہونے سے پہلے 2 جون کو فرانس کے صدر جزل ڈیگال نے اسرائیل کو تمام فوجی ساز و سامان کی ترسیل پر پابندی عائد کر دی، جس سے اسرائیل انفرس کو زبردست دھچکا لگا کیونکہ اس کے زیر استعمال فرانسیسی ساختہ میراج سسٹم پیئر پارٹس اور دیگر ضروری آلات کی عدم موجودگی میں ناکارہ ہو کر رہ گیا۔

پیرس میں Limon نے ایک وفد کے ہمراہ فرانسیسی حکومت سے بات چیت بھی کی کہ وہ پابندی اٹھا لے مگر فرانس اس وقت عربوں کو خوش کرنے کے موڈ میں تھا۔

لیکن چربوغ میں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے اس پابندی (Embargo) کے بارے میں سنائی نہیں تھا۔ دو اور کشتیاں تیار ہو کر اسرائیل روانہ ہوئیں۔ اسرائیلی اب بھی اپنے فرانسیسی ساتھیوں کے ساتھ ملکر کام کر رہے تھے۔

لیکن اسی سال دسمبر میں حالات نے ایک دم پلٹا کھایا۔ اسرائیلی کمانڈر کی ایک ٹیم نے اچانک بیروت کے بین الاقوامی ہوائی اڈے پر حملہ کر کے وہاں کھڑے تیرہ کمرشل طیاروں کو بموں سے تباہ کر دیا۔ یہ کارروائی اس قدر منظم طریقے سے کی گئی کہ ایک بھی انسانی جان ضائع نہیں ہوئی اور کمانڈ وز بھی بحفاظت تل ابیب پہنچ گئے۔

جزل ڈیگال تو ویسے بھی اسرائیلیوں کو جارج قرار دے چکا تھا۔ اس واقع سے تو وہ اور بھی برہم ہوا۔ اپنی کابینہ کو اعتماد میں لئے بغیر اس نے سسٹم حکام کو ہدایت جاری کر دی کہ اسرائیل کو کسی قسم کا عسکری ساز و سامان جانے نہ پائے۔

اس دفعہ تجارتی پابندی مکمل طور پر لاگو ہو چکی تھی۔ مارسیلز کے ہوائی اڈے پر ایک اسرائیلی جہاز میں لوڈ کریٹ اتار لئے گئے، جن میں میراج کے فاضل پرزے تھے۔ اس کے علاوہ ایک اسرائیلی بوئینگ جو پرواز کیلئے رن دے پر تیار کھڑا تھا فرنچ سسٹم نے اسے روک کر تلاشی لی اور وافر مقدار میں الیکٹرانک آلات اپنے قبضے میں لے لئے۔ چربوغ میں تمام کشتیاں جو تیار کے مختلف مراحل میں تھیں منجمد کر دی گئیں۔

چربوغ کی بندرگاہ پر میزائل بوٹس جو تیار ہو چکی تھیں اس کے عرشے پر آسکین کے سلیڈرز، اوزار، کافی کے فلاسک اور شراب کی خالی بوتلیں ادھر ادھر بکھری پڑی تھیں۔ یہ سب کچھ فرانسیسی ٹیکنیشن چھوڑ کر گئے تھے۔

چار جنوری 1969ء صبح منہ اندھیرے اسرائیلی ملاح شپ یارڈ میں داخل ہوئے۔ شپ یارڈ بالکل ویران تھا۔ کیونکہ کارنگر ہفتہ وار چھٹی پر تھے۔ بغیر کسی غلت کے انہوں نے تین گھنٹے کا کرٹین کشتیوں کو سمندری سفر کیلئے تیار کیا۔ جب سب کچھ تیار ہو گیا اور کشتیوں کے انجن گرم ہو گئے

تو انہوں نے بڑی جرات سے اسرائیلی پرچم اوپر چڑھائے۔ کسی نے بھی انہیں روکنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ بڑے آرام کے ساتھ اسرائیل روانہ ہو گئے۔

اس واقعے کی خبر جب پیرس پہنچی تو وہاں کھلبلی مچ گئی۔ فرانسیسی وزیر دفاع نے اسرائیلی ٹیم کے سربراہ Limon سے جب اس سلسلے میں وضاحت طلب کی تو اس نے نہایت مختصر الفاظ میں جواب دیا۔

"They were given orders to sail for Haifa. They belong to us."

یہ عجیب اتفاق تھا کہ چربو یول حکام اور کسٹم کا عملہ حکومت کی عائد کردہ تجارتی پابندی سے لاعلمی کا اظہار کر رہے تھے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ کشتیاں اسرائیل روانہ ہونے کے دو دن بعد انہیں اس پابندی کے احکامات موصول ہوئے تھے۔ اس دعوے کو تقویت دینے کیلئے انہوں نے مقامی پوسٹ آفس سے دستاویزی ثبوت بھی مہیا کئے۔ بقول اُن کے یہ سارا قصور ناقص ڈاک سسٹم کا تھا۔

ایک دو ہفتوں تک تو پیرس سے مختلف اداروں کو سخت سرزنش کی چٹیاں ملتی رہیں۔ کئی اعلیٰ اور اہم عہدیداروں کی جواب طلبیاں ہوتیں رہیں۔ تاہم اس دوران باقی ماندہ چار کشتیوں پر کام مسلسل جاری رہا۔ اُدھر تل ابیب سے اسرائیلی ٹیم کے چیف Limon کوارجنٹ پیغام ملا، "باقی کشتیاں بھی اسرائیل کو فورا درکار ہیں، لیکن اب تو چربو یول کے کسٹم والے اور کوسٹ گارڈ مکمل چوکنا ہو کر پیرہ داری کر رہے تھے۔

نومبر 1969ء میں Limon کو واپس تل ابیب بلایا گیا۔ اسی ماہ موٹے دایان نے ایک اہم میٹنگ طلب کی جس میں Limon، موساد کے اعلیٰ عہدیداروں اور ملٹری انٹیلی جنس والوں نے شرکت کی۔ انہوں نے کشتیوں کے حصول کے لئے مختلف طریقوں پر غور کیا۔ صحیح طریقہ تو یہی تھا کہ فرنچ گورنمنٹ کو سفارتی سطح پر مجبور کیا جائے کہ وہ ان کشتیوں کو بلا تاخیر ریلیز کر دے جسکے لئے دونوں حکومتوں کے درمیان معاہدہ ہو چکا تھا اور رقم بھی ادا ہو چکی تھی مگر Limon کو پتہ تھا کہ کم از کم یہ طریقہ کار اب ناممکن تھا۔ ایک دوسرا راستہ بھی تھا مگر اسے رد کر دیا گیا کیونکہ اسرائیل ایک بار ارجنٹینا میں اس سے ملتی جلتی حرکت کر چکا تھا۔ ایڈولف ایٹھمین کے انواء سے اس کی بڑی بدنامی ہوئی تھی۔ آخر کئی دنوں کی پلاننگ کے بعد ایک زبردست سکیم بنائی گئی۔ موساد کے ماہرین کو پتہ تھا کہ یہ پلان انتہائی مشکل تھا کیونکہ اس میں تجربہ کار رائیجٹوں کی بجائے ٹیکنیشن اور صلاح شامل تھے۔ جو جاسوسی کی دنیا کے کاموں سے قطعی بے خبر تھے۔ لیکن Limon نے انہیں تسلی دی کہ اس کے زیرِ کمان تمام افراد اپنا اپنا رول انتہائی ہوشیاری سے ادا کریں گے۔ اس خفیہ کاروائی کا نام "اپریشن کشتی نوح" (Operation, Noahs Ark) رکھا گیا۔

Limon تل ابیب میں دس روز قیام کے بعد واپس پیرس پہنچ گیا۔ اس نے اگلے ہی روز چربو یول شپ یارڈ کے انچارج کو اطلاع دی کہ اسرائیلی حکومت نے باقاعدہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ ان کشتیوں کے لئے اب مطالبہ نہیں کریں گے۔ لیکن فرانس انہیں بچ کر اسرائیل کو اپنی ادا شدہ رقم واپس کر دے۔ شپ یارڈ انچارج مسٹر فیلکس کو یہ بات بے حد معقول لگی اور اس نے فوراً اپنے افروں سے بات چیت کر کے اسے منظور کروایا۔

اس کے محض دو دن بعد فیلکس کو ایک شخص دفتر میں ملا جو اپنا نام مارٹن بتا رہا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ تعمیریاتی فرم کا مالک اور ایک نارویجن شپنگ کمپنی Starboat and well کا ڈائریکٹر ہے۔ یہ شخص پہلے بھی ایک مرتبہ فیلکس سے پیرس میں مل چکا تھا۔ "آپ کا تعلق اوسلو سے ہے

تا "Felix نے ہاتھ ملاتے ہوئے اُس سے پوچھا، "تعلق ایک لحاظ سے ہے بھی اور نہیں بھی، میری کمپنی پانامہ میں رجسٹرڈ ہے لیکن میں ناروے کو اپنا گھر سمجھتا ہوں" مارٹن نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

اس نے Felix کو کہا کہ وہ ان اسرائیلی کشتیوں کو خریدنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ ہماری کمپنی جو الاسکا کے ساحلوں کے قریب تیل کی تلاش کر رہی ہے اس قسم کی کشتیوں کو استعمال کرتی ہے۔ ہمارا مسئلہ وقت کی کمی کا ہے لہذا ہمیں یہ کشتیاں جلد از جلد درکار ہیں۔

دونوں افراد کے درمیان چند ہی لمحوں میں معاہدہ ہو گیا۔ فیکس کو اس بات پر بے حد خوشی ہوئی کہ چلو اس جہنی عذاب سے نجات مل گئی جو ایک عرصے سے اس کے حواس پر چھایا ہوا تھا۔ فرانسیسی حکومت کو بھی اس سودے پر اعتراض نہیں تھا۔ کیونکہ کشتیاں جنگی ساز و سامان سے لیس نہیں تھیں۔ اور ناروے مشرق وسطیٰ میں بھی واقع نہیں تھا لہذا وہ فرانس کی عائد کردہ تجارتی پابندی کے زیر اثر نہیں تھا۔

فرانس نے یہ سودا اس قدر غلط میں کیا تھا۔ اگر وہ ذرا بھی عقل سے کام لیتے تو انہیں پتہ چل جاتا کہ مذکورہ شپنگ کمپنی (Starboat and weill) پانامہ کی قانونی فرم تھی لیکن محض چند روز قبل ہی وجود میں آئی تھی۔ وہ کم از کم اس بات کو تو شک کی نظر سے دیکھ سکتے تھے کہ آخر تیل کی تلاش کیلئے اتنی ہائی سپیڈ کشتیاں اس کمپنی کو کیوں درکار ہیں۔

لیکن فرانسیسیوں نے سکھ کا سانس لیا کہ چلو ان کشتیوں سے جان چھوٹ گئی۔ سول سروس کے حکام نے تیزی سے تمام کاغذی کارروائی مکمل کی اور چربو بخ کے شپ یارڈ کو ہدایات جاری کر دیں کہ کشتیوں کو مذکورہ کمپنی کے حوالے کر دیا جائے۔

اس دوران میں چربو بخ کے شپ یارڈ میں ایک بار پھر رونق لوٹ آئی۔ نوجوان سیلرز کی ایک ٹیم ناروے سے پہنچ گئی۔ یوں لگ رہا تھا کہ کشتیاں جلد ہی روانہ ہونے والی ہیں۔

شپ یارڈ میں ایک چھوٹا سا سنور تھا جہاں سگریٹ شراب اور دیگر ضروری استعمال کی چیزیں فروخت ہوتی تھیں۔ اس سنور کا مالک خوب پیسے کماتا تھا۔ وہ ان دنوں نارویجن سیلروں کی آمد سے بھی بہت خوش تھا کیونکہ وہ سگریٹ کے کارٹن کے کارٹن خرید رہے تھے۔ پیئرز کشتیوں پر عبرانی جملے اور نشانات مٹا کر اس پر اپنی کمپنی کے نام اور نشانات چنٹ کر رہے تھے۔

اسرائیلی ملاح اور ٹیکنیشن جو اب بھی چربو بخ میں موجود تھے۔ یہ تماشا خاموشی سے دیکھ رہے تھے دراصل وہ اسرائیل واپسی کیلئے پیک اپ میں مصروف تھے۔ چربو بخ کے ایک قمار خانے میں جہاں اسرائیلی ملاح باقاعدگی سے جاتے تھے مقامی لوگوں نے ایک ملاح کے رویے میں غیر معمولی تبدیلی محسوس کی تھی۔ وہ جوئے کی بازی میں عموماً معمولی رقم داؤ پر لگا تا تھا مگر اس بار وہ اچانک بڑی رقم بھینک رہا تھا۔ اس پر ایک فرانسیسی نے مذاق میں اس کی وجہ دریافت کی تو اسرائیلی کہنے لگا اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا ہم ویسے بھی چند ہی دنوں میں رخصت ہونے والے ہیں۔ اس بات پر اس کے ساتھ کھڑے دوسرے اسرائیلی سیلروں نے عبرانی میں اسے ٹوکا کہ فضول بکواس کر رہے ہو جس پر اس نے معذرت بھی کی۔ اس کے علاوہ مقامی لوگوں نے تو ان نارویجن سیلروں کو کئی بار عبرانی الفاظ ادا کرتے ہوئے بھی سنا جو یقیناً غیر متوقع بات تھی۔

Ezra Kedem کا متعدد بار شپ یارڈ میں آنا جانا بھی شک سے خالی نہیں تھا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے کچھ عرصہ قبل پہلی میزائل

بوٹ چر بوغ کے ساحل سے تل ایبب روانہ کی تھی۔ مگر ان تمام معنی خیز سرگرمیوں کو فرانیسیوں نے کبھی محسوس نہیں کیا۔

کرسمس کو ابھی چند دن باقی تھے۔ لوگ تیار یوں میں مصروف ہو چکے تھے۔ اسرائیلی سبیلز بھی اپنے فرانیسی ساتھیوں سے کہہ رہے تھے۔ کہ وہ کرسمس پیرس میں منائیں گے۔ انہوں نے پیرس کے ایک ریستورانست Cafe du theatre میں ستر آدمیوں کیلئے کرسمس ڈنر کا بھی بیٹنگی آرڈر بھی دیا۔

18 اور 23 دسمبر کے درمیان "نارویجن کمپنی کے ٹیکنیشن" دن رات کشتیوں کے انجن ٹیٹ کرنے میں مصروف رہے۔ وہ جلد از جلد لمبے سمندری سفر پر روانہ ہونے والے تھے۔ جنوبی کرسمس کا دن شروع ہوا سفر کی تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں۔

اس صبح Limon نے پیرس میں اپنی بیوی راخیل بیٹی ٹلی اور بیٹے یو کا کو الوداع کہا اور فوڈا چر بوغ کی طرف روانہ ہوا۔

اس روز Ezra Kedem کو کئی لوگوں نے دیکھا کہ وہ ایک طاقتور دور در بین کی مدد سے سمندر کا مشاہدہ کر رہا تھا یا بندرگاہ کی حدود کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ سمندر کے مشرقی راستے کی طرف خاص دل چسپی سے دیکھ رہا تھا جس سے سال کے شروع میں تین میزائل بوٹس اسرائیل گئی تھیں۔ اس سمندری چیلن کا ایک فائدہ یہ تھا کہ اس میں زیادہ تو Blind spots یعنی ایسے مقامات تھے جہاں ساحلی ریڈار کسی جہاز کی نقل و حرکت کو محسوس نہیں کر سکتے تھے۔

آپریشن کشتی نوہ (op. Noah's ark) اپنے آخری اور خطرناک مرحلے میں داخل ہو رہا تھا۔

Limon شام چار بجے چر بوغ کے باربر ایریا پہنچا جہاں Ezra Kedem اس کے انتظار میں کھڑا تھا۔ انہوں نے کشتیوں کا معائنہ کیا۔ ہر کشتی پر 20 اسرائیلی سبیلز (نارویجن باشندوں کے ہمیں میں) موجود تھے۔

انہیں سمندر کی ناموافق ہواؤں نے پریشانی میں مبتلا کر دیا تھا۔ بلکہ تھوڑی دیر بعد تو لہروں میں طوفان بھی امنڈ آیا تھا۔ ایسے حالات میں سفر خطرے سے خالی نہیں تھا مگر وہ آج رات بہر حال فرانس کے ساحل سے نکلنا چاہتے تھے بلکہ ایسا موقع کبھی پھر انکے ہاتھ نہیں آتا تھا۔

اگلے چند گھنٹے اسرائیلیوں نے نہایت مصروف گزارے۔ ہر کشتی کے عملے نے سفر کے لئے اپنا راشن اور دیگر ضروری آلات چیک کئے۔ ایندھن کے ٹینک مکمل لبریز کر دیے گئے۔ اسکے علاوہ اضافی تیل بھی سٹور کر دیا گیا تھا۔

Ezra Kedem جس نے سب سے اگلی کشتی میں سفر کرنا تھا نے آخری لمحے تک سمندر کی موسمی صورت حال پر گہری نظری رکھی۔

رات کے ٹھیک نو بجے کشتیوں کے انجن چالو کر دیے گئے۔ ادھر چر بوغ کے ناؤں میں لوگ کرسمس ڈنر کے مزے لوٹ رہے تھے۔ ٹھیک کی بوتلیں کٹاخ پناخ کھل رہی تھیں، انہوں نے بھی ان میزائل بوٹس کے انجن کی گڑگڑاہٹ سنی تھی مگر انہوں نے دھیان اسلئے نہیں دیا کہ یہ بندرگاہ میں روزانہ کا معمول تھا۔ مگر ایک جگہ بڑی پریشانی پیدا ہوئی Cafe due theatre جہاں کچھ ہی روز قبل ان اسرائیلی سبیلوں نے کرسمس ڈنر کے لئے بڑی بڑی میزیں بک کی تھیں وہ اب تک خالی پڑی تھیں۔

موساد کا بنایا ہوا یہ پلان انتہائی رازداری کے ساتھ جاری تھا مگر بقول فرانیسی سیکرٹ سروس، انہیں کچھ شک ہو چکا تھا جب نارویجن سبیلز

کبھی کبھار عبرانی الفاظ استعمال کرتے۔ مگر یہاں بھی لا پرواہی ہوئی، اعلیٰ حکام نے اسکا کوئی خاص نوٹس نہیں لیا۔ آدھی رات کو میزائل بوٹس کے انجن پوری قوت کیساتھ چل رہے تھے، یہ شور گرجا گھروں کے گھنٹوں اور ساحل پر لنگر انداز دوسرے بحری جہازوں کے سائرن کی آوازوں میں مدغم ہو رہا تھا۔ چربوٹ کرسمس منار ہاتھا۔ پانچ منٹ بعد اسرائیلی کشتیوں نے لنگر اٹھائے اور آہستہ آہستہ ایک لمبے بحری سفر پر روانہ ہوئے وہ جونہی انگلش چینل (English channel) میں داخل ہوئے تو کشتیوں کی رفتار تیز کر دی گئی۔

ساحل پر کھڑے دو افراد نے کشتیوں کو رخصت ہوتے دیکھا تھا۔ ایک Limon اور دوسرا Felix Amid تھا۔ کشتیاں جونہی نظروں سے اوجھل ہوئی تو دونوں نے گرم جوشی کیساتھ ایک دوسرے کو گلے لگایا۔ اس کے بعد وہ نہایت غلط میں علیحدہ علیحدہ پیرس کی طرف روانہ ہو گئے۔ جہاں ان کی فیملیاں کرسمس کے موقع پر ان کا انتظار کر رہی تھیں۔

ایڈمرل Limon اپنی رہائش گاہ پر مسلسل ریڈیو سے موسیٰ رپورٹ سنتا رہا اور وہ اس انتظار میں بھی تھا کہ اچانک ریڈیو سے میزائل بوٹس کی پراسرار روانگی کے بارے میں خبر نشر ہو جائے گی۔ لیکن فی الحال تو وہ اپنے سوبہادر سیلوں کی زندگی کے بارے میں پریشان تھا جو کھلے سمندر میں اسرائیل کی جانب رواں دواں تھے۔

دوسرے روز 26 دسمبر کو ایک اخبار کو اس واقعے کا علم ہو گیا اور یوں دنیا بھر کے پریس اور الیکٹرانک میڈیا پر یہ بات آگئی کہ موساد نے بڑی صفائی کیساتھ کشتیاں غائب کر دی ہیں۔ بس پھر کیا تھا، حکومتی سطح پر بوکھلاہٹ کی سی کیفیت چھا گئی۔ سب حیران اور پریشان تھے کہ دو مرتبہ فرانسیسی گورنمنٹ کو بے وقوف کیسے بنایا گیا۔ ادھر فرانس کی وزارت دفاع سیلیفون کالوں کی یلغار میں پھنس چکی تھی۔ لوگ طرح طرح کے سوالات کی بوچھاڑ کر رہے تھے۔ کیا فرانس نے تجارتی پابندی اٹھائی ہے؟ کس نارویجن کمپنی نے یہ کشتیاں خریدی ہیں؟ وہ کمپنی تیل کی تلاش کیلئے میزائل بوٹس کیوں استعمال کر رہی ہیں؟ کیا واقعی اس لمبے وہ کشتیاں الاسکا Alaska کی طرف بڑھ رہی ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

پیرس میں دوسری طرف ایڈمرل Limon کے گھر بھی اخباری رپورٹس اس قسم کے سوالات کر رہے تھے مگر وہ نہایت خندا پیشانی کیساتھ ان سے منٹ رہتا تھا اس نے کہا ”کاش میں آپ کی کوئی مدد کر سکتا، مجھے تو فریخ گورنمنٹ کے حوالے سے پتہ چلا ہے کہ وہ کشتیاں کسی نارویجن کمپنی کے ہاتھ فروخت ہوئی ہیں مجھے اس وقت اس کمپنی کا نام ٹھیک طرح سے یاد نہیں آ رہا۔ اچھا ہوگا اگر آپ لوگ حکومت سے اس بارے میں پوچھ لیں۔ اسی روز شام کو دوسری خبر آئی کہ کشتیاں جبل الطارق کی طرف رواں دواں ہیں یعنی الاسکا کی منزل نہیں ہے۔

صدر جارج پومپیدو (George Pompidou) اپریل میں جزل ڈیگال کے استعفیٰ کے بعد فرانس کا نیا صدر منتخب ہوا تھا وہ اس واقعے پر سخت برہم تھا کیونکہ گزشتہ حکومت کی طرح وہ بھی عربوں کیساتھ خیر سگالی کے تعلقات برقرار رکھنے کا حامی تھا۔ تاہم وہ حقیقت پسند تھا اس نے اپنے وزیر خارجہ Mourice Schoman کو کہا ”میزائل بوٹس کو اس وقت نارویجن یا اسرائیلی یا پانامہ کے قزاق چلا رہے ہیں اب ہم کیا کر سکتے ہیں کیا تم چاہتے ہو کہ انہیں ہم اتار پیڑو سے تباہ کر دیں“ دوسرے طرف فرینچ نیل حکام نے بھی کسی قدر شرمندگی سے جواب دیا کہ ان کے پاس ایسی کوئی تیز رفتار کشتی میسر نہیں ہے جو ان کا پیچھا کر سکے۔ وزیر خارجہ نے سخت غصے کی حالت میں اسرائیلی سفیر کی رہائش گاہ فون کیا کہ وہ فورا

دفتر خارجہ میں حاضر ہو کر وضاحت کرے مگر اتفاق سے وہ اس وقت زیورخ میں دوستوں کے ساتھ گپ شپ لگا رہا تھا وہاں اس کا ایڈرس بھی معلوم نہیں ہو سکا۔ وزیر خارجہ نے مطالبہ کیا کہ اگر سفیر موجود نہیں ہے تو سفارت خانے کا کوئی اور ذمہ دار فرد اسے فوراً ملے۔

دوسرے روز اسرائیلی سفارت خانے کے دو معمولی ڈپلومیٹ Schomann کے دفتر میں حاضر ہوئے۔ وزیر خارجہ نے آگ بگولہ ہوتے ہوئے ان سے مطالبہ کیا۔ ”میزائل بوٹس کا تم لوگوں نے کیا کیا ہے؟ اگر وہ اسرائیل پہنچائی گئی تو انتہائی سخت نتائج کی ذمہ داری ان پر ہوگی۔ ادھر یروشلم میں پرائم منسٹر سسرگولڈا میسر نے اپنی کابینہ کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کہا فرانس نے بذات خود یہ کشتیاں ناروے کی ایک شپنگ کمپنی Star boat & weیل کے ہاتھ فروخت کی ہیں۔ ہو سکتا ہے اب اس کمپنی نے یہ کشتیاں کسی اسرائیلی فرم کو کرائے پر دی ہوں۔ تاہم ہم معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ یہ کون سی فرم ہے۔ اسی دن وزیر اعظم کا یہ پیغام فرانسیسی سفیر کے حوالے کیا گیا۔

اسی دوران میں مصر کے صدر جمال عبدالناصر نے فذانی سے ملاقات کی اور تجویز پیش کی کہ ان کشتیوں کو کسی طرح راستے میں ہی ڈبو دیا جائے۔ اس کے بعد مصر کی ایک آب دوز اس مشن پر روانہ کی گئی مگر اسرائیلی پہلے ہی سے چوکس ہو چکے تھے۔ انہوں نے حفاظت کے لئے دو جنگی جہاز بھیج دیے تھے۔ لہذا مصری آب دوز کو واپس لوٹنا پڑا۔

فرانس کے میراج طیاروں نے ان کشتیوں پر کئی بار نیچے پروازیں کیں، سویت یونین سے کئی بحری جہازوں نے انکی تصویریں اتاریں اور تھوڑی دیر انکے ارد گرد چکر لگا کر انہیں ڈرانے کی کوشش بھی کی۔

قبرص کے قریب تو ایک روسی جہاز اسرائیلی کشتی کے اتنے قریب آ گیا تھا کہ خوفناک تصادم ہوتے ہوتے رہ گیا۔ میزائل بوٹس جو نبی اسرائیل کے قریب پہنچی تو اسرائیلی ائرفورس کے جنگی طیارے جو پہلے ہی سے فضا میں گردش کر رہے تھے۔ اب کشتیوں کے ارد گرد پرواز کرنے لگے Ezrakedem نے بعد میں کہا کہ اس نے جو نبی اسرائیلی طیاروں کو دیکھا تو اس کے دل میں تحفظ کا احساس بیدار ہوا۔ کچھ دنوں بعد جب یہ کانوائے حیفہ کی بندرگاہ پہنچا تو لوگوں نے اس کا والہانہ استقبال کیا۔

پیرس میں اس کا رول اتنا جذباتی نہیں تھا مگر نیوی کے دو فورسٹار جرنیل جنہوں نے نارویجن فرم کے ہاتھ ان کشتیوں کی فروخت کی منظوری دی تھی کو اپنی نوکریوں سے ہاتھ دھوٹا پڑا۔ انڈمرل Limon کو فرانس سے فوراً اٹکل جانے کا حکم دیا گیا اس نے جاتے ہوئے کوئی سرکاری بیان دینے سے انکار کر دیا تاہم انرپورٹ کے لاؤنج میں ایک اخبار والے نے جب ان سے دریافت کیا ”سر کیا آپ نے کبھی اس قسم کے میزائل بردار کشتی کی کمان کی ہے؟“ Limon نے انتہائی عقیدگی سے جواب دیا ”بالکل نہیں“ یہ میرے لئے حد چھوٹی ہے۔ ویسے مجھے تیل کی تلاش میں کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔“

ویسے چربوغ کے متعدد اعلیٰ نیول حکام نے درپردہ اسرائیلیوں کی بہت مدد کی تھی۔ یہ تاثر قطعی طور پر بنیاد ہے کہ موساد نے یہ سب کچھ انتہائی رازداری میں سرانجام دیا۔

چربوغ کے ایک باشندے کو اسرائیلیوں سے سخت گلہ تھا اور وہ اس کیفے کا مالک تھا جہاں اسرائیلی سٹروں نے کمرس ڈز کیلئے بنگ کی تھی۔

74 افراد کا کھانا تیار ہو چکا تھا مگر نہ تو کوئی اسے کھانے آیا اور نہ ہی کسی نے رقم ادا کی لیکن اس کا غصہ دو ہفتے بعد خود بخود ٹھنڈا پڑ گیا۔ جب اس ریل سے ایک لفافے میں چیک آیا جس کے ساتھ ایک معذرت نامہ بھی تھا۔

اگرچہ کیفے کے مالک کو کبھی پتہ نہیں چلا کہ وہ چیک موساد کے ہیڈ کوارٹر میں سائن ہوا تھا۔



کیا آپ کتاب چھوانے کے خواہش مند ہیں؟

اگر آپ شاعر/مصنف/مؤلف ہیں اور اپنی کتاب چھوانے کے خواہش مند ہیں تو ملک کے معروف پبلشرز ”علم و عرفان پبلشرز“ کی خدمات حاصل کیجئے، جسے بہت سے شہرت یافتہ مصنفین اور شعراء کی کتب چھاپنے کا اعزاز حاصل ہے۔ خوبصورت دیدہ زیب ٹائٹل اور اخلاط سے پاک کمپوزنگ، معیاری کاغذ، اعلیٰ طباعت اور مناسب دام کے ساتھ ساتھ پاکستان بھر میں پھیلا کتب فروشی کا وسیع نیٹ ورک کتاب چھاپنے کے تمام مراحل کی مکمل نگرانی ادارے کی ذمہ داری ہے۔ آپ بس میٹر (مواد) دیجئے اور کتاب لیجئے۔

خواتین کے لیے سنہری موقع..... سب کام گھر بیٹھے آپ کی مرضی کے عین مطابق.....

ادارہ علم و عرفان پبلشرز ایک ایسا پبلشنگ ہاؤس ہے جو آپ کو ایک بہت مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے کیونکہ ادارہ ہذا پاکستان کے کئی ایک معروف شعراء/مصنفین کی کتب چھاپ رہا ہے جن میں سے چند نام یہ ہیں.....

عمیرہ احمد	ماہ مالک	فرحت اشتیاق	رخسانہ نگار عدنان	قیصرہ حیات	انجم انصار
نازیہ کنول نازی	نگہت عبداللہ	رفعت سراج	نبیلہ عزیز	نگہت سیما	میمونہ خورشید علی
اقراء صفیر احمد	ہاشم ندیم	طارق اسماعیل ساگر	ایم۔ اے۔ راحت	انتہار ساجد	شیماء مجید (تحقیق)
محی الدین نواب	علیم الحق حق	امجد جاوید	جاوید چوہدری	ایس۔ ایم۔ ظفر	

مکمل اعتماد کے ساتھ رابطہ کیجئے۔ علم و عرفان پبلشرز، اردو بازار لاہور۔ ilmoirfanpublishers@yahoo.com

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

منسٹر آف ڈیٹھ

(Minister of Death)

تیس مئی ۱۹۶۰ء کو یروٹلم کی گلیوں اور بازاروں میں خبر گرم تھی کہ شام کو وزیراعظم ڈیوڈ بن گوریان پارلیمنٹ (Knesset) کے ایک اہم اجلاس میں کوئی اہم انکشاف کرنے والے ہیں۔ لوگ طرح طرح کی قیاس آرائیاں کر رہے تھے کہ وزیراعظم آخر کیا کہنے والا ہے۔ اسرائیلی پارلیمنٹ کا اسمبلی ہال مقررہ وقت سے پہلے ہی لوگوں سے کھینچ بھر چکا تھا۔ شام کے ٹھیک چار بجے جب بن گوریان ڈاؤن پر نمودار ہوا تو ہال میں ایک دم ایسی خاموشی چھا گئی جیسے انہیں سانپ سونگھ گیا ہو۔

چند لمحوں بعد اس نے اپنے ماتھے پر گرے ہوئے برف جیسے سفید بالوں کی لٹ کو کھٹاتے ہوئے مائیک پر تقریر شروع کی:

" I have to inform the Knesset that a short time ago one of the greatest Nazi criminal, Adolf Eichmann who together with other Nazi Leaders collaborated in so-called "final solution" of Jewish gession, namely the extermination of six mil European jews was found by the Israeli secret service. He is already under arrest Israel and he will shortly be brought to trial in Israel under the Nazi Collabora (Punishment) Law of 1950"

اس دھماکہ خیز انکشاف کیساتھ ہی پورا ہال مسلسل کئی منٹ تک تالیوں کے بے ہنگم شور سے گونجتا رہا، دوسرے ہی لمحے یہ خبر دُنیا کے ہر زبان کے اخباروں میں شہ سرخی بن چکی تھی۔

اس رات باوجود زبردست کوشش کے، اخباری نمائندے اس سلسلے میں وزیراعظم تک رسائی نہ کر سکے۔

آخر انہوں نے اسرائیلی پولیس کے سربراہ سے التجا کی کہ وہ ایڈولف ایشمین کی گرفتاری کے بارے میں تفصیلات بتائے کہ وہ کیسے اور کہاں سے پکڑا گیا اور پھر اسے اسرائیل کیسے لایا گیا وغیرہ۔ پولیس آفیسر نے اخباری نمائندوں کے سب سوالوں کا جواب دینے سے انکار کرتے ہوئے کہا: "ایشمین جہاں سے بھی گرفتار ہوا ہے اس کے متعلق ہم کبھی کچھ نہیں کہہ سکیں گے۔ وجہ یہ ہے کہ ایشمین نے ہم سے درخواست کی ہے ان تفصیلات کو منظر عام پر نہ لایا جائے کیونکہ اس سے اسکی بیوی بچوں کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔

http://kitaabghar.com

http://kitaabghar.com

ایڈولف ایشمین ۱۹۰۶ء میں جرمنی کے ایک شہر میں پیدا ہوا تھا۔ ۱۹۱۴ء میں وہ اپنے والدین کے ہمراہ آسٹریا منتقل ہوا جہاں اس کے باپ نے ایک کپنی میں بطور کلرک ملازمت اختیار کی۔ ایشمین سکول کے زمانے میں کوئی ذہین طالب علم نہیں رہا تھا۔ پندرہ سال کی عمر میں وہ ایک ٹیکنیکل سکول سے ڈراپ کیا گیا تو اس نے ایک آئل کپنی میں بطور سیلر مین نوکری شروع کی۔

۱۹۳۲ء میں اس نے جرمن سیکرٹ پولیس گسٹاپو (Gestapo) جو ان کے ایک نیا کیرئیر شروع کیا۔ وہ ترقی کرتے کرتے کرمل کے عہدے پر پہنچا۔

جرمنی میں یہودیوں کے خلاف نفرت کی تاریخ انیسویں صدی میں شروع ہوئی تھی مگر ہٹلر کے سربراہان آتے ہی اس میں انتہائی شدت پیدا ہو گئی۔

۱۹۴۱ء میں یہودیوں کی مردم شماری کر کے انہیں باقی جرمن شہریوں سے الگ تھلگ علاقوں میں منتقل کر دیا گیا۔ شہر کے ان محلوں کو جہاں یہودیوں کو رہنے پر مجبور کیا گیا Ghetto کہا جاتا تھا۔

یہودیوں کی شناخت کیلئے گورنمنٹ نے حکم جاری کیا کہ چھ سال سے اوپر عمر والے تمام یہودی مرد اور عورتیں اپنے گلے میں پہلے رنگ کا چھ کوئوں والا ستارہ (Star of David) پہنے۔ وہ اپنے مخصوص محلوں سے بغیر پیش پاس کے کہیں نہیں جاسکتے تھے۔ شام کے بعد تو ان جگہوں میں مکمل کرفیو نافذ کر دیا جاتا تھا اس کے بعد ایک اور اعلان ہوا کہ یہودی پبلک ٹرانسپورٹ اور ٹیلیفون استعمال نہیں کریں گے۔

۱۹۴۲ء میں ہٹلر کی حکومت نے منظم طریقے سے یہودیوں سے تمام برقی آلات ٹائپ رائٹرز اور بائی سائیکلیں چھین لیں۔ دکانداروں کو تختی سے تنبیہ کی گئی کہ وہ ان یہودیوں کے ہاتھ گوشت، انڈے، دودھ اور مچھلی وغیرہ ہرگز فروخت نہ کرے۔ ستمبر ۱۹۳۹ء میں جب ہٹلر نے پولینڈ پر چڑھائی کی تو تیس لاکھ یہودی نازیوں کے رحم و کرم میں آئے انہوں نے وارسا اور ارد گرد کے شہروں میں بڑے بڑے Concentration

Camps بنائے جہاں ان یہودیوں کو زبردستی ٹھوسا گیا ان کیپوں کے ارد گرد بڑی بڑی دیواریں چنوا دی گئی۔ کیپ کے چاروں طرف مسلح جرمن گارڈز متعین ہوئے اس دوران گورنمنٹ نے ایک اور قانون نافذ کیا جسکی رو سے ایک شخص کا اگر دادا یا پردادا بھی یہودی گڑا ہو تو وہ بھی یہودی کہلائے گا اگرچہ اسکا موجودہ مذہب جو بھی ہو۔ جوں جوں جرمن فوجیں یورپ کو روندتی گئی تو وہاں کے یہودیوں کے برے دن آتے گئے۔

ایڈولف ایشمین انہی دنوں گسٹاپو کے Jewish Section کا انچارج مقرر ہوا۔ ویسے نازیوں نے پولینڈ پر حملے سے بہت پہلے ہی یہودیوں کے خلاف ایک منظم کارروائی شروع کر دی تھی۔ گورنمنٹ نے یہودیوں کے خلاف پہلا سوشل بائی کاٹ یکم اپریل ۱۹۳۳ء میں شروع کیا۔

اخباروں اور اشتہاروں کے ذریعے لوگوں سے اپیل کی گئی کہ وہ یہودی دکانداروں، وکیلوں اور ڈاکٹروں کا مکمل بائیکاٹ کریں۔ اکثر جرمن باشندوں نے حکومت کی اپیل کا مثبت جواب دیتے ہوئے وہی کچھ کیا۔ سکولوں، لجنوں اور یونیورسٹیوں سے بڑی تعداد میں یہودی طلباء کو بغیر کسی وجہ کے نکالا جانے لگا۔ ۱۹۳۵ء میں Nuremberg Laws کے نفاذ کے ساتھ ہی یہودیوں کے ساتھ شادی بیاہ کرنا خطرناک جرم قرار دیا گیا۔ اس قانون کا مقصد خالص جرمن نسل کی برتری ثابت کرنا تھا۔ صرف ۱۹۳۶ء میں جب اولمپک گیمز جرمنی میں منعقد ہوئے تو ہٹلر نے دنیا کو دکھانے کیلئے

(Anti-Semitic Policy) میں کچھ ماہ کیلئے نرمی کی۔ ۱۹۳۷ء سے کسی بھی یہودی صنعت کار کی کمپنی بغیر کسی قانونی جواز کے بند کر دی جاتی تھی۔ ۹ جون ۱۹۳۸ء کو میونخ کے سب سے بڑے یہودی عبادت خانے (Synagogue) کو گورنمنٹ نے ہزاروں تماشا بیوں کے سامنے بلند کر دیا۔ اس کے بعد دوسرے شہروں میں بھی یہی عمل دہرایا گیا۔ اسی سال ایک اور قانون کے مطابق یہودیوں کو پاسپورٹ کی سہولت سے محروم کر دیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد جرمنی میں صدیوں سے مقیم پولش نسل کے سترہ ہزار یہودیوں کو ملک بدر کر دیا گیا۔ ۱۹۳۹ء کے آغاز میں گورنمنٹ نے یہودیوں سے تمام قیمتی اشیاء چھیننا شروع کی۔ گرمیوں میں رات ۹ بجے اور سردیوں میں ۸ بجے کے بعد کسی یہودی کو اپنے گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔

۲۰ جنوری ۱۹۴۲ء کو ہٹلر نے جرمنی میں ایک اہم کانفرنس طلب کی جس میں ایڈولف ایٹمن سمیت کابینہ کے ۱۱۵ اہم شخصیات نے شرکت کی۔ یہ ایٹمنشل اجلاس بعد میں (Wansee Conference) کے نام سے مشہور ہوا اس کانفرنس میں فیصلہ ہوا کہ یورپ کے ۳۳۲۷۰۰۰ مسکالہ میں بکھرے ہوئے ۱۱ ملین یہودیوں کو اکٹھا کر کے "Final Solution" (آخری حل) نکالا جائے یعنی انہیں یکسر صفحہ ہستی سے منادیا جائے یہودیوں کے قتل عام کیلئے نازی اکثر طرز یہ اصطلاحات استعمال کرتے تھے۔ جیسے Final Solution, Liquidation, extermination, Re-settlement وغیرہ وغیرہ۔

اس کانفرنس میں متفقہ فیصلہ ہوا کہ یورپ کو یہودیوں سے مکمل طور پر پاک براعظم بنایا جائے گا۔ ہٹلر کے اس منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے ایڈولف ایٹمن کو اس کا Chief Executive مقرر کیا گیا۔ اس کے ساتھ وعدہ کیا گیا کہ جنگ میں جرمنی کی فتح کے بعد اسے Bohemia میں بہت بڑی جاگیر عطا کی جائیگی اور ساتھ ہی اسے Jewish affairs کا ورلڈ کمیسر (World Commissar) بنا دیا جائیگا۔ ایڈولف ایٹمن اس کے بعد دن رات "Final Solution" کو تیزی سے مکمل کرنے میں مصروف ہو گیا۔ اس نے موت کو باقاعدہ انڈسٹری بنا کر پیش کیا اسکے قائم کردہ ڈیٹھ فیکٹریوں کی یومیہ پیداوار بیس بیس ہزار یہودیوں کی لاشیں تھیں۔

ایٹمن نے یورپ کے مختلف ممالک سے جن پر جرمن فوجیں قبضہ جمایا تھیں، یہودیوں خاندانوں کو ٹرینوں میں لا کر انکی پولینڈ منتقلی شروع کیں۔ ان ملکوں میں فرانس، ہنگری، سلواکیہ، ہالینڈ، ناروے، یونان اور اٹلی وغیرہ شامل تھے۔ ان کے لئے پولینڈ میں Auschwitz کے مقام پر دنیا کا سب سے Concentration Camp قائم کیا گیا۔ اس میں بیک وقت لاکھوں قیدیوں کے رکھنے کی گنجائش تھی۔ اس کیمپ کے ارد گرد ایک اونچی دیوار جس پر بجلی کی تاریں لگی ہوئی تھیں بنائی گئی۔ ہزاروں یہودیوں کو لے کر جب ٹرین وارسا پہنچی تو ایٹمن ہی پرانگی گنتی کا کام شروع ہو جاتا عمر اور جنس کے حساب سے انکی درجہ بندی کر دی جاتی۔ کمسن بچوں، بوڑھوں اور بیماروں کو علیحدہ کر لیا جاتا اور بعد میں انہیں ٹرکوں میں لا کر ایک ویران جنگل میں گولیوں سے اڑا دیا جاتا، جبکہ کام کرنے کے قابل مرد اور عورتوں کو کیمپ میں قائم جنگی ساز و سامان پیدا کرنے والی فیکٹریوں میں لگا دیا جاتا۔ ایک کیمپ کا انڈران افراد کو واضح کر دیتا کہ اگر وہ فرار ہونا چاہے تو وہ صرف ایک راستے سے ہو سکتے ہیں اور وہ کیمپ میں قائم آتش بیلٹیوں کی چٹیاں ہیں مطلب یہ کہ وہ عمل کر دھوئیں میں تبدیل ہو کر ہی آزاد ہو سکتے ہیں۔

ایشمین نے اس اجتماعی قتل عام کے بارے میں اپنی ایک ڈائری میں کچھ یوں ذکر کیا

" It was really terrible but quite necessary. Anyhow the Fuhrer (Hitler) ordered it and did not have anything to do with the annihilation. I was not a killer but a man who executed orders. I did the same thing as an Allied Transport Officer did when transferred bombs to the air-field without knowing if those bombs would be dropped on troops or on bridge or woman and children"

ایڈولف ایشمین عموماً یہودیوں کے قتل عام کے وقت خود موجود رہتا تھا اسی قسم کے ایک اور واقعے کے متعلق وہ لکھتا ہے ۔

اس روز انتہائی سخت سرد اور کھرا آلود موسم تھا ہم ۱۵۰ یہودیوں کو جن میں بچے، بوڑھیں۔ مرد اور عورتیں شامل تھیں ایک ویرانے میں لے گئے وہاں ایک بہت بڑی اجتماعی قبر پہلے ہی سے کھود دی گئی تھی۔ قیدیوں کو پہلے مکمل برہنہ کر کے انہیں سخت سردی میں ٹھہرنے دیا گیا پھر سب کو قبر میں اتارنے کو کہا گیا وہ لوگ اس قدر بے حس ہو چکے تھے کہ ان میں سے کسی نے بھی مزاحمت نہیں کی اچانک میری نظر ایک نوعمر لڑکی پر پڑی جس کی گود میں ایک شیر خوار بچہ تھا۔ وہ لڑکی بچہ میری طرف کھسکا کہ مرمت ساجت کر رہی تھی کہ اسے بچالو میں اس منظر کو دیکھ کر بے حد اداس ہوا میں نے آگے بڑھ کر اس سے بچہ لینا چاہا مگر بہت دیر ہو چکی تھی۔ ہماری کمانڈو نے ان پر مشین گن کے برسن شروع کر دیے تھے کچھ گولیاں اس بچے کے سر پر لگی جن سے اس کا دماغ اڑ کر میرے کوٹ کو آلودہ کر گیا۔ اس کے بعد میں فوراً اپنے ڈرائیور کے ہمراہ وہاں سے چلا گیا۔ گھر پہنچ کر میں نے وہ خون آلود کوٹ دھلائی کے لئے دیا اس کے بعد میں نے اعلیٰ حکام سے درخواست کی کہ قیدیوں کو ختم کرنے کے لئے کوئی دوسرا مہذب طریقہ اپنایا جائے۔ حکومت نے گولیوں سے قتل عام کا طریقہ واقعی بعد میں ترک کر دیا کیونکہ جنگ میں ایمنونیشن کی سخت ضرورت تھی نازی کیسٹوں نے اس کے بجائے ایک اور نہایت ارزاں اور آسان طریقہ متعارف کروایا۔

ہر کمپ میں بڑے بڑے Gas Chambers قائم کئے گئے۔ جن میں بیک وقت چند ہزار قیدیوں کو بند کر کے Cyclone-B گیس چھوڑ دی جاتی تھی۔ یہ گیس اس قدر خوفناک تھی کہ محض چند سیکنڈ میں وہ تمام کے تمام قیدی دروازوں اور کھڑکیوں پر لائیں اور گھونسنے برساتے اور چیخنے چلانے لگتے تھوڑی دیر بعد معاملہ ٹھنڈا ہو جاتا اس کے ٹھیک ۲۵ منٹ بعد برقی پیموں کے ذریعے ان جیمبرز سے زہریلی گیس کھینچی جاتی پھر قیدیوں کا ایک گروپ لوہے کے کھنڈوں کے ذریعے لاشوں کو باہر گھسیٹ لیتے پھر ان لاشوں کی تلاشی کے دوران سونے کے دانت نکال لئے جاتے قیدیوں کو گیس جیمبر میں دھکیلنے سے پہلے انہیں مکمل برہنہ کر دیا جاتا تھا ان سے تمام قیمتی اشیاء چھین کر کمپ کے سنٹور میں جمع کر دی جاتی تھیں۔ آتش وز کمپ میں اس قسم کے پانچ بڑے بڑے گیس جیمبرز بنائے گئے تھے۔ دوسرا مرحلہ ان لاشوں کے ڈسپوزل disposal کا ہوتا تھا۔ اس لئے پانچ آتش بھٹیاں بنائی گئی تھیں۔ یہاں پہلے لاشوں کو چیر کر گرم کیا جاتا جس سے ان کی چربی مکمل کر بڑے بڑے برتنوں میں جمع ہو جاتی یہ چربی بعد میں صابن کی صنعت میں استعمال کی جاتی تھی پھر تمام لاشوں کو بھڑکی آگ کے حوالے کر دیا جاتا۔ ایک آتش بھٹی دن میں 17280 لاشوں کو

راکھ بناتی۔ راکھ بعد میں دیر یا برد کردی جاتی۔ پھر ہڈیوں کو اکٹھا کر کے ایک Grinding machine میں باریک پس لیا جاتا تھا پھر اس سے زرعی کھاد بنائی جاتی تھی۔ اسی کھاد کے متعلق ایک کمپ کا نڈر نے اپنی ڈائری میں لکھا۔ اس کھاد کے استعمال سے میرے کھیتوں میں گھو بیوں کے پیداوار جرمنی بھر میں سب سے زیادہ ہوئی ہے۔

ہلاکت کا ایک اور طریقہ " Ride in Death Car " کہلاتا تھا اس کے متعلق بھی ایشمین نے اپنی ڈائری میں لکھا۔ 100 کے قریب قیدیوں کو ایک بڑے ٹرک کے کیمبن میں بٹھایا گیا وہ سمجھے کہ انہیں کسی کمپ میں منتقل کیا جا رہا ہے ٹرک کے دروازے خود بخود بند ہو گئے۔ میں ڈرائیور کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ پھر ڈرائیور نے ٹرک سٹارٹ کیا اور ایک سڑک پر چلنے لگا میں نے موٹر کیمبن کے شیشے میں دیکھا قیدی آرام سے اپنی اپنی سیٹوں پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ڈرائیور نے ایک ٹبن دیا جس سے قیدیوں کے کیمبن میں ایک محکمہ گیس پھیلنا شروع ہوئی میں نے دیکھا وہ تمام قیدی بری طرح چیخنے لگے پھر ترپنے لگے۔ پندرہ منٹ بعد جب ٹرک ایک آتش بجھی کے قریب کھڑا ہوا تو تمام قیدی دم توڑ چکے تھے۔

مئی ۱۹۴۲ء میں ایڈولف ایشمین نے اجتماعی قتل عام کے تمام شواہد اور نشانات مٹانے کا حکم دیا کیونکہ اکثر بڑی بڑی قبروں کو سرسری طور پر مٹی سے بھر کر چھوڑا گیا تھا وہ تمام قبریں دوبارہ کھود کر لاشوں پر تیز کیسیائی مادے اور تیزاب ڈال کر انہیں گھلایا گیا حتیٰ کہ وہ مکمل طور پر تحلیل ہو گئیں۔

انہی ایام میں آس و زکے کمپ میں ایڈولف ایشمین نے وبائی امراض پر قابو پانے کیلئے Josef Mengle نامی ایک ڈاکٹر کو مقرر کیا ڈاکٹر Josef Mangle نے ۱۹۳۶ء میں مینونخ سے ڈاکٹری پاس کرنے کے بعد بشریات میں میں پی ایچ ڈی کی۔ وہ Genetics میں بے حد دلچسپی رکھتا تھا بعد میں اس نے اپنا سیاسی کیریئر شروع کر کے نازی پارٹی کی رکنیت حاصل کی جوزف مینگل بھی شدید ترین anti-semitic (یہودی مخالف) نظریات رکھتا تھا۔

۱۹۴۳ء میں آس و زکے کمپ میں ٹائفائیڈ کی وبا کو کنٹرول کرنے کیلئے ڈاکٹر جوزف نے ہزاروں افراد کو مروایا حالانکہ انہیں انفیکشن سرے سے ہوا نہیں تھا۔ ایک دفعہ خوراک کی شدید کمی ہوئی تو اس نے چار ہزار عورتوں کو ہلاک کر کے اس پر قابو پایا۔ جوزف چونکہ ماہر جینیات تھا لہذا اسے Race and Resettlement سیکشن کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ اس شعبہ میں یہودیوں کی نسلیاتی چھان بین کی جاتی تھی۔ اگر کسی شخص کی چھٹی یا ساتویں پشت میں دادا یا پردادا یہودی رہا ہو تو اسے یہودیت کا سرٹیفکیٹ دے کر آس و زکے روانہ کر دیا جاتا تھا۔

ڈاکٹر جوزف نے کمپ کے ہزاروں بچوں پر اپنے سائنسی تجربات کئے ان میں زیادہ تر جوڑاں (twins) بچے تھے۔ تجربات کے دوران ڈاکٹر جوزف ان بچوں کو بڑے اطمینان کے ساتھ چیر پھاڑ دیتا تھا۔ ایک بار اس نے پچاس کے قریب بچوں کی آنکھوں کا رنگ بدلنے کے لئے بذریعہ سرج ان کی آنکھوں میں مصنوعی رنگ ڈالنے کی کوشش میں ان سب کی آنکھوں کو اندھا کر دیا تھا۔ ڈاکٹر جوزف پر کبھی بکھار تو ایسی جنونی کیفیت طاری ہو جاتی تھی کہ اپنے ہاتھوں سے بچوں کا گلا دبا کر انہیں ہلاک کر دیتا تھا۔

۱۶ جنوری ۱۹۴۵ء کو جب روسی فوجیں آس و زکے (پولینڈ) پہنچی تو جرمن فوجی اپنی جان بچانے ادھر ادھر فرار ہونے لگے ڈاکٹر جوزف بھی اپنے دیگر ساتھیوں کے ہمراہ ایک کار میں فرار ہو گیا۔ اس نے کار میں اپنے تجربات کا پورا ریکارڈ ساتھ رکھا تھا۔ اس دن کے بعد وہ کبھی نظر نہ آیا جنگ کے

خاتے کے بعد امریکیوں نے اسے ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی مگر اس کا کہیں سراغ نہ ملا۔

جنگ عظیم دوم کے اختتام تک ایڈولف ایشمین کی گمرانی میں بقول اسرائیلی اعداد و شمار ساٹھ لاکھ کے قریب یہودی "Final Solution" کے بھیجتے چڑھے۔

ایشمین نے ایک روز بڑے فخر سے کہا:

" I will jump into my grave laughing because I have the death of five million Jews on my conscience, which gives me extraordinary satisfaction. "

جرمن فوجوں کی بے درپے شکست کے بعد ایشمین کو یقین ہو گیا تھا کہ ہٹلر کا ایک وسیع جرمن سلطنت کا خواب کبھی پورا نہیں ہو سکے گا۔ ورنہ ہٹلر نے تو دعویٰ کیا تھا کہ وہ جس جرمن سلطنت کی بنیاد رکھنے والا ہے وہ ایک ہزار سال تک قائم رہے گی۔ جوں جوں اتحادی فوجوں کی پیش قدمی بڑھتی گئی جرمن فوجیں ہر محاذ پر پسپا ہوتی گئیں۔ ہٹلر کے تمام ساتھی یا تو مارے گئے یا زیر زمین روپوش ہو گئے۔ ادھر روسی فوجیں جب ہالینڈ پر چڑھ دوڑیں تو آئوٹونکپ کے گمران جگت میں باقی قیدیوں کا صفایا کرنے میں مصروف ہو گئے۔

ایڈولف ایشمین کا آئوٹونکپ کے کمانڈر کو ایک آخری سرکاری حکم نامہ ملا جس میں لکھا ہوا تھا:

" No one will walk out of Auschwitz. There is only one way they will leave through the Chimney "

ایشمین نے گسٹاپو (سیکٹر پولیس) کا تمام خفیہ ریکارڈ ضائع کرنا شروع کیا۔ اس نے جرمن ہیوی انڈسٹری میں ریگرا کرنے والے یہودیوں کو چار ٹرینوں میں لاد کر آئوٹونکپ کی کوشش بھی کی مگر روسیوں کی پیش قدمی اس قدر تیز تھی کہ وہ ٹرینیں کبھی اپنی منزل پر نہ پہنچ سکیں۔

اس نے آخری مرتبہ اپنے شاف کو اپنے دفتر میں بلایا مسلسل کئی راتوں کی بے خوابی سے اس کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں اس نے اپنے تمام ساتھیوں کو مشورہ دیا کہ وہ ہمیشہ کے لئے روپوش ہو جائیں ورنہ اتحادی انہیں زندہ نہیں چھوڑ دیں گے۔ اسکے بعد اس نے تمام ساتھیوں سے ہاتھ ملا کر انہیں رخصت کیا۔

ایشمین کچھ دیر اپنے کمانڈنٹ کے ساتھ باتیں کرتا رہا باہر اس کے لئے شاف کا رتیا رکھڑی تھی لیکن وہ دفتر کے پچھلے دروازے سے نکل کر رات کی تاریکی میں گم ہو گیا۔ اور وہ آئوٹونکپ پندرہ سال تک لاپتہ رہا۔

ایڈولف ہٹلر نے اپنی ذات اور ساتھیوں کی حفاظت کیلئے ایک خصوصی کمانڈو یونٹ بنائی تھی جسے ایس ایس S.S کے نام سے جانا جاتا تھا۔ شروع شروع میں یہ دو ہزار افراد پر مشتمل فورس تھی۔ جو بڑھتے بڑھتے 25 لاکھ افراد تک پہنچ گئی۔ وقت کے ساتھ ساتھ ایس ایس کے فرائض میں ہٹلر اور اسکے ساتھیوں کی حفاظت کے علاوہ احتجاج ناسک شامل کئے گئے جن میں ملکی دفاع اور براعظم یورپ سے تمام یہودی نسل کو ختم کرنا تھا۔

اسکے کئی شیعے تھے جن میں Gestapo (سیکٹر پولیس) اپنی خوفناک سرگرمیوں کی وجہ سے تاریخ میں بے حد مشہور ہو گئی۔ ایس ایس میں تمام افراد کے بازو پر اسکا بلڈ گروپ اور ایس ایس نمبر کھدایا ہوتا تھا۔

ہٹلر کے خوفناک عزائم کی تکمیل میں ایس ایس نے جنگ عظیم دوم میں قریباً چودہ ملین انسانوں کو براہ راست یا بلاواسطہ مروا یا جن میں ساٹھ لاکھ تو صرف یہودی تھے اسکے علاوہ پچاس لاکھ روسی، بیس لاکھ پولش باشندے، دو لاکھ کچھین جرمن اور آسٹریا کو ہلاک کیا۔

جنگ کے خاتمے سے پہلے ہی ایس ایس کے اعلیٰ عہدیدار زیر زمین چلے گئے وہ جاتے جاتے اپنے ساتھ ہماری مقدار میں سونا اور کرنسی بھی لے گئے۔ ایس ایس کے افراد نے یہ دولت یورپ کے مختلف بینکوں میں فرضی ناموں کے ساتھ محفوظ کر لی۔ وہ جعلی کاغذات کے ذریعے دنیا کے مختلف ممالک میں مرابت کر گئے۔

جب اتحادیوں نے جرمنی پر قبضہ کیا تو ایس ایس کے تمام اعلیٰ حکام روپوش ہو چکے تھے۔ جرمنی سے فرار ہونے سے پہلے ہی ایس ایس کے اعلیٰ عہدیداروں نے ایک خفیہ تنظیم ODESSA کے نام سے بنائی۔ اوڈیسہ Odessa جرمن زبان کے کچھ الفاظ کا مخفف تھا۔ جسکے معنی "Organization of former member of S.S." تھا۔ اس تنظیم نے ہزاروں سابقہ نازیوں کو جو اتحادیوں کو جنگی جرائم کے سلسلے میں مطلوب تھے یورپ سے جنوبی امریکہ اور مشرق وسطیٰ خفیہ طور پر منتقل کیا۔

Odessa کے جنوبی امریکہ، مصر، شام اور عراق میں خفیہ مراکز تھے جو ان سابقہ نازیوں کو ان ملکوں میں جانے کیلئے استعمال ہوتے تھے۔ ارجنٹینا کے صدر نے خفیہ ذرائع سے اوڈیسہ کو سات ہزار ارجنٹینی پاسپورٹ بھیجے تاکہ انہم نازی افراد کے ذریعے بیونس آئیرس پہنچ سکے اوڈیسہ نے لاکھوں جرمن مارک اور سونا سگل کر کے بینکوں میں محفوظ کر لیا تھا۔ ایڈولف ایشمین نے بھی اس تنظیم کے ساتھ رابطہ کیا ایشمین اور اسکے دو قریبی ساتھیوں کو اس تنظیم نے روم سگل کرایا جہاں ایشمین نے ایک مسیحی خانقاہ میں پناہ لی اس خانقاہ نے یہودیوں، نازیوں اور عیسائیوں کو بیک وقت پناہ دی تھی۔ خانقاہ کی پالیسی تھی کہ جو بھی پناہ مانگے اسے بلا کسی نسلی تفریق کے پناہ دے دی جائے۔ کچھ دنوں بعد اوڈیسہ نے ایشمین کو سفر کے جعلی کاغذات مہیا کئے۔ جسمن اسکا نیا Ricardo Klement نے دیا تھا۔ اس کے بعد ایشمین کے لئے وین کی کن (Vatican) سے ریلیٹیو جی پاسپورٹ بنوایا گیا۔ وین کی کن ان دنوں اطالوی ریڈ کراس کے ساتھ شانہ بشانہ کام کر رہا تھا۔ ایشمین اسی پاسپورٹ پر اٹلی سے دمشق روانہ ہوا کیونکہ وہاں سابقہ نازیوں کا بڑا پر تپاک خیر مقدم ہو رہا تھا۔ دمشق پہنچ کر اس نے اپنی بیوی Veronica کو ایک خط لکھا۔ جس میں اس نے لکھا کہ وہ یہ افواہ پھیلادے کہ وہ جنگ کے آخری ایام میں مارا گیا تھا۔ ویرونیکا نے بالکل ویسے ہی کیا اس دعوے کو مزید تقویت دینے کیلئے ویرا ایشمین ڈسٹرکٹ کورٹ گئی جہاں اس نے باقاعدہ حلفیہ بیان دیا کہ اس کے شوہر کو چھ مئی ۱۹۴۵ء میں پراگ میں امریکیوں نے گولی ماری دی تھی۔ ڈسٹرکٹ جج نے اسکی تصدیق کر کے ایشمین کا کیس ہی ختم کر دیا تھا۔ دمشق میں ایشمین نے اپنے دوستوں کے ہمراہ اسلحہ بیچتے تھے۔ وہ آسٹریلیا، جرمنی، چیکوسلوواکیہ اور پولینڈ سے خفیہ طور پر اسلحہ خرید کر عربوں کے ہاتھ بھیجتے۔ یہ کاروبار بھی دراصل اوڈیسہ کے زیر سرپرستی چل رہا تھا۔

ایشمین نے دو سال دمشق میں گزارے اس دوران وہ اپنی بیوی کو برابر خط بھیجتا رہا۔ مگر امریکی اور جرمن انٹیلی جنس ان خطوط سے اسکا تہ

پتہ معلوم نہیں کر سکے کیونکہ ایشمین ہمیشہ خفیہ کوڈ میں لکھا کرتا تھا اور فرضی نام استعمال کرتا آخروہ دمشق سے Genoa گیا جہاں اس نے ارجنٹینا کے سفارت خانے میں ویزے کیلئے اپنا پاسپورٹ جمع کرایا۔ جون ۱۹۵۰ء میں اسے ویزا جاری کیا گیا اور وہ ایک بحری جہاز کے ذریعے بیونس آئرز روانہ ہوا۔ ۱۴ جولائی ۱۹۵۰ء کو Ricardo Klement "بیونس آئرز کی بندرگاہ پر اپنے جہاز سے اترے۔ ان دنوں بیونس آئرز میں سینکڑوں نازیوں نے گورنمنٹ کے زیر پرستی پناہ لے رکھی تھی۔ ایشمین کو بھی اپنا مستقبل یہاں محفوظ دکھائی دیا۔ کچھ دنوں بعد ایشمین کو ایک دھات کاری کے کارخانے میں بطور مکینک ملازمت مل گئی وہ دیے گئے سخت سختی اور مہر شخص تھا۔ تھوڑے ہی عرصے میں اسے فورمن بنادیا گیا۔

اگست ۱۹۵۰ء میں اس نے ارجنٹینی شہر کا کارڈ کے لئے درخواست دی اس نے فارم میں فرضی کوائف درج کئے:

نام: ریکارڈو کلمینٹ
ولدیت: اینا کلمینٹ آف آسٹریا
تاریخ پیدائش: 23 مئی 1913ء
ازدواجی حیثیت: غیر شادی شدہ
مذہب: کیتھولک عیسائی
پیشہ: ملکینک

محترم انور احسن صدیقی کے قلم سے بہترین کتاب
قیمت 150 روپے

ہمارے معاشرے کی نامہوار اور نامور شخصیات کی کہانیاں
تاریخ کی نگاہ سے لکھی گئی کہانیاں۔
سماجی جبر کا مظاہرہ ان مظلوم عورتوں کی کہانیاں
جن کی آنکھیں آنسو نہیں بہا کرتی ہیں۔

اسی سال اکتوبر میں اسے ارجنٹینی شہر کا کارڈ جاری ہوا اور یوں اس نے ایک محفوظ اور آزاد زندگی کا آغاز کیا۔ اب وہ بغیر کسی خوف کے ارجنٹینا کے ہر شہر اور قصبے میں گھوم پھر سکتا تھا۔ تاہم اسے ہمیشہ ایک ڈر رہتا تھا کہ کہیں آشوز کے Concentration Camp سے زندہ بچ جانے والے مہاجرے پہچان نہ لے۔ ان دنوں بیونس آئرز میں ہزاروں یہودی مہاجرے مقیم تھے۔ جون ۱۹۵۲ء میں ویرا ایشمین اپنے تین بیٹوں (Dieter - Klaus, Horst) کے ہمراہ آسٹریا سے ایک سمندری جہاز میں بیونس آئرز پہنچ کر اپنے شوہر سے جا ملی۔

ایشمین اپنی چھوٹی سی فیملی کے ہمراہ بیونس آئرز کے ایک مضافاتی قصبے میں پرسکون زندگی گزارنے لگا اب وہ اپنے ذاتی مکان میں رہ رہا تھا۔ جو اس نے ویرا کے آتے ہی تعمیر کیا تھا۔ وہ گلی جہاں وہ رہائش پزیر Garibaldi Street کہلاتی تھی۔ اس مکان میں اسکا چوتھا بیٹا ریکارڈو فراسکو کلمینٹ پیدا ہوا۔ تاہم ایشمین نے بیونس آئرز میں اپنے قیام کا تمام عرصہ اسی خوف میں گزارا کہ کہیں اسے کوئی پہچان نہ لے اسے کوئی اغوا یا قتل نہ کرے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ زیادہ عرصہ ایک ملازمت میں نہیں گزارتا تھا۔

ایشمین کو ۱۹۵۹ء میں بیونس آئرز میں واقع مرشد یزیمینز فیکٹری میں ایک معقول جاب مل گئی۔ یہاں بھی وہ محنت کرتا ہوا سپروائزر کے عہدہ تک پہنچ گیا۔

1948ء میں اسرائیل کے قیام کے فوراً بعد موساد نے سابقہ نازیوں کی بڑی شدت کے ساتھ تلاش شروع کر دی تھی، جو جنگ کے

خاتے کے بعد زیادہ تر لاطینی امریکہ اور مشرق وسطیٰ میں روپوش ہو چکے تھے۔ موساد اس مشن کو Nazi - Hunt کہتے تھے۔

۱۹۵۲ء میں (Isser Harel) اسرہیل اس خفیہ ادارہ کا ڈائریکٹر بننا تو اس نے نازی ہٹ کو مزید تیز کیا۔ ایشیمن کے متعلق اطلاع کہ وہ زندہ ہے اور بیونس آئرز میں آرام سے زندگی گزار رہا ہے ۱۹۵۷ء کے اواخر میں موساد کو ویسٹ جرمن اٹلی جنس سروں کے ذریعے موصول ہوئی۔ اس اچانک اطلاع کے ملتے ہی اسرہیل نے جرمن خفیہ سروں سے رابطہ کیا کہ انہیں یہ خبر کہاں سے ملی ہے۔ جرمن حکام کو دراصل یہ اطلاع بیونس آئرز سے ایک اندھے یہودی وکیل نے دی تھی جو جرمنی سے ہجرت کر کے وہاں آباد ہوا تھا۔ موساد نے فوراً اپنا ایک کیس آفیسر اس یہودی وکیل کے پاس ارجنٹینا (بیونس آئرز) روانہ کیا۔ وہ اسرائیلی افسر بتائے ہوئے پتہ پر اس شخص کے گھر پہنچا۔ اس نے جرمن حکام کی طرف سے اسے ایک خط دکھایا۔ جس میں اندھے وکیل سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ ایشیمن کے متعلق اسے تفصیل سے بتائے۔ لوئر ہرمین کی عمر پچاس سال کے لگ بھگ تھی وہ اپنی بیوی اور ایک بیس سالہ بیٹی کے ہمراہ کافی عرصے سے بیونس آئرز میں رہ رہا تھا۔ لوئر نے اطمینان کے ساتھ اس دریافت کا پس منظر بیان کرتے ہوئے کہا ”در اصل ایشیمن کے دریافت میں میری بیٹی کا نہایت اہم رول ہے۔ اٹھارہ ماہ قبل میری بیٹی ایک بیس بائیس سالہ لڑکے کے ساتھ بیونس آئرز میں ملی جو اپنا نام نکولس ایشیمن بتاتا تھا۔ آہستہ آہستہ ان دونوں کے درمیان دوستی ہو گئی۔ اسکے بعد وہ میری بیٹی سے ملنے اکثر ہمارے گھر آنے لگا۔ نکولس کو علم نہیں تھا کہ ہم یہودی ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ اکثر کھل کر یہودی کے خلاف بولتا رہتا تھا۔ ایک دن وہ کہنے لگا کہ اچھا ہوتا اگر بظہر یہودی نسل کو ہی صفحہ ہستی سے مٹا دیتا تھا۔ ایک دوسرے موقع پر اس نے بڑے فخر کے ساتھ کہا کہ اس کا باپ جنگ کے زمانے میں جرمن آرمی میں افسر تھا اور اس نے مادر وطن کی خوب خدمت کی تھی مجھے اسکے نام اور باتوں سے شک ہو گیا کہ وہ ضرور ریڈولف ایشیمن کا بیٹا ہے میں نے فوراً فرنگلٹ میں اپنے ایک دوست وکیل کو ایک خط میں اپنے شکوک کا اظہار کیا میرے اس دوست نے یہ اطلاع اسی روز جرمن سیکرٹ سروں کو پہنچادی۔ سیکرٹ سروں نے مجھے ایشیمن کی کچھ تصاویر اور حلیہ کے بارے میں تفصیلات بھیجی تاکہ اس کی بناء میں کنفرم کر سکوں کہ واقعی یہ شخص ایشیمن ہی ہے۔ حالانکہ میں ابھی تک اس سے ملا نہیں تھا ایک مسئلہ یہ تھا کہ نکولس صرف میری بیٹی سے ملنے ہمارے گھر آتا تھا لیکن وہ کبھی اسے اپنے گھر نہیں لے گیا تھا۔ لہذا ہمیں اس کی رہائش گاہ کا بالکل پتہ نہیں تھا۔ جرمن حکام کے ساتھ خط و کتابت کے بعد تو مجھے بے حد تجسس ہو گیا تھا۔ میں اپنی بیٹی کو لے کر بیونس آئرز کے ایک قصبے گیا جہاں بیٹی کو شک تھا کہ ایشیمن فیملی وہاں رہتی تھی۔

بیٹی نے اپنے ایک اور دوست سے کہا کہ وہ نکولس کا گھر ڈھونڈنے میں مدد کرے۔ ہم نے آخر کار ایک دروازے پر دستک دی تو ڈی دیر بعد ایک عورت نے دروازہ کھولا تو بیٹی نے جرمن میں پوچھا کہ ایشیمن فیملی یہاں رہتی ہے۔ وہ عورت ابھی بولنے ہی والی تھی کہ ایک ادیبڑ عمر آدمی جس نے چشمہ پہن رکھا تھا اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا بیٹی نے اس سے پوچھا کہ نکولس گھر پر ہے اس نے نفی میں صرف سر ہلایا بیٹی نے پھر پوچھا کہ کیا وہ نکولس کے باپ ہے اس پر اس شخص نے قدرے ہلکاتے ہوئے جواب دیا کہ ہاں اس کے بعد ہم واپس آ گئے لیکن ہم نے چپکے سے انکا پتہ نوٹ کر لیا تھا۔ دوسرے روز موساد کے آدمی نے لوئر ہرمین کے کہنے پر اس مکان کا ایک خفیہ پتہ لگایا۔ مگر اسے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس مکان میں اب کوئی نئے کرایہ دار آ چکے تھے۔

مارچ ۱۹۶۰ء میں موساد نے اپنا ایک انتہائی ذہین افسر Yousef Kenet کو بیونس آئرز میں ایشمین کیس نپٹنے کیلئے روانہ کیا۔ وہ جونہی بیونس آئرز میں اپنے ہوٹل پہنچا تو اس نے شہر کی ٹیلیفون ڈائریکٹریاں چھاننی شروع کیں لیکن ان میں ریکارڈ وکلیمنٹ نامی کسی شخص کا سراغ مل نہ سکا۔ اس کے بعد اس نے اس ایریا کو دوبارہ دیکھا۔ جہاں ریکارڈ وکلیمنٹ پہلے رہتا تھا۔ اس نے وہاں رہنے والے کچھ افراد سے پوچھ گچھ کی کہ ریکارڈ وکلیمنٹ نامی شخص یہ مکان چھوڑ کر اب کہاں منتقل ہوا ہے ہمسائیوں نے صرف اتنا کہا کہ واقعی یہ شخص یہاں رہتا تھا۔ وہ گھر میں جرمن بولتا تھا اور اس کے تین بیٹے اور ایک بیوی تھی لیکن وہ یہاں سے کچھ عرصے پہلے چلے گئے تھے، ہمیں پتہ نہیں کہ وہ اب کہاں رہتے ہیں۔

ان میں سے ایک شخص نے Kenet کو اپنا ایک کہاں میں تو بھول ہی گیا تھا ریکارڈ وکلیمنٹ کا ایک بیٹا قریب ہی ایک موٹر ورکشاپ میں کام کرتا ہے آئیے میں آپ کو اس سے ملواتا ہوں یہ کہہ کر وہ Kenet کو اس ورکشاپ لے گیا ورکشاپ میں متعدد ٹیکنیشن اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے ایک کو نے میں ایک اٹھارہ انیس سال کا سنہرے بالوں والا لڑکا بھی کسی کار کے انجن میں سر جھکے ہوا تھا اس شخص نے Kenet کو اشارہ سے بتایا کہ یہی وہ لڑکا ہے Kenet فوراً اس کے قریب گیا اور اس کے ساتھ علیک سلیک کی اس نے لڑکے کو ایک خط دکھاتے ہوئے کہا کہ میں تمہارے والد کے نام ایک خط پہنچانے آیا ہوں لیکن آپ لوگ شاید اس علاقے سے کہیں اور شفٹ ہو چکے ہیں۔ ہاں ہم لوگ اب یہاں نہیں رہتے ہیں لڑکے نے جواب دیا۔ Kenet نے ایک خط اور پارسل دکھاتے ہوئے کہا میں آپ کے والد کو ذاتی طور پر یہ چیزیں دینا چاہتا ہوں لڑکے نے پوچھا کہ کس نے یہ چیزیں بھیجی ہیں Kenet نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ مجھے ایک ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ایک شخص نے دی ہے۔ میں خود اس ہوٹل میں کام کرتا ہوں وہ شخص شاید فارغ نہیں تھا اس لئے اس نے مجھ سے درخواست کی۔ لڑکے نے گھبراتے ہوئے کہا میں پھر بھی آپ سے پوچھوں گا کہ آخر کس نے یہ چیزیں میرے والد کے نام بھیجی ہیں Kenet نے کہا ابھی آپ خط اور پارسل کھول کر دیکھ لیں خود ہی آپ کو پتہ چل جائے گا کہ کس نے بھیجی ہیں ویسے آپ مجھے ساتھ لے جائیں میں خود آپ کے والد کو یہ دینا چاہتا ہوں لیکن لڑکے نے کہا کہ نہیں میں خود ہی دوں گا۔

Kenet نے کہا ٹھیک ہے اور یہ کہہ کر وہ جانے کیلئے مڑا۔ جاتے جاتے اس کی نظر پاس کھڑے پرانے ماڈل کی سکوتر پر پڑی وہ جرمن لڑکا اس پر بیٹھ کر ایک گلی میں غائب ہو گیا اب اس کے پاس ورکشاپ کا پتہ اور جرمن لڑکے کا سکوتر نمبر تھا۔ یہ لڑکا جس کا نام Dieter تھا ایشمین کا تیسرا بیٹا تھا۔ اب دوسرے مرحلے میں ایشمین کی رہائش گاہ کا صحیح پتہ لگانا تھا وہ ایک چوراہے پر ایک طرف اپنی کار میں انتظار کرنے لگا کیونکہ Dieter ورکشاپ سے چھٹی کر کے اسی راستے سے گزرتا تھا آدھے گھنٹے بعد Dieter اپنے سکوتر پر وہاں سے جونہی گزرا تو اسرائیلی ایجنٹ نے اس کا پیچھا شروع کیا وہ سان فرنانڈو ایریا میں ایک گلی میں مڑ گیا۔ گلی کے کونے میں ایک خفنی Garibaldi street لکھا ہوا تھا۔ وہ ایک خستہ سے مکان کے سامنے اپنا سکوتر کھڑا کر کے اندر گھس گیا۔

موساد کے ایجنٹ نے رات کی تاریکی میں اس مکان کی دیوار پر ہلکی سی نشانی لگا دی اس کے بعد دوسرے ایجنٹ نے مکان کی مختلف زاویوں سے تصاویر اتاریں۔ مکان انتہائی خستہ حالت میں تھا اور بجلی کی سہولت سے بھی محروم تھا۔ دیواروں پر پلاسٹر بھی نہیں ہوا تھا مکان کے قریب ہی ریلوے لائن تھی جو قدرے اونچائی پر تھی۔ ریلوے لائن سے مکان کا اندرونی حصہ بخوبی دیکھا جاسکتا تھا۔ انہوں نے ریکارڈ وکلیمنٹ کو بھی ایک دن

قریب سے دیکھ لیا تھا وہ نظر کی عینک لگاتا تھا اور اس کے سر کے بال کافی حد تک جھڑ چکے تھے وہ مرمریڈ بیسنز کی فیکٹری سے بس میں بیٹھ کر ٹھیک شام آٹھ بجے گری بالڈی سٹریٹ کے ایک کونے میں اترتا تھا۔ وہ دو تین سوگز کا فاصلہ پیدل طے کر کے اپنے گھر پہنچتا تھا۔ اسرائیلی نے اسکی تمام مصروفیات پر کڑی نگاہ نظر رکھی ہوئی تھی۔ موساد اس پر ہاتھ ڈالنے سے قبل ہر لحاظ سے اطمینان کرنا چاہتی تھی کہ وہ واقعی ایڈولف ایشٹین ہے جو جنگی جرائم کے سلسلے میں انہیں مطلوب ہے۔

موساد کے پاس ایشٹین کی مکمل فائل موجود تھی یہ فائل انہیں جرمن سیکرٹروس نے مہیا کی تھی۔ ایکس مارچ ۱۹۶۰ء کو موساد کو پہلا ٹھوس ثبوت ملا کہ یہ شخص واقعی ایشٹین ہے۔

فائل کے مطابق ایکس مارچ اسکی شادی کی سالگرہ کا دن تھا یہ دیکھنے کیلئے کہ آج کے دن وہ یہ سالگرہ مناتا ہے کہ نہیں۔ ایک ایجنٹ سر شام ہی اسکے گھر کے قریب چھپ گیا اسی ایجنٹ نے بعد میں اپنی کتاب میں اس واقع کا ذکر کرتے ہوئے لکھا۔ اس میں حیرا پھیلنے ہی اس ریلوے لائن پر چڑھ گیا جہاں سے ریکارڈنگ میسٹ کے مکان کا اندرونی حصہ بخوبی نظر آتا تھا۔ آج مکان میں خاصی روشنی کا انتظام کیا گیا تھا۔ ویروکا ایشٹین نے ذرق برق لباس پہنا ہوا تھا۔ پاس ہی اسکا چار سالہ بیٹا ریکارڈنگ میسٹ کے کورڈنگ میں مصروف تھا۔ شام کے ٹھیک آٹھ بجے فیکٹری کے ملازمین والی بس گلی کے کونے میں رکی آئیں سے صرف ریکارڈنگ میسٹ ہی اتر اور بس چل پڑی وہ پیدل چلتا ہوا اپنے مکان پہنچا۔ آج اسکے ہاتھ میں پھولوں کا ایک بڑا گلدستہ بھی تھا ویروکا نے اسکا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا۔ اس نے پھول بیوی کو تھمائے اور خود اپنے چھوٹے بیٹے کو گود میں لے کر پیار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اسکا بیٹا ڈانسز بھی اپنے سکوتر پہ آ پہنچا۔ اتنے میں موسلا دھار بارش شروع ہو گئی اور میں سر سے پاؤں تک بھگ گیا۔ بچا اچھل کود چھوڑ کر اب اپنی معصوم نگاہوں سے بارش کو رستا ہوا دیکھ رہا تھا بچے بے حد خوبصورت تھا وہ بالکل میرے اس بھانجے کی طرح لگ رہا تھا جو اپنی ماں سمیت آ شوز کے گیس پیپر میں ہلاک ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد گھر سے قہقہوں اور گانے کی آوازیں آئیں وہ شادی کی پیچیویں سالگرہ کا ایک کاٹ چکے تھے۔

اسرائیل ایجنٹ مسلسل کئی ہفتے پر اسرا رسایوں کی طرح ایشٹین کے پیچھے لگے رہے۔ ایشٹین کو اسکا احساس تک نہیں ہوا کہ کوئی اس کی خفیہ نگرانی کر رہا ہے۔ موساد کے ہیڈ کوارٹر نے ایشٹین پر ہاتھ ڈالنے کا اصولی فیصلہ کر لیا تھا لیکن وزیراعظم کی اجازت ابھی باقی تھی۔ صبح دفتری اوقات میں جب وزیراعظم ڈیوڈ بن گوریان اپنے آفس پہنچا تو موساد کا ڈائریکٹر اسر ہیرل اس کا پہلے سے مختصر تھا۔ ڈیوڈ بن گوریان اور اسر ہیرل سخت گیر اور بنیدہ طبیعت کے مالک تھے کہ وہ بغیر تہدید کے مطلب کی بات کرنے کے عادی تھے۔ اسر ہیرل نے کرسی پر بیٹھتے ہی وزیراعظم کو خبر دی کہ ہم ایشٹین کو بیونس آئرز میں دریافت کر چکے ہیں اور اب اسے اغوا کر کے اسرائیل لانا چاہتے ہیں۔

وزیراعظم نے تھوڑی دیر اسر ہیرل کی طرف حیرانگی سے دیکھا اور پھر نہایت مختصر الفاظ میں مخاطب ہوا "O.K. do it" اسر ہیرل فوراً اپنی کرسی سے اٹھا اور جانے کیلئے واپس مڑ گیا اسے وزیراعظم کی طرف سے اجازت مل چکی تھی۔ ایشٹین کو کپڑے اور پھرا آٹھ ہزار میل دور ایک دوست ملک سے اسے اسرائیل سمگل کرنے میں کئی فنی اور سیاسی مسائل حائل تھے بالفرض

اگر یہ مشن ناکام ہوتا تو راجیشینیا اور اسرائیل کے سفارتی تعلقات سخت متاثر ہوتے۔ یہ آپریشن موساد کی تاریخ میں انتہائی اہم تصور کیا جا رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اسرائیل (موساد کا سربراہ) اسکی نگرانی کے لئے بذات خود خفیہ طور پر یونس آرزو روانہ ہوا۔

آپریشن کے لئے تیاریاں زور و شور سے شروع ہو چکی تھیں۔ اسرائیل نے اپنے انتہائی معتدساتھیوں کی مدد سے ایشمین کو پکڑنے اور پھر اسے اسرائیل لانے کیلئے مکمل منصوبہ بندی کر لی تھی۔ آپریشن کے دوران ممکنہ خطرات سے بچنے کے لئے پہلے ہی سے منصوبہ بندی ہو چکی تھی۔

مشن کے لئے اسرائیل نے خود بہترین کمانڈرز منتخب کئے تھے۔ یہ لوگ اس پہلے عرب ممالک میں خطرات سے کھیل کر اہم آپریشن کر چکے تھے۔ سکواڈ کے زیادہ تر ممبر نازی کیمپوں سے زندہ بچ جانے والوں میں سے تھے یہ ٹیم تیس افراد پر مشتمل تھی لیکن ان میں Active Duty پر صرف بارہ افراد تھے باقی افراد کے ذمے یونس آرزو میں مختلف انتظامات تھے۔

اپریل ۱۹۶۰ء کو موساد نے اس منصوبے Operation attlia کے خفیہ نام سے شروع کیا۔

ٹیم کے تمام افراد کیلئے مخصوص طور پر جعلی پاسپورٹ اور سفری کاغذات موساد کی اپنی لیبارٹری میں تیار کئے گئے تھے۔ مقررہ تاریخ پر وہ تمام افراد اٹلی سے یورپ اور شمالی امریکہ کے لئے پرواز کر گئے۔ انہیں ایک وقت ایک جہاز میں سفر کرنے کی سخت ممانعت تھی۔ اس کے بعد وہ مختلف تاریخیوں میں کینیڈا، لندن، روم اور پیرس، نیویارک سے علیحدہ علیحدہ پروازوں میں یونس آرزو پہنچنے گئے۔

آپریشن کیلئے موساد نے یونس آرزو کے مختلف حصوں میں سات مکان کرائے پر لئے۔ ان میں سے ایک مکان کو خفیہ نام Maoz (قلعہ) دیکر اسے آپریشن ہیڈ کوارٹر بنایا گیا۔ یہاں اسرائیل وقتاً فوقتاً اپنے ساتھیوں کیساتھ خفیہ میٹنگ کرتا اور انہیں ہدایات دیتا۔ ایک دوسرا مکان جس کا خفیہ نام 'محل' تھا۔ اس مکان کو ایشمین کے اغوا کے بعد استعمال کرنا تھا۔ اس کے علاوہ باقی مکانات شدید ایئر جنسی کیلئے تیار کر گئے تھے یعنی اگر پولیس اچانک ایشمین کی تلاش میں چھاپہ مارے تو اسے آسانی ان مکانات میں چھپایا جاسکے۔

انہوں نے مختلف ایجنسیوں سے درجن کے قریب کاریں بھی کرایہ پر حاصل کیں۔ موساد کے ایجنٹ مختلف اوقات میں ان کاروں میں بیٹھ کر ایشمین کی خفیہ نگرانی کرتے آتے جاتے تھے۔

۱۱۔ مئی کی تاریخ ایشمین پر براہ راست ہاتھ ڈالنے کیلئے مقرر کردی گئی تھی اسرائیل نے ایشمین پر جسمانی طور پر قابو پانے کیلئے چار انتہائی کھنڈ مشق کمانڈوز مقرر کئے۔

مقررہ روز مشن ٹھیک سات بجے یہ چاروں کمانڈوز دو کاروں میں گری بالڈی سٹریٹ پہنچے۔ دونوں کاریں ذرا فاصلہ چھوڑ کر سڑک کے کنارے کھڑی ہو گئیں۔ پہلی والی کار سے دو افراد نیچے اترے اور کار کا بوٹ کھول کر یونٹیں انجن کو ٹوٹنے لگے تاکہ دیکھنے والے سمجھیں کہ شاید انجن میں کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے کار کے پچھلے سیٹ پر ایک ڈاکٹر بیٹھا ہوا تھا جب کہ دوسری کار سے بھی ایک شخص اتر کر اپنے انجن کی 'گڑبڑ' دور کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ دراصل ایشمین کا انتظار کر رہے تھے جو فیکٹری سے بس میں آنے والے تھا لیکن آج وہ خلاف معمول کافی لیٹ ہو چکا تھا۔ فیکٹری میں دراصل آج ورکروں کا ایک خصوصی اجلاس ہو رہا تھا۔ موساد کے اہلکاروں کو اس کا پتہ چل گیا تھا لیکن کاروں کی یونٹی گلی میں زیادہ دیر موجودگی سے

آس پاس گزرنے والے ٹرک میں پڑ سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ چاروں اسرائیلی سخت ذہنی دباؤ میں تھے انکے لئے ایک ایک منٹ انتظار بھی بے حد بھاری ہوتا جا رہا تھا۔ سامنے چوک پر پولیس آ کرڑکیں اور کچھ مسافران سے اترے مگر ان میں ایشمین نہیں تھا انہوں نے ذہنی طور رات 08:30 تک انتظار کرنے کی ٹھان لی۔

بالآخر 08:05 پر ایک اور بس سٹاپ پرڑکی تو اس میں سے صرف ایک آدمی برآمد ہوا۔ ایشمین حسب معمول پیدل اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا سٹاپ اور اسکے مکان کے درمیان ایک فرلانگ کا فاصلہ تھا۔ تمام کمانڈوز اسے دیکھ کر انتہائی چوکس ہو چکے تھے۔ آسمان پر بادلوں کی وجہ سے تاریکی گہری ہو چکی تھی۔ تاہم کبھی کبھی آسمان پر بجلی چمکنے سے کچھ لمحے کیلئے ارد گرد کا ماحول روشن ہو جاتا تھا۔ ایشمین نے سردی سے بچاؤ کیلئے لمبا اور کوٹ پہن رکھا تھا۔ جسکے کالر اوپر کی طرف اٹھے ہوئے تھے۔

بیوس آئز میں مٹی کے مینے میں بھی اتنی سردی ہوتی ہے کہ لوگ سرشام ہی گھروں میں گھس جاتے ہیں۔ سڑکیں اور گھیاں سنسان ہو جاتی ہیں۔ آج بھی یہی معاملہ تھا۔ ایشمین لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا اکیلا اپنے گھر کی طرف بڑھ رہا تھا۔

وہ جونہی سڑک کے کنارے کھڑی پہلے کار کے قریب پہنچا تو اس کی ہیڈ لائٹس یک دم روشن ہو گئیں جس سے ایشمین کی آنکھیں کچھ لمحوں کیلئے چندھیان گئی وہ اپنی آنکھوں پر ایک ہاتھ رکھ کر جونہی اپنی گلی کی طرف مڑنے لگا تو عین اسی لمحے پیچھے سے کسی نے ہسپانوی میں آواز دی "Senor, momentito" ایشمین نے جونہی پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک اسرائیلی کمانڈو نے جھپٹ کر اس کو زمین پر پٹخ دیا۔ ایشمین کے منہ سے ایک بے بس درندے کی طرح زوردار چیخ نکلی لیکن دوسرے لمحے اس شخص نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے کاری کی طرف گھینٹا شروع کیا اتنے میں اس کا دوسرا سانس بھی مد کیلئے پٹخ چکا تھا۔ انہوں نے تیزی سے ایشمین کو کار کے پچھلے حصے میں نیچے لٹا کر اس پر کبل ڈالی اور کار اشارت کر کے تیزی سے وہاں سے روانہ ہو گئے دوسری کار بھی پوری رفتار کے ساتھ مین روڈ پر دوڑنے لگی۔ یہ ایکشن صرف ایک منٹ میں مکمل ہو چکا تھا۔

تمام راستے میں ایشمین نے کسی قسم کی مزاحمت کی کوشش نہیں کی کیونکہ اسے ایک شخص نے دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ اگر وہ ذرا بھی ہلا تو جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ تاہم وہ تمام راستے میں بڑی طرح ہانتا رہا۔

وہ اغوا کے دوران ایشمین کو نشاء ورا بنگشن لگانا چاہتے تھے مگر ساتھ بیٹھے ہوئے ایک ڈاکٹر نے منع کرتے ہوئے کہا کہ اگر اس نے الکل یا پیٹ بھر کھانا کھایا ہو تو اس سے اسکی زندگی کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔

بالآخر وہ پچیس منٹ بعد اپنی منزل مقصود یعنی Tira (محل) پہنچ گئے جہاں پہلے سے مختصر ایک شخص نے فوراً مکان کا مین گیٹ کھول دیا۔ اور دونوں کاریں اندر داخل ہو گئی۔ ایک کار سیدھا گیراج کے اندر چلی گئی جس سے ایک دروازہ مکان کے طرف کھلتا تھا اس کے فوراً بعد گیراج کا دروازہ بند ہوا اور ایشمین کو سہارے کرکار سے نکال کر مکان کے ایک کمرے میں منتقل کر دیا گیا۔

اندر کمرے میں ایشمین کو ایک لوہے کی چار پائی پر لٹا کر اسکی ناگوں کو چار پائی کے فریم کے ساتھ باندھ دیا گیا اسکی آنکھوں پر ابھی تک پٹی باندھی ہوئی تھی۔ دوسرے روز صبح سویرے ایک اسرائیلی افسر نے جسکے ہاتھ میں گسٹاپو کی ایک پرانے سی فائل تھی ایشمین سے پوچھ گچھ کا سلسلہ

شروع کیا۔ اس فائل میں ایشمین کے تمام ذاتی کوائف درج تھے۔ موساد کے آدمی ایشمین کے بیان کو اس فائل کے ساتھ ٹیلی کر کے اس کی صحیح شناخت کرنا چاہتے تھے۔ تاکہ کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔ ”اپنی شرٹ اتار دو“ اسرائیلی نے کرخت لہجے میں حکم دیا۔ قیدی نے فوراً اپنی ٹائی، شرٹ اور کوٹ اتار دئے۔ اب اپنا بازو اوپر اٹھاؤ۔ ایشمین نے حکم کی تعمیل کی تو تین آدمیوں نے اس کے بغل کے قریب زخم کے ایک پرانے نشان کو غور سے دیکھا۔ انہیں مکمل یقین ہو گیا تھا کہ وہ صحیح آدمی کو پکڑ چکے ہیں۔ ہٹلر کی ایٹشٹل فورس S.S کے تمام اصل کاروں کیلئے ضروری ہوتا تھا کہ اس کے بازو کے نیچے ایس۔ ایس کا سرکاری نشان اور انکا ذاتی بلڈ گروپ کھدا ہوا ہو۔ ایشمین کے بغل میں زخم کے نشان سے صاف ظاہر تھا کہ اس نے وہ مخصوص Tatto تیز دھار آلے سے بگاڑ دیا تھا تاکہ بصورت گرفتاری اسے کوئی شناخت نہ کر سکے۔

اس کے بعد ایک ڈاکٹر کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایشمین کے دو پرانے ایکس رے تھے۔ ایک ایکس رے میں اس کے سر کی ہڈی ٹوٹی ہوئی دکھائی دے رہی تھی جبکہ دوسرے ایکس رے میں اسکی Collar bone فریکچر تھی۔ ڈاکٹر نے ایک ہاتھ اس کے گنبے سر اور سینے پر پھیرتے ہوئے کہا کہ وہ ایکس رے کے مطابق ان جگہوں پر پرانے فریکچر محسوس کر رہا ہے۔

پھر قیدی کو جرمن میں دو تین سطریں لکھنے کو کہا گیا اس کی موجودہ پنڈر رائٹنگ (hand writing) کو ایک ماہر نے ایک پرانی دستاویز کے ساتھ ملا کر دیکھا جو ایشمین کے اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی تھی دونوں تحریروں میں ذرا بھر فرق نہیں تھا۔

تم ایڈولف ایشمین ہو؟ ایک لمبے اسرائیلی افسر نے جرمن میں پوچھا۔ کیا آپ لوگ امریکی ہیں؟ قیدی نے تھر تھراتی ہوئی آواز میں کہا: ”تم ایڈولف ایشمین ہو؟“ اسرائیلی نے اپنا سوال دہراتے ہوئے پوچھا: ”کیا آپ لوگ اسرائیلی ہیں؟“ تم ایڈولف ایشمین ہو؟ اس بار اسرائیلی نے قدرے چیختے ہوئے کہا۔ آپ لوگ یقیناً اسرائیلی ہیں۔ اب قیدی خوف سے بری طرح ہانپ رہا تھا۔

اسرائیلیوں کے علاوہ مجھ میں کسی کو دلچسپی نہیں ہو سکتی مجھے ہمیشہ سے یہی خوف تھا کہ ایک دن میں تم لوگوں کے ہاتھ آؤں گا۔ اسرائیلی نے دوبارہ پوچھ گچھ کا سلسلہ جوڑتے ہوئے کہا۔

محمد الدین نواب کے قلم سے شاہکار ناول

قیمت
150
روپے

پتھر کا شیشہ

تمہاری ٹوپی کا سائز کیا ہے؟

6 7/8

جو تو کا سائز؟

نواچ

نازی سوشلسٹ پارٹی میں تمہارے ممبر شپ کارڈ کا نمبر؟

889895

پوچھ گچھ کے اس مرحلے میں بالکل واضح ہو چکا تھا کہ وہ سو فیصد ایڈولف ایشمین ہی تھا کیونکہ اس کی ذاتی فائل میں درج کوائف اور موجودہ بیان بالکل ایک جیسے تھے کسی دوسرے شخص کو ایشمین کے کارڈ نمبر یا اس کی ذاتی اشیاء کے بارے میں اتنی معلومات نہیں ہو سکتی تھی۔

تم ارجنٹینا کب آئے؟

۱۹۵۰ میں۔

تمہارا نام کیا ہے؟

ریکارڈو گلیمنسٹ۔

تمہاری چھاتی پر زخم کے داغ اسی روڈا میکسڈنٹ کے ہیں جو جنگ کے زمانے میں تمہیں پیش آیا تھا؟

جی ہاں۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کا چہرہ پسینے سے شربور ہو گیا شاید اسے احساس ہو چکا تھا کہ وہ پارٹی ممبر شپ نمبر بتاتے ہی اپنی اصلیت

واضح کر چکا تھا۔

اپنا اصلی نام بتاؤ؟

Otto Heninger

اسرائیلی افسر نے تھوڑی دیر خاموشی کے ساتھ اس کی فائل پر ایک اور نظر دوڑانے کے بعد دوبارہ اس سے پوچھا۔

تمہارے ایس۔ ایس نمبر 45326 اور 63752 تھے۔

جی ہاں۔

اب ہمارا وقت مزید ضائع مت کرو اور اپنا اصلی نام بتا دو۔ ایشمین سمجھ گیا تھا کہ اب جھوٹ بولنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ لہذا اس نے

دھمے لہجے میں کہا یہ انا ام ایڈولف ایشمین ہے۔ اس کے ساتھ ہی کمرے میں گہری خاموشی چھا گئی اسرائیلیوں کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ وہی شخص ہے

جس کے ایک اشارہ پر ہزاروں یہودی گیس چیمبر میں ہلاک کر دیئے جاتے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ایشمین نے کہا میں اس وقت سخت ٹینشن میں ہوں

اگر مجھے تھوڑی سی سرخ شراب مہیا کی جائے تو میں آپ کے ساتھ مکمل تعاون کر سکوں گا۔ اسے فوراً ایک گلاس شراب مہیا کر دی گئی وہ اسے ایک ہی

گھونٹ میں پی گیا۔ ایشمین کی باقاعدہ شناخت ہو چکی تھی۔ اسریرل اور اس کے ساتھی مسلسل کئی دن سے ذہنی دباؤ کے شکار تھے اب وہ اپنے آپ کو

ہلکا بھلکا محسوس کر رہے تھے لیکن اب اپریشن کا دوسرا انتہائی مشکل اور خطرناک فیز شروع ہونے والا تھا یعنی ایشمین کا خفیہ طور اسرائیل سگل کرنا۔

ایک اسرائیلی ڈاکٹر نے ایشمین کا طبی معائنہ کیا وہ بالکل فٹ فاٹ تھا انہوں نے ایشمین کو یقین دلایا اگر وہ انکے ساتھ صحیح تعاون کرے تو اسے

اسرائیل میں مقصد کے دوران تمام تر قانونی مدد فراہم کی جائیگی ایشمین نے تحریری طور پر اپنے مکمل تعاون اور اسرائیل جانے کی یقین دہانی کرائی۔

اسریرل نے اسی روز اپنے ایک خفیہ مراسلہ میں اسرائیل کے تین اہم شخصیات کو اس واقع کی اطلاع دی یعنی وزیراعظم، ڈیوڈ بن گوریان

مزرگولڈ امیر اور چیف آف آرمی سٹاف جنرل Laskov کو۔

انہوں نے مسلسل کئی روز ایشمین کو اس مکان میں رکھا۔ کسی کو قیدی کے ساتھ بولنے کی اجازت نہیں تھی۔ اسے اسرائیل منتقل کرنے کا

پلان اس قدر خفیہ تھا کہ سوائے اسریرل اور ڈیوڈ بن گوریان کے کسی کو اس کا علم نہیں تھا۔

ایشمین کے اغوا کے بعد اس کے خاندان کا کیا رد عمل تھا اس کے متعلق اسرائیلیوں کو کچھ اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ اسرائیرل نے بعد میں اپنی کتاب "The house on Garibaldi Street" میں لکھا۔ ایشمین کو اغوا کرنے کے بعد جتنے دن ہم نے وہاں گزارے وہ کسی لحاظ سے بھی ہمارے لئے خوشگوار نہیں تھے۔ ہم لوگ نہ صرف ارجنٹینا بلکہ پوری دنیا سے کٹ کر رہ گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ہمیں ایشمین کی فیملی کے متعلق اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ وہ اسکی تلاش میں کیا کچھ کر رہے تھے۔ وہ اسے خود تلاش کر رہے تھے یا وہ بیونس آئرز کی نازی برادری سے مدد حاصل کر چکے تھے یا وہ پولیس کو اس پر اسرار گمشدگی کی رپورٹ کر چکے تھے۔ اخبارات میں بھی اس کا ذکر تک نہیں آیا تھا۔

لیکن مجھے ایک بات کا یقین تھا کہ وہ نجی طور پر ہی تلاش جاری رکھیں گے۔ کیونکہ وہ اعلیٰ حکام کو اطلاع دے کر ریکارڈ وکلیمنٹ کی اصلیت آشکارہ کرنے کا خطرہ نہیں مول سکتے تھے اس کے بعد مجھے اور میرے ساتھیوں کو کچھ تسلی ہوئی کہ کم از کم گورنمنٹ اس کی وسیع پیمانے پر تلاش نہیں کر رہی ہوگی ویسے ہم روزانہ ارجنٹینی اخبارات کو کھنگالتے رہتے تھے کہ شاید ایشمین (ریکارڈ وکلیمنٹ) کی گمشدگی کی کوئی خبر چھپی ہو لیکن ایسا نہیں ہوا کی سال بعد میرا یہ نظریہ حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوا۔ ایشمین کے بڑے بیٹے نکولس نے ایک جرمن ہفت روزے کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا۔ ۱۲۔ مئی کو میں اپنے مکان کی چھت پر کھڑا تھا کہ میرا چھوٹا بھائی ڈائنر بانچا ہوا میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔ بڑھا غائب ہو گیا ہے۔ میرے پاؤں تلے زمین گھسک گئی میرا پہلا شک ہی اسرائیلیوں پر تھا۔ میں نے ڈائنر کے ساتھ ملکر بیونس آئرز سے لے کر سان فرنانڈو تک کا علاقہ چھان مارا میرے ساتھ ایک سابقہ ایس ایس افسر بھی تلاش میں شریک ہوا۔ وہ میرے والد کا قریبی دوست تھا۔ ہم نے تین دن تک اسے مختلف تھانوں، ہسپتالوں اور مردہ خانوں میں تلاش کیا۔ اس کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ اسے ضرور اسرائیلیوں نے غائب کیا ہے پھر ہم نے سابق نازی اور ایس ایس حکام کی ٹھہیر تنظیم اوڈیر سے رابطہ کیا انہوں نے بھی ہمارے خیال کی تائید کی کہ اسے اسرائیلی سیکرٹ سروس نے اغوا کیا ہے۔ اس کے بعد تنظیم نے ملک کی تمام بندرگاہوں، ہوائی اڈوں اور ریلوے اسٹیشنوں پر نگرانی کیلئے اپنے آدمی متعین کر دیئے لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

ویرونیکا ایشمین نے بھی بعد میں ایک انٹرویو میں کہا میں پندرہ سال سے اس خوف میں مبتلا تھی کہ ایک دن اسرائیلی میرے شوہر کو بلاتے ڈھونڈ نکالیں گے۔ ہم نے وہ رات جاگ کر گزری اور صبح مسٹر ڈینیز فیکٹری جہاں وہ ملازمت کرتا تھا سے رابطہ کیا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ ہم نے نجی طور سے خوب تلاش کیا آخر تک ہار کر میں نے نکولس کے ساتھ پولیس اسٹیشن میں اسکی پر اسرار گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی لیکن اس وقت تک وہ میرے شوہر کو ارجنٹینی سرحد سے نکال کر اسرائیل پہنچا چکے تھے۔

۱۶ مئی ۱۹۶۰ء کے اسرائیلی اخبارات میں اسرائیلی قومی ائر لائن ای۔ ایل۔ اے۔ ایل (ELAL) کا ایک اشتہار چھپا کہ ۱۸ مئی سے وہ بیونس آئرز کیلئے ڈائرکٹ سروس شروع کرنے والے ہیں۔ عوامی اور سیاسی حلقوں میں اس پر حیرت کا اظہار کیا گیا کیونکہ ELAL امریکہ اور یورپ کیلئے سروس میں اچھا خاصہ کماری تھی جبکہ بیونس آئرز سروس شروع کرنے سے اسے بے حد مالی خسارہ ہو سکتا تھا بقول ایک پارلیمنٹ ممبر کے آخر کتنے اسرائیلی باشندے بیونس آئرز جانا چاہیں گے۔ ایک اور سیاسی شخصیت نے طنز یہ کہا اس بوڑھے آدمی (ڈیوڈ بن گوریان) نے اس مضحکہ خیز فضائی سروس میں کچھ دیکھا ہوگا۔ بہر حال جتنے منہ اتنی باتیں۔ لیکن یہ آئیوے وقت کو پتہ تھا کہ اس پرواز کی یہودی کی تاریخ میں کتنی اہمیت تھی۔ تاہم کچھ

اسرائیلی تاجروں نے ELAL کے دفتر سے رابطہ کیا کہ وہ اس افتتاحی پرواز میں سفر کرنا چاہتے ہیں لیکن ان سے معذرت کی گئی کہ یہ پرواز اس بار صرف ایک سرکاری وفد کو لے جا رہی ہے۔ دراصل ۱۹ مئی سے ارجنٹینا اپنی آزادی کی ایک سو پچاسویں سالگرہ منا رہا تھا۔ دنیا بھر سے ممتاز شخصیات اکسپس شرکت کے لئے بیونس آئرز پہنچ رہی تھیں۔ اسرائیل بھی اپنا ایک اعلیٰ سطحی وفد بھیج رہا تھا۔ اس وفد کی قیادت سرکاری کابینہ کا ایک وزیر Abba Eban کر رہا تھا۔

ابا ایان اس سے پہلے امریکہ میں اسرائیل کا سفیر بھی رہ چکا تھا۔ ۱۸ مئی کو دن کے پونے تین بجے تل ابیب کے Lydda انٹرنیشنل ایئرپورٹ کے رن وے پر ELAL کا طیارہ (Bristol Britannia) روانگی کیلئے اپنے انجن گرما رہا تھا۔ اسرائیلی وفد کے ارکان دی آئی پی لائن میں بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ انہیں الوداع کہنے کیلئے آئے ہوئی اعلیٰ حکام میں وزیر خارجہ، آرمی چیف آف شاف، ارجنٹینی سفیر اور دیگر رسول آفیسر شامل تھے۔ تھوڑی دیر بعد ایئرپورٹ کے وسیع حال میں ایک خوبصورت نسوانی آواز میں اعلان ہوا کہ پرواز نمبر 01 بیونس آئرز کیلئے تیار ہے۔ مسافروں سے التماس ہے کہ وہ جہاز پر تشریف لے جائیں۔

طیارے نے تل ابیب سے پرواز کے چوتیس گھنٹے بعد بیونس آئرز کے بین الاقوامی ایئرپورٹ پر بحفاظت لینڈنگ کی۔ ایئرپورٹ پر ارجنٹینی پروٹوکول شاف اسرائیلی سفارت خانے کے عملے اور مقامی یہودی اقلیت کے نمائندوں نے وفد کا پر تپاک استقبال کیا۔ ایک چاک و چوبند بینز نے دونوں ملکوں کے قومی ترانوں کی دھنیں بجانیں۔ اس کے بعد معزز مہمانوں کو سرکاری گاڑی میں بٹھا کر ایک فائیو سٹار ہوٹل پہنچایا گیا۔

اسریرل بھیں بدل کر ایئرپورٹ کے ایک کیفے میں بیٹھیا یہ سب کچھ دیکھتا رہا آج کے دن بیونس آئرز انٹرنیشنل ایئرپورٹ میں انتہائی گہما گہمی تھی۔ دنیا کے مختلف حصوں سے وفد بیونس آئرز پہنچ رہے تھے۔ معزز مہمانوں کی حفاظت کے پیش نظر ایئرپورٹ کے اندر پولیس اور دیگر سیکورٹی ایجنسیوں کی بھاری نفری متعین کی گئی تھی۔ اسکے علاوہ ایئرپورٹ سے شہر کی طرف جانے والی شاہراہ پر جگہ جگہ روڈ پر پولیس چیک پوسٹیں دکھائی دے رہے تھیں۔

اسٹیشن کو ای طیارے میں اسرائیل سگنل کرنے کا پروگرام فائل ہو چکا تھا۔ موساد کی ٹیم کیلئے آپریشن کا یہ آخری مرحلہ انتہائی اعصاب شکن ثابت ہو رہا تھا کیونکہ ایسے حالات میں جب ملک کے تمام سیکورٹی ادارے ریڈ الارٹ ہوں وہاں سے کسی شخص کو ملک سے باہر انگو کرنا جان جوکھوں کا کام تھا۔ تاہم اسریرل نے اس کے لئے انتہائی زبردست منصوبہ بندی کر رکھی تھی۔

کچھ روز قبل ۱۶ مئی کو موساد کا ایک خفیہ ایجنٹ ایک مقامی ہسپتال گیا وہاں اس نے ڈاکٹروں کی ایک ٹیم سے کہا چند دن پہلے اس کا ایک ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا اس دن سے اس کا سر پکڑا رہا تھا۔ اسے فوراً دماغی امراض کے وارڈ میں داخل کیا گیا جہاں اس کے متعدد ڈسٹ اور ایکس رے کرائے گئے۔ اس کا ایک رشتہ دار (موساد کا ڈاکٹر) روزانہ اسکی عیادت کیلئے آتا تو اسے سرگوشیوں میں سمجھاتا کہ کس طرح وہ اپنی ذہنی کیفیات کو ڈاکٹروں کے سامنے بیان کرے۔

۲۰ مئی صبح ڈاکٹروں نے "مریض" کو ہسپتال سے فارغ کرتے ہوئے اسے تسلی دی کہ وہ فی الحال بالکل ٹھیک ٹھاک ہے اور وطن واپس جانے کیلئے ہوائی سفر کر سکتا ہے انہوں نے اسے ایک میڈیکل سرٹیفیکٹ بھی جاری کر دیا کہ اسرائیل پہنچنے پر اسکے مزید ٹیسٹ کرائے جائیں

تاکہ اسکی تشفی کسی منطقی نتیجے پر پہنچ سکے۔

وہ جونہی ہسپتال سے فارغ ہو کر اپنے خفیہ کمین گاہ پہنچا تو اسکے تمام سفری کاغذات اور میڈیکل سرٹیفکیٹ لے کر اس پر ایشمین کی تصاویر چسپاں کر دی گئیں۔ اسکے لئے ایک اور جعلی پاسپورٹ کا بندوبست کیا گیا۔ جسکے ذریعے وہ آسانی ارجنٹینا سے ایک پرواز میں اسرائیل پہنچ گیا۔ ۲۰ مئی موساد کے تاریخی آپریشن کا آخری دن تھا۔ بقول اسرہیل

"for me it was the longest and most dramatic day of operation Eichmann"
اسرائیلی ڈیٹیکشن یوم آزادی کے جشن میں شرکت کرنے کے بعد آج وطن واپس لوٹ رہا تھا انکو علم نہیں تھا کہ اسی پرواز میں اسکے ساتھ ایک ایسا مسافر بھی جانے والا ہے جس کو ڈھونڈنے کیلئے اسرائیلی سیکرٹ سروس نے دنیا کا چپہ چپہ جھان مارا تھا۔

موساد کی پوری ٹیم سخت ذہنی دباؤ سے دو چار تھی ہر ایک کے دل میں خوف تھا کہ عین آخری لمحات میں بننا یا کھیل بگڑ نہ جائے۔ اسرائیلی قومی ائر لائن کا دیوید ہیکل طیارہ پرواز کیلئے بالکل تیار ہو چکا تھا چند لمحے پہلے اس میں لمبی پرواز کیلئے وافر مقدار میں ایندھن بھرا جا چکا تھا۔ آپریشن انتہائی نازک مرحلہ پر پہنچ رہا تھا ایشمین کو انر پورٹ پر موجود چوس کسٹم اور پاسپورٹ افیشل کی نظروں سے بجا کر طیارہ تک پہنچانا کوئی مذاق نہیں تھا اس کے علاوہ انر پورٹ سیکورٹی فورس کی سخت چیکنگ بھی ایک بہت بڑی رکاوٹ بن سکتی تھی۔

اسرہیل نے صبح سویرے اپنا خفیہ موبائل بیڈ کوارٹر انر پورٹ کی کینٹین شفٹ کر دیا تھا۔ وہ ایک میز پر آرام سے کافی کی چسکیاں لیتا ہوا اپریشن کی نگرانی کرنے لگا۔ اسکے قریب ہی اسکا دوسرا ساتھی موساد کے خفیہ ایجنٹوں کے جعلی پاسپورٹوں پر آخری نگاہ ڈال رہا تھا۔ کینٹین میں انر پورٹ سیکورٹی شاف اور خفیہ پولیس کے لاتعداد اہلکاروں کی آمد و رفت جاری تھی مگر انہیں رتی بھر احساس نہیں ہوا کہ ایک کوئے والی میز پر ایک چھوٹے قد والا شخص اپنے ایجنٹوں کو اشاروں میں احکامات دے کر ایک ڈرامائی آپریشن کی نگرانی کر رہا تھا۔

اسی دوران وہ ایشمین کو ہلدا ہلا اور شیوکر کے تیار کر چکے تھے اسکے بعد اسے ELAL کے عملے کا یونیفارم پہنایا گیا ایشمین اس شخص کے کاغذات اور پاسپورٹ پر سفر کرنے والا تھا جو چند روز پیشتر ہسپتال سے فارغ ہوا تھا۔ وہ حیرانگی کی حد تک موساد کے اہلکاروں کے ساتھ تعاون کر رہا تھا تیاری کے ایک مرحلے پر اس نے اپنے اغوا کاروں کو یاد دلایا کہ وہ یونیفارم کے ساتھ جیکٹ پہنانا بھول گئے ہیں ورنہ اس طرح وہ عملے (Crew) کے افراد سے مختلف نظر آئیگا۔

اس کے بعد ڈاکٹر نے ایشمین کو نشہ آور دوا کا ایک انجیکشن لگایا جس سے اس پر اس قدر غنودگی طاری ہو گئی کہ وہ اپنی ناگوں پر کھڑا تو ہو سکتا تھا مگر اپنے ارد گرد کے ماحول سے بے خبر ہو گیا تھا۔ انجیکشن سے پہلے ایشمین نے کہا کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے وہ انکے ساتھ ہر ممکن تعاون کر رہا ہے۔ مگر موساد اس پر کیسے بھروسہ کر سکتی تھی ان آخری لمحات میں ایشمین کی حرکات بے حد عجیب و غریب ہو چکی تھیں یوں لگ رہا تھا جیسے اپنے اغوا کی سازش میں وہ خود بھی ملوث تھا۔ اسے موساد کی ٹیم کو اپنی تشویش سے آگاہ کیا کہ کہیں آپریشن انکی کسی لغزش سے ناکام نہ ہو جائے ایک بار تو اس نے بڑی اداسی سے کہا میں نے بیوی کے پاس خرچے کے لئے کوئی رقم نہیں چھوڑی ہے مجھے میرا جھونپٹا ریکارڈ و بہت یاد آ رہا ہے۔ اس پر موساد کے ایک

ایجنٹ نے بتائی ہے کہ ان بچوں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جنہیں تم نے گیس جیسر میں دھکیلا تھا۔ غنودگی کی حالت میں ایشمین کو سہارا دے کر ایک مرسدیز کار کی پچھلی سیٹ پر بٹھایا گیا۔ اس کے دونوں طرف دو افراد جو خود بھی اسرائیلی ائرن لائن کی وردی میں لمبوس تھے بیٹھ گئے۔ ان دو افراد کو ہدایت دی گئی تھی کہ وہ بھی ایشمین کی طرح اپنے آپ پر غنودگی طاری کریں اس سے اگلی کار میں بھی موساد کے دوسرے آدمیوں نے Crew کو بے غماز کر دیا ہے۔

چند ہی لمحوں بعد وہ انرپورٹ کی طرف روانہ ہوئے۔
دونوں کاریں انرپورٹ کی شاف انٹرنس سے اندر آئیں تو اگلی کار میں بیٹھے اسرائیلی بلند آواز میں عبرانی زبان کا کوئی رومانوی گیت گانے لگے۔ گاؤں روم کے پاس کاروں کو چیکنگ کے لئے رکنا پڑا ڈیوٹی پر موجود ایک سنتری نے آگے بڑھ کر پہلی کار میں جھانکا تو اسرائیلی ائرن لائن کے کریو ممبر ابھی تک جھومتے گا رہے تھے۔

کار کے ڈرائیور نے مسکرا کر کہا انہوں نے تمام دن بیونس آئرز میں انجوائے کیا ہے اور تقریباً بھول ہی گئے تھے کہ آج رات انہیں واپس پرواز کرنا ہے اس پر گاؤں نے بھی مسکراتے ہوئے دوسری کار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا آپ کے یہ دوسرے ساتھی تو بالکل مدہوش لگ رہے ہیں اس حالت میں یہ جہاز کیسے اڑائیں گے۔

اوہ! یہ ریلیف کریو (Relief crew) ممبر ہیں انہوں نے جہاز میں بھی کچھ دیر سونا ہے ڈرائیور نے فوراً جواب دیتے ہوئے کہا۔ سنتری نے ہنستے ہوئے دونوں کاروں کیلئے رکاوٹ اٹھائی اور انہیں اندر داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ وہ ارضینا کے قومی فضائی کمپنی کے ورکشاپ ایریا کی طرف گئے کیونکہ ELAL کا طیارہ یہیں کھڑا تھا۔ یہاں بھی ایک چیک پوسٹ پر دو محافظوں نے کار کے اندر بیٹھے افراد پر سرسری نگاہ ڈالی کچھ تو گنگنا رہے تھے باقی گہری نیند کے مزے لوٹ رہے تھے۔ محافظوں نے تسلی کر لی کہ وہ لوگ جہاز کے عملے سے تعلق رکھتے ہیں۔

جوبنی ہیریز اٹھا تو دونوں کاریں بجائے سیدھا طیارے کی طرف جانے کے ایک لمبا چکر کاٹ کر طیارے کی طرف پہنچیں۔ وجہ یہ تھی کہ وہ ہنگرز پر نصب فلڈ لائٹس کی زد سے بچنا چاہتے تھے۔ کاریں بالکل طیارے کے قریب جا کر کھڑی ہو گئیں۔ انہوں نے ایشمین کو سہارا دیکر کار سے اتارا۔ اور اسے آہستہ آہستہ بیڑھیوں پر چڑھانے لگے عملے کے افراد نے اُس کے ارد گرد جھگڑا سا بنا دیا تھا تا کہ دور سے دیکھنے والے محسوس ہی نہ کر سکے کہ وہ کسی بیمار شخص کو طیارے میں بیٹھا رہے ہیں۔ ابھی وہ بیڑھیاں چڑھ رہے تھے کہ انرپورٹ کے ایک ٹاور سے کسی نے سرچ لائٹ ان پر پھینکی۔ جس سے ارد گرد کا ماحول یکدم روشن ہو گیا۔ انہوں نے تیزی سے ایشمین کو جہاز پر چڑھا کر فرسٹ کلاس سیکشن میں کھڑکی کی قریب سیٹ پر بیٹھا دیا۔ وہ ابھی تک اپنے حوش و حواس میں نہیں تھا۔ طیارے کے کریو ممبر بھی اسکے آگے اور پیچھے سیٹوں پر بیٹھے ہی اوگھنے لگے۔ کسی بھی ممکنہ پولیس انکوائری کی صورت میں یہ تاثر دیا جاسکتا تھا کہ سوئے ہوئے افراد ریلیف کریو سے تعلق رکھتے ہیں طیارے کے کپتان نے فوراً اس سیکشن کی بتیاں بجھا کر اندھیرا کر دیا۔

اسرائیلی وفد کے تمام افراد بھی اپنی اپنی سیٹوں پر بیٹھ چکے تھے۔ اسریرل سب سے آخر میں انرپورٹ حکام کو اپنا پاسپورٹ دیکھا کہ جہاز کی طرف روانہ ہوا اسکے بیٹھے ہی جہاز کے تمام دروازے بند کر دیے گئے۔

چند لمحوں بعد جہاز کے انجن آہستہ آہستہ غرانے لگے۔ جہاز کے عملے نے مسافروں کو اپنی سیٹ بیلٹ باندھنے کی ہدایات دینا شروع کیں۔

جہاز پرواز کے لئے بالکل تیار ہو چکا تھا اچانک ٹرمینل کی جانب سے دواڑ جھنکی اہلکار طیارے کی طرف تیزی سے دوڑنے لگے۔ اسرائیل نے بعد میں کہا انہیں دیکھ کر میرا دل زور زور سے دھڑکنا لگا مجھے یوں لگا جیسے قسمت نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہو۔ بہر حال وہ جس مقصد کیلئے بھی ہمارے طرف آرہے تھے وقت اب ان کے ہاتھ سے پھسل چکا تھا۔ طیارہ ایک خوفناک گرج کے ساتھ رن وے پر دوڑنے لگا اور چند ہی سیکنڈ بعد ہیئوس آئرز کے اوپر وسیع فضاء میں بلندی کی طرف اڑ رہا تھا میں نے آخری بار کھڑکی سے ہیئوس آئرز کی جھلک دیکھی اس وقت آدھی رات ہوئے پانچ منٹ گزر چکے تھے اور ساتھ ہی میری گھڑی میں تاریخ کھسک کر ۲۱ مئی میں داخل ہو چکی تھی۔ طیارے کے معاون پائلٹ نے آگے بڑھ کر اسرائیل کو آپریشن کی کامیابی پر مبارکباد دی۔ اس نے ڈاکٹر جوزف مینگلا (Josef Mengele) کے بارے میں دریافت کیا کہ اسے کیوں نہیں پکڑا گیا۔ حالانکہ وہ بھی ہیئوس آئرز میں دیکھا گیا تھا۔ اسرائیل نے کہا کہ اگر یہی آپریشن ہم چند ہفتے پہلے شروع کرتے تو ڈاکٹر مینگلا بھی آج اس طیارے میں ہمارے ساتھ ہوتا اس کے بعد طیارے کے پکٹان نے اسرائیل سے درخواست کی کہ وہ عملے کے ارکان کو تینا چاہتا ہے کہ فرسٹ کلاس سیکشن میں بیٹھا اجنبی کون ہے اسرائیل نے آخر کچھ دیر پس و پیش کے بعد اجازت دیدی۔

پکٹان نے فوراً پورے عملے کو جمع کر کے انہیں بتایا ”کیا تمہیں پتہ ہے کہ اس لمحے تم لوگوں کو کتنا بڑا اعزاز حاصل ہو چکا ہے عملے نے حیرانی میں پکٹان کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

تم لوگ اس وقت یہودی تاریخ کے ایک انتہائی ڈرامائی آپریشن میں حصہ لے رہے ہو۔ ہٹلر کا وزیر مرگ (Death minister) فرسٹ کلاس سیکشن میں ہماری قید میں اسرائیل لے جایا جا رہا ہے۔

پکٹان کے ان الفاظ سے عملے کے افراد خوشی سے بے قابو ہو گئے ان میں سے اکثر کو کسی وضاحت کی ضرورت نہیں تھی کہ دشمنین نے جنگ کے دوران یہودیوں کے آخری حل میں کیا کردار ادا کیا تھا۔ کچھ نے تو ذاتی طور پر آخری حل کے ہولناک رات دن دیکھے تھے۔ طیارے کے مکینک (Zvi) نے پولینڈ سے اسرائیل ہجرت کی تھی جب وہ گیارہ سال کا تھا تو ایک روز چند جرمن سپاہی اسکے گھر میں گھس آئے انہوں نے اسے لاتوں اور بندوق کے بٹ سے مار مار کر لہو لہان کرنے کے بعد سڑھیں سے نیچے گرادیا تھا۔ مگر خوش قسمتی سے وہ زندہ بچ گیا۔

ایک دن نازیوں نے اس علاقے میں رہنے والے تمام یہودی خاندانوں کو ایک جگہ جمع کر کے گولیوں سے اڑا دیا۔ Zvi اور اسکے خاندان کو جرمنوں نے پکڑ کر ایک بیگار کمپ میں ڈال دیا۔ وہ جب کمپ پہنچے تو انہوں نے ایک ہولناک منظر دیکھا۔ نئے آنے والے قیدیوں میں بچوں اور بوڑھوں کو علیحدہ کر کے گولی ماری جا رہی تھی۔ اس کی ماں نے چھوٹے بیٹے Zadox جسکی عمر بمشکل چھ سال تھی کو چھپانے کی کوشش کی مگر جرمن گارڈز کی نظروں سے بچنا ناممکن تھا۔ انہوں نے Zadox اور اس کی ماں کو ایک ہی گولی سے اڑا دیا۔

Zvi بھی کئی مرتبہ موت کے منہ میں جاتے جاتے بچا۔ ایک مرتبہ کمپ میں کچھ لوگوں نے کھانے کی چیزیں چرائی تو انہیں پکڑ لیا گیا۔ پھر Zvi کو کمپ کے دوسرے قیدیوں کے سامنے جرمنوں نے ان کی آنکھیں نکال دیں۔

یہ محض اسکی خوش قسمتی تھی کہ وہ موت سے بچ گیا۔ اب جب اسے پتہ چلا کہ دشمنین اسرائیلی سیکرٹ سروس کی حراست میں اسرائیل جا رہا ہے تو وہ اپنے جذبات پر قابو نہ پاسکا۔ اور جہاز کے ایک کونے میں رو پڑا۔ اس کے ساتھیوں نے اسے تسلی دی کہ اسکے بھائی اور ماں کا قاتل اب اپنی

جان کی فکر لئے اسرائیل لیجا یا جارہا ہے۔ بالآخر وہ آنسو پونچھ کر فرسٹ کلاس کیمین میں ایشمین کے قریب گیا اس نے تھوڑی دیر غور سے اس کی طرف دیکھا اور پھر تیزی سے وہاں سے ہٹ گیا۔

<http://kitaabghar.com> <http://kitaabghar.com>

یونس آئرز سے فیک آف کے بعد پائلٹ طیارے کو انتہائی بلندی پر لے گیا تاکہ دوران پرواز فیل (Fuel) کی بچت ہو اور کسی ملک میں اتر نہ پڑے لیکن انہیں پھر بھی اضافی ایندھن کی ضرورت پڑی اور وہ ایک افریقی شہر ڈاکار میں اتر گئے۔ اسرائیل نے لینڈنگ سے پہلے ہی کپتان سے بات طے کر لی تھی کہ طیارے سے کوئی مسافر نیچے نہیں اترے گا کیونکہ اسے ڈر تھا کہ ایشمین کی خبر یہاں پہنچ گئی ہو اور ارجنٹینا کی گورنمنٹ نے انہیں درخواست کر دی ہو کہ طیارے کو فیک آف سے روک دیا جائے۔ بہر حال ہوا کچھ بھی نہیں۔ انرپورٹ انتظامیہ نے طیارے کے ٹینک میں وافر مقدار میں ایندھن بھرا اور تھوڑی دیر بعد کنٹرول ٹاور نے فیک آف کی اجازت دی تو طیارے پھر سے فضا کے بسط میں بلند ہو کر مل ایب کی طرف روانہ ہوا۔

ایشمین اب بالکل جاگ چکا تھا۔ نشر آ و رد واک کے اثرات زائل ہو چکے تھے۔ ایک انرہوسٹس نے اسے کھانا دیا جسے وہ بڑی غلٹ میں ہڑپ کر گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ایک سگریٹ کی فرمائش کی ایک ڈاکٹر نے اس کا طبی معائنہ کیا وہ بالکل فٹ تھا۔ بلاخر فجر کے وقت جب اسرائیل اچانک نیند سے جاگا تو طیارہ بحیرہ روم پر موجود تھا اور اسرائیلی ساحل تیزی سے قریب آ رہا تھا اس نے فوراً ہوا کو کپڑے تبدیل کئے پھر اس نے اپنے ساتھیوں کو اپریشن کے آخری مرحلے کے بارے میں کچھ ہدایات دیں۔

<http://kitaabghar.com>

اسرہیل نے اپنے تمام ساتھیوں کو اپریشن کی کامیابی پر مبارکباد دی اور انکے بھرپور تعاون کو سراہا۔ جہاز کی کھڑکی سے اسرائیلی ساحل اب بالکل واضح نظر آ رہا تھا۔ جہاز نے ڈاکار سے اپنا طویل سفر ساڑھے گھنٹے میں مکمل کر لیا تھا۔ بلاخر طیارے کے ٹائروں نے Lydda انٹرنیشنل انرپورٹ کے رن وے کو چھوا۔ اور اس کے ساتھ ہی بقول اسرہیل میرے کندھوں سے ایک بھاری بوجھ اتر گیا۔ اس نے کاک پٹ میں عملے کے تمام افراد کے ساتھ فردا فردا ہاتھ ملا کر انکے بھرپور تعاون اور بہترین پرواز کیلئے شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد وہ فرسٹ کلاس کیمین گیا جہاں ایشمین اپنی سیٹ پر خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا اسکے چہرے کا رنگ بھی بالکل پیلا پڑ گیا تھا۔ وہ اتوار کا دن اور تاریخ 22 مئی 1960ء تھی۔ اسرہیل نے تیس دن اسرائیل سے غائب رہا تھا۔ ایشمین کے معاملے سے فارغ ہوتے ہی اسرہیل و شلم میں وزیراعظم سے ملے گیا۔

ڈیوڈ بن گوریان کمیونٹ کے اجلاس سے خطاب کرنے جا رہا تھا کہ اسکے پولیٹیکل سیکرٹری نے اطلاع دی کہ اسرہیل سے ملنا چاہتا ہے چند ہی لمحوں بعد وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ وزیراعظم نے حیرانی میں اس سے پوچھا کہ وہ کب اسرائیل پہنچا ہے اس نے کہا میں دو گھنٹے پہلے پہنچا ہوں اور آپ کے لئے ایک تحفہ بھی ساتھ لیا ہوں۔ وزیراعظم نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا تو اسرہیل کھلکھلا کر ہنس پڑا اور کہنے لگا۔ "میں ایڈولف ایشمین کو ساتھ لایا ہوں پچھلے دو گھنٹوں سے وہ اسرائیلی سرزمین پر موجود ہے اگر آپ اجازت دیں تو ہم اسے اسرائیلی سیکورٹی سروس کے حوالے کر دیں۔"

<http://kitaabghar.com> <http://kitaabghar.com>

وزیراعظم تو کچھ دیر خاموشی کے ساتھ اس کے چہرے کو تکتا رہا جیسے اسے یقین نہیں آ رہا ہو کہ ساتھ لاکھ یہودیوں کو موت کے منہ میں دھکیلنے والا خوفناک کردار اب ان کے رحم و کرم پر ہے۔ پھر وزیراعظم نے دریافت کیا کہ ایشمین کی شناخت سو فیصد درست ہے یا مشکوک ہے؟ اس نے اسے یقین دلایا کہ وہ بلاشبہ ایشمین ہی کو پکڑ کر لائے ہیں۔ لیکن وزیراعظم نے پھر بھی اصرار کیا کہ کم از کم دو ایسے افراد سے تصدیق کرائی جائے جنہوں نے اس سے پہلے ایشمین کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔ بعد میں پولیس کی موجودگی میں دو افراد نے گواہی دی کہ یہی شخص ایڈولف ایشمین ہے جسے انہوں نے وی آئیں ۱۹۳۸ میں ایک مینٹگ کے دوران میں دیکھا تھا۔

ایشمین کی رسمی شناخت کے بعد ڈیوڈ بن گوریان نے دوسرے دن کینیٹ (اسرائیلی پارلیمنٹ) کے ایک ہنگامی اجلاس میں یہ خبر اراکین پارلیمنٹ کو بھی سنائی اس کے ساتھ ہی دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ پر یہ دھماکہ خیز خبر ہیڈ لائنز میں ابھری۔ حکومت ارجنٹینا نے اسرائیل سے زبردستی احتجاج کیا کہ اس کے ایک شہری کو غیر قانونی اور زبردستی طور پر اغوا کیا گیا ہے انہوں نے اسرائیلی سفیر کو ملک سے نکل جانے کی بھی دھمکی دی لیکن کچھ عرصے بعد معاملہ خود ہی ٹھنڈا پڑ گیا۔ اور پھر ارجنٹینا نے ایشمین کے بارے کوئی بات بھی نہیں کی ایشمین کو پولیس ایک نامعلوم مقام پر لے گئی تھی۔ جہاں روزانہ پانچ گھنٹے اُس سے پوچھ گچھ کی جاتی رہی۔ شروع شروع میں وہ اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ میں محض حکم کا غلام تھا۔ سارا پروگرام میرے آقاؤں کا تھا۔ میرے ذمے صرف یہودیوں کو آؤٹرنسپورٹ کرنا تھا ان کے قتل عام میں میرا کوئی رول نہیں تھا۔ میری حیثیت ایک بیرو کریٹ جیسی تھی۔ جو صرف احکامات کی بجا وری سے مطلب رکھتا تھا۔

جس جیل میں اسے رکھا گیا تھا وہاں پولیس کی بھاری نفری جو بٹس گھنٹے پہرے پر معذور رہتی تھی۔ اسکی نگرانی پر متعین پہرہ داروں کے متعلق اچھی طرح تسلی کر لی گئی تھی کہ ان میں سے کوئی بھی نازی کنسنٹریشن کیمپ (Concentration Camp) سے زندہ بچ جانے والے میں سے نہیں تھا کیونکہ ایسے افراد سے خطرہ تھا کہ وہ ذاتی انتقام کے جوش میں کہیں اسے ہلاک نہ کر دے۔ اسکے علاوہ اسکے کھانے پینے کی اشیاء کو باقاعدہ لیبارٹری میں چیک کیا جاتا تھا کہ کہیں کسی نے ہر نہ ملادیا ہو۔

بالآخر ایک اسرائیلی عدالت نے اس پر جنگی جرائم اور لاکھوں یہودیوں کے قتل عام کا تاریخی مقدمہ شروع کیا جو چار مہینے لگا کر چلتا رہا۔ اس دوران لاتعداد جثم دید گواہوں نے اسکے خلاف عدالت میں گواہیاں دیں۔ ہزاروں صفحات پر مشتمل دستاویزی ثبوت پیش کئے گئے۔ ۱۱ ستمبر ۱۹۶۱ء کو جرائم ثابت ہونے پر اسے سزائے موت کا حکم سنایا لیکن کچھ نامعلوم وجوہات کی بناء پر یہ سزا کچھ عرصہ معطل رہی۔

آخر کار ۳۱ مئی ۱۹۶۲ء کو صبح سویرن نکلنے سے کچھ دیر پہلے ایشمین کے سنٹرل جیل میں اسے تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ مرنے سے کچھ دیر پہلے اسے عیسائی عقیدے کے مطابق ایک پروٹسٹنٹ پادری نے گناہوں کا اعتراف کرنے کی ترغیب دی مگر اس نے صاف انکار کر دیا۔

اس نے اپنے زندگی کے آخری الفاظ ادا کرتے ہوئے کہا کہ میری بیوی، بچوں اور دوستوں کو میرا آخری سلام پہنچے اپنے پرچم اور جنگی اصولوں کی اطاعت میری مجبوری تھی میں اب مرنے کیلئے بالکل تیار ہوں پچاسی کے ٹھیک دو گھنٹے بعد اسکی لاش کو نذر آتش کر کے راکھ بھیرہ روم کی موجوں میں بہا دی گئی۔

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

<http://kitaabghar.com>

شمسین سپائی

<http://kitaabghar.com>

موساد کو ۱۹۵۶ء سے ہی خفیہ اطلاعات موصول ہو رہی تھیں کہ ہٹلر کے لئے کام کرنے والے سابقہ جرمن سائنسدان اور انجینئر ذمہ میں صدر ناصر کے لئے جدید اور مہلک ہتھیار بنا رہے ہیں۔

اس سے پہلے روس مصر کو اسلحہ سپائی کرتا تھا۔ روسی ہتھیاروں سے لدے ہوئے بحری جہاز تقریباً روزانہ ہی سکندریہ کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوتے تھے، لیکن ۱۹۵۸ء میں یہ سلسلہ بند ہو گیا کیونکہ مصر کے پاس فارن کرنسی کی سخت قلت پیدا ہو گئی، ان حالات میں صدر ناصر نے اُن سابقہ نازی سائنسدانوں کی طرف شدت سے رجوع کیا جو پہلے ہی سے مصر میں پناہ گزین تھے، وہ ان کی مدد سے ایک ایسی عسکری قوت حاصل کرنا چاہتا تھا جو کم از کم اسرائیل کے مقابلے میں کسی لحاظ سے کمزور نہ ہو۔

اس کے بعد مصر نے ان جرمن سائنسدانوں کی وسیع پیمانے پر بھرتی شروع کی، انہیں ٹیکس فری بڑی بڑی تنخواہوں کی پیشکش کی گئی۔ تھوڑے ہی عرصے میں لاتعداد جرمن ماہرین مصر پہنچے، انہوں نے مختلف عسکری منصوبوں پر کام شروع کیا۔

قاہرہ سے پندرہ میل جنوب کی طرف حلوان کے مقام پر ان جرمن سائنسدانوں کی گمرانی میں دو فیکٹریاں قائم ہوئیں جہاں سپر سائیک لڑاکا طیاروں پر کام شروع ہوا، تل ابیب کو مزید پریشان کرنے کے لئے مصر نے سینکڑوں جرمن میزائل ایکسپلوزیو بھی بھرتی کئے، ان لوگوں نے اس سے پہلے ہٹلر کے لئے V-1 اور V-2 جیسے مہلک راکٹ تیار کئے تھے، مصر میں انہیں اسی قسم کے راکٹ بنانے کے لئے چنا گیا تھا، اس مرتبہ ان کے تیار کردہ لاگ رینج راکٹوں کو مستقبل میں اسرائیل پر داغ جانا تھا، ان سائنسدانوں میں ایک کا نام Eugen Saenger تھا جس نے ۱۹۳۵ء میں پہلے جرمن راکٹ ریسرچ یونٹ کی بنیاد رکھی تھی۔

انہوں نے مصری راکٹ پروگرام کے لئے مختلف یورپی فرموں سے ضروری ساز و سامان خریدا۔

قاہرہ سے ڈرا باہر ایک اور ریسرچ سنٹر قائم کیا گیا جہاں ایک سابقہ نازی سائنسدان جس نے آئسز (پولینڈ) کے کنسنٹریشن کیمپ میں یہودی قیدیوں پر اعصابی گیس (Nerve Gas) کے خوفناک تجربات کیے تھے، اب مصر کے لئے کیمیادی ہتھیاروں پر کام کر رہا تھا، اس کی مصر میں موجودگی کی اطلاع کسی طرح اسرائیل پہنچی تو ایک بار پھر یہودی ڈراؤنے خواب دیکھنے لگے۔ ان میں سے اکثر آشوز (Auchwitz) کی ڈیٹھ فیکٹریوں سے زندہ بچ جانے والے تھے، ہٹلر کے پروگرام "Final solution of Jewish Question" میں یورپ کی ایک تہائی یہودی آبادی انہی کیمپوں میں دم توڑ چکی تھی، اسرائیلی مؤرخ اس ہولناک واقعہ کو Holocaust کے نام سے یاد کرتے ہیں اور اب مصر اسی تاریخ کو دوبارہ ہرانے کی پوزیشن میں آنے والا تھا،

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

ہنگری کی ٹھپے پولیس Gestapo کے اکثر سابقہ افسر قاہرہ میں مصری پولیس کو تربیت دے رہے تھے۔

صدر ناصر کے مشیروں میں کئی سابقہ نازی ماہرین بھی شامل کر لئے گئے تھے جو اسے یہودیوں کا مکمل صفایا کرنے کے لئے قیمتی مشورے دیتے تھے۔

جولائی ۱۹۶۲ء میں مصر نے پہلی بار اپنے میڈیم رینج میزائلوں کا کامیاب تجربہ کیا، ان میں الظفر میزائل کی مار ۳۵ میل اور وار ہیڈ نصف ٹن، "Al-ared" کی رینج چھ سو میل جبکہ "القاهر" میزائل ایک ٹن وار ہیڈ لگانے والا تھا۔

اسی سال مصری انقلاب کی سالگرہ کے موقع پر قاہرہ کی سڑکوں پر لاکھوں تماشائیوں نے ان مہلک میزائلوں کی ایک جھلک دیکھی، اس موقع پر صدر ناصر نے بڑے فخر سے کہا:

We are now capable of hitting any target south of Beirut. "بلاشبہ یہ اسرائیل کی طرف واضح اشارہ تھا، اسرائیلی قیادت نے بھی اسے انتہائی سنجیدہ اور ذمہ دار بیان تصور کیا،

یہ بڑی حیران کن بات تھی کہ مصری میزائل سسٹم کے بارے میں موساد کو آخر تک کچھ پتہ نہیں چلا تھا، یہ تو صدر کی تقریر کے بعد اسرائیل کو علم ہوا تو موساد کی اس غفلت پر اسرائیلی وزیراعظم ڈیوڈ بن گوریان نے اس کے ڈائریکٹر اسرہیل کی سخت سرزنش کرتے ہوئے کہا، "اگر صدر ناصر کی ریڈیو تقریر ہی سے ہمیں مصری میزائل سسٹم کی خبر مل سکتی ہے تو پھر ہمیں اپنے ٹھپے اداروں پر لاکھوں ڈالر خرچ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس کے لئے تو بس ایک ٹرانزسٹر ریڈیو بی کافی ہے"

اسرہیل نے اپنی کوتاہی تسلیم کرتے ہوئے وزیراعظم سے وعدہ کیا کہ وہ تین مہینے کے اندر اندر تمام متعلقہ معلومات جمع کر کے اسے پیش کر دے گا۔

اسکے بعد وہ مغربی جرمنی گیا جہاں اس نے جرمن سکیرٹ سروس "Gehlen" کے سربراہ سے ملاقات کر کے اسے بتایا کہ مصر میں جرمن سائنسدانوں کی سرگرمیوں سے اسرائیل کی بقاء خطرے میں ہے، اگر انہیں فوراً اندروں کا گایا تو اسرائیل از خود براہ راست ایکشن لینے پر مجبور ہوگا۔ ۱۹۶۰ء کی دہائی میں جب ابلی کوہن کو دمشق بھیجا جا رہا تھا، تو مصر میں بھی ایک ایسے شخص کی ضرورت محسوس ہوئی جو تل ابیب کو مصر کے قتل ٹھپے منصوبوں کے متعلق بروقت اطلاع فراہم کر سکے۔ آخر انہیں مطلوبہ فرد مل ہی گیا۔

وولف گینگ (Wolf Gang Lotzgang) جرمن نژاد یہودی تھا، ۱۹۲۱ء میں جرمنی کے ایک شہر Mannheim میں پیدا ہوا تھا، اس کے ماں باپ ایک مقامی تھیٹر میں ملازم تھے، اس کی ماں یہودی اور باپ عیسائی تھا لیکن ان کی گھریلو زندگی میں مذہب کو کبھی دخل نہیں ہوا، انہوں نے وولف گینگ کی پرورش بجائے یہودی کے بطور جرمن کی۔ یہی وجہ تھی کہ ہیلن (اس کی ماں) نے یہودی عقیدے کے مطابق اس کے ختنے بھی نہیں کرائے تھے۔

۱۹۳۱ء میں وولف گینگ کے والدین کے درمیان شدید اختلافات پیدا ہو گئے جو جلد طلاق پر منتج ہوئے اس کے دو سال بعد جب

جرمنی میں یہودیوں کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکی تو ہیلن نے خوف زدہ ہو کر فلسطین جانے کا فیصلہ کیا وہ وولف گینگ کو لیکر ہزاروں یہودی مہاجرین کی طرح فلسطین میں بسنے کے لئے تل ابیب پہنچی، خوش قسمتی سے ہیلن کو یہاں ایک مشہور تھریٹریکل کمپنی میں کام مل گیا لیکن نئے آنے والوں کے لئے یہاں زندگی گزارنا بے حد دشوار تھا، ایک تو وہ یہاں بالکل اجنبی تھے، اور مقامی زبان سے بھی ناواقف تھے۔

وولف گینگ نے ایک زرعی سکول میں تعلیم حاصل کی، اسی سکول میں اُس نے گھڑ سوار (Horse Riding) کی تربیت بھی پائی، آگے چل کر وہ ایک بہترین horse trainer ثابت ہوا۔ سکول سے نکلتے ہی وہ یہودیوں کی زیر زمین دہشت گرد تنظیم ہگانہ (Haganah) میں شامل ہو گیا، اُس زمانے میں ہگانہ عربوں کے خلاف تحریکی کاروائیوں میں مصروف تھی، وولف گینگ تنظیم کے لئے اسلحہ سہولت کیا کرتا تھا۔

اس کے بعد جب دوسری عالمی جنگ چھڑی تو وولف گینگ برطانوی فوج میں بھرتی ہو گیا، اُسے بیک وقت عربی، عبرانی، انگریزی اور جرمن زبانوں پر عبور حاصل تھا، اسی صلاحیت کی بنا پر اُسے جرمن جنگی قیدیوں کی پچھ چھ پر مقرر کیا گیا، اُس نے جنگ کا قریباً تمام عرصہ مصر میں گزارا، وہ فوج میں کوارٹر ماسٹر سارجنٹ کے عہدے تک پہنچا۔

جنگ ختم ہوئی تو وہ واپس فلسطین آ گیا۔ اُسے تیل صاف کرنے والے ایک کارخانے میں ملازمت مل گئی، ۱۹۴۸ء میں جب اسرائیل کا قیام وجود میں آیا تو وہ اُس کی مسلح فوج میں شامل ہو گیا، ۱۹۵۶ء کی عرب اسرائیل جنگ میں اُس نے میجر کی حیثیت سے ایک انفنٹری بریگیڈ کی قیادت کی اور انتہائی اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔

موساد کا فی عرصے سے وولف گینگ کا خاموشی کیساتھ مشاہدہ کر رہی تھی چکا اُسے غائب نہیں تھا، اُس کی گہری نیلی آنکھیں، جرمن نژاد ہونا، یہودیت سے تعلق، اور کئی زبانوں پر عبور، ایسی صلاحیتیں تھیں جو موساد اپنے جانوس میں دیکھنا چاہتی تھیں، وولف گینگ کی ایک اور خوبی اُس کی بے مثال اداکاری تھی جو اُسے ماں سے ورثے میں ملی تھی، وہ بغیر ہتھکڑیوں کے یہودی تھا، یعنی وہ با آسانی ایک عیسائی کے روپ میں ٹھہر سکتا تھا۔

آخر ایک روز موساد نے اُسے براہ راست ملازمت کی پیشکش کی، وہ ویسے بھی زندگی میں ایڈ ونچر کرنے کا شیدائی تھا، اُس نے فوراً حامی بھری، جلدی تل ابیب میں موساد کے ٹریننگ انسٹیٹیوٹ میں اُس کا دو سالہ کورس شروع ہوا، یہ انتہائی سخت تربیتی مرحلہ تھا، اس دوران میں اُسے جانوس کے مختلف طور طریقے، خفیہ ریڈیو ٹرانسمیٹر سے پیغامات بھیجنے، اور مختلف مہلک ہتھیاروں کے استعمال سے روشناس کیا گیا۔ اُسے ملٹری ہارڈ ویئر اور جدید لڑاکا طیاروں کے متعلق بھی تفصیلی معلومات فراہم کی گئی تاکہ فیلڈ میں ان چیزوں کو دیکھ کر وہ کسی انجینئر میں گرفتار نہ ہو۔

آخر میں اُسے مصر کی تاریخ، ثقافت اور سیاست کے متعلق ایک مفصل کورس کرایا گیا۔

مصر میں سرایت کرنے سے پہلے اُس کیلئے ایک ایسا بھیس (Fool Proof Cover) درکار تھا، جس سے وہ با آسانی شناخت ہونے کے خطرے سے محفوظ رہے،

موساد کے ماہرین نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ مصر میں اپنا حقیقی نام ہی استعمال کرے گا۔ اُس کا ایک سوانحی خاکہ یوں تیار کیا گیا کہ اُس میں کچھ سچ اور کچھ فرضی داستان کا ملغوبہ تھا، خاکہ کے میں سچ سے انحراف اُس کی عمر کے تیرویں برس کے بعد دکھایا گیا، حقیقت میں تو وہ اپنی عمر کے اُس حصے میں اپنی ماں کے ہمراہ فلسطین منتقل ہوا تھا، لیکن فرضی داستان کے مطابق وہ جرمنی ہی میں مقیم رہا اور جب دوسری عالمی جنگ چھڑی تو وہ جرنل روسل کی زیر قیادت Afrika Corps میں بھرتی ہو گیا (دولف گینگ افریقہ کور کے متعلق پہلے ہی سے بہت کچھ جانتا تھا، "جنگ ختم ہوئی تو وہ آسٹریلیا چلا گیا، جہاں وہ گیارہ سال تک مقیم رہا، وہاں اُس نے گھوڑوں کا فارم خریدا اور خوب دولت کمائی، کچھ عرصے بعد وہ جرمنی واپس آ گیا، جہاں سے اُس نے مصر روانگی اختیار کی، قاہرہ میں اُس نے دوبارہ ریس [race] کے گھوڑوں کا کاروبار شروع کیا"

بالآخر نومبر ۱۹۵۹ء میں موساد نے اُسے جرمنی بھیجا تاکہ وہ اپنے خفیہ مشن کے پہلے مرحلے میں اپنی جرمن شہریت دوبارہ بحال کر سکے، اُس نے پہنچتے ہی متعلقہ حکام کو درخواست دی کہ وہ اب اسرائیل دوبارہ نہیں جانا چاہتا ہے لہذا اُسے جرمن شناختی دستاویزات اور پاسپورٹ جاری کر دیے جائیں، جرمن حکام نے فوراً اُس کی استدعا منظور کرتے ہوئے اُسے تمام سہولیات مہیا کر دیں، اس طرح وہ ایک بار پھر مکمل جرمن شہری بن گیا۔

وہ شروع شروع میں برلن میں مقیم رہا پھر میونخ منتقل ہوا، وہ اُس عرصے میں کبھی ایک جگہ مستقل نہیں ٹھہرا، اُس نے متعدد بار اپنا ٹھکانہ تبدیل کیا تاکہ کونج لگانے والوں کو اُس کا صحیح سراغ ہی نہ ملے، اُسے پتہ تھا کہ اگر مصر میں کوئی اُس کی شناخت کے لئے تجسس ہوا تو وہ صرف برلن تک ہی پہنچ سکے گا جہاں اُسے اتنا ہی پتہ چل سکے گا کہ دولف گینگ نامی شخص بالکل تھا اور یہیں رہتا تھا اس کے بعد اُس کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ ایک سال بعد دولف بینک کوئل ایب سے اشارہ ملا کہ وہ مصر جانے کی تیاری شروع کر دے، موساد نے اُس دوران میں ایک سوئس بینک میں اُسکے خفیہ اکاؤنٹ میں لاکھوں ڈالر جمع کرا دیے۔

دولف گینگ جنوری ۱۹۶۱ء کو ایک بحری جہاز میں قاہرہ پہنچا، وہ ایک امیر ترین سیاح کے بھیجیں میں قاہرہ کے ایک فیشن ایسٹیل ہوٹل میں ٹھہرا۔ مصر کی اعلیٰ سوسائٹی میں روابط پیدا کرنے کے لئے اُس نے قاہرہ کے مختلف رائیڈنگ کلبوں میں جانے کا فیصلہ کیا، خوش قسمتی سے وہ پہلی بار جس کلب میں وارد ہوا وہ قاہرہ کا سب سے فیشن ایسٹیل کیولری کلب تھا، مصری فوج کے اکثر اعلیٰ افسر اسے اپنا دوسرا گھر سمجھتے تھے، یہاں آرمی، انزفوس اور پولیس کے علاوہ مول افسروں کی بھی ممبر شپ تھی، یہاں دولف گینگ کی سب سے پہلے جس شخص سے ملاقات ہوئی وہ مصری پولیس کا سربراہ یوسف غراب تھا، دولف گینگ نے اپنا تعارف بطور Horse breeder کرایا، وہ دونوں جلد ہی دوست بن گئے، دولف گینگ کو کلب کی ممبر شپ لینے میں قطعی کوئی دشواری پیش نہیں آئی، کلب کے تمام ممبرز نے اُسے فراخ دلی سے خوش آمدید کہا، چند ہی دنوں میں اُسے شہر کی ممتاز شخصیات اپنے ہاں ڈنر، اور کاک ٹیل پارٹیوں میں مدعو کرنے لگیں، وہ آرمی کے جرنیلوں اور دیگر اعلیٰ افسروں کیساتھ گھڑسواری کی مشقوں میں نظر آنے لگا۔

گھوڑوں کے دلدادہ مالدار مصری تاجروں اور دیگر سیاسی اور فوجی شخصیات گھوڑوں کے متعلق اُس ہی سے صلاح و مشورہ کرنے لگے تھے۔ دولف گینگ کے گھر میں بھی آئے دن پر تکلف ڈنر پارٹیاں شروع ہو چکی تھیں، وہ اپنے دوستوں کو بیس سے بطور خاص درآمد شدہ شمعیں

پلا کر خوش کرتا تھا، اس شراب کی درآمد پر اُس نے موساد کا اچھا خاصا سرمایہ خرچ کیا، تل ابیب میں اُسکے افسر اُسے شیمین سپائی (Champaign spy) کہنے لگے۔

اس کے علاوہ وہ ملٹری افسروں کی بیگمات کو بھی نیت نئے قیمتی تحائف جن میں بیش قیمت جیولری اور ملبوسات شامل تھے، سے نوازتا، عملی طور پر موساد کے اکاؤنٹ سے اُسے ماہانہ ۸۵۰ ڈالر تنخواہ ملتی تھی لیکن اُسکے دیگر اخراجات کیلئے موساد نے کبھی پس و پیش سے کام نہیں لیا تھا، سوئس بینک کے ایک اکاؤنٹ میں لاکھوں ڈالر رکھے گئے تھے وہ اپنی مرضی کے مطابق کسی بھی وقت اس سے رقم نکالنے کا مجاز تھا، اُس کا کوئی آڈٹ نہیں ہوتا تھا۔

قاہرہ میں چھ ماہ قیام کے بعد وہ موساد کی حدایت پر پیرس گیا جہاں اُسے چند سنئیر افسروں نے اس سے پوچھ گچھ کی اور اُس کی زبردست کامیابیوں پر اُسے شاباش دی گئی۔ ایک افسر نے اُسے سراہتے ہوئے کہا کہ تل ابیب میں اُسے The Eye of Telaviv in Cairo کا نام دیا گیا ہے، پیرس میں دو تین ہفتے گزارنے کے بعد وہ ایک نئے طاقتور ریڈیو ٹرانسمیٹر اور ہزاروں ڈالر ساتھ لیکر دوبارہ قاہرہ روانہ ہوا۔

Orient Express ٹرین میں مغربی جرمنی جا رہا تھا دوران سفر میں اُس کی ملاقات ایک جرمن دو شیزہ کے ساتھ ہوئی، جس کا نام والٹراڈ تھا، وہ امریکہ میں رہائش پذیر تھی اور اب اپنے والدین سے ملنے جرمنی جا رہی تھی، وہ ایک ہی نظر میں ایک دوسرے پر فریفتہ ہو گئے جرمنی پہنچتے ہی یہ سہ ماہی ملاقات شادی پر منتج ہو گئی۔

موساد کے ڈائریکٹر کو جب اس شادی کی اطلاع پہنچی تو اُس نے سخت براہی کا اظہار کیا، ادھر وولف گینگ نے بھی اپنے سنئیر زودو نوک الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ وہ بیوی کے بغیر ہرگز مصر واپس نہیں جائے گا، موساد کے لئے یہ صورت حال انتہائی پریشان کن تھی کیونکہ وولف گینگ جس خطرناک مشن کے لئے پنا گیا تھا اُس میں بیوی کی موجودگی اُس کے لئے خطرے کا باعث بن سکتی تھی۔ وولف گینگ نے اِس معاملے کو مزید خطرناک بناتے ہوئے اپنی بیوی پر یہ راز منکشف کر دیا کہ وہ مصر میں اسرائیل کے لئے جاسوسی کر رہا ہے اور اگر وہ پکڑا گیا تو مصری اُسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

موساد کے لوگ تذبذب میں تھے وہ اِس مایہ ناز ایجنٹ کو کھونا بھی نہیں چاہتے تھے جو پہلے ہی زبردست کارکردگی کا مظاہرہ کر چکا تھا، مصر کے سیاسی اور فوجی صورت حال کے بارے میں اُس کی اطلاعات اتنی جامع اور زبردست ہوتی تھی کہ اسرائیلی وزیر اعظم اُسی روز اسے پڑھتا جس روز یہ تل ابیب میں موساد کے ہیڈ کوارٹر پہنچتی،

بالآخر سر ہیرل (موساد کے ڈائریکٹر) نے اُسے بیوی ساتھ رکھنے کا گرین سگنل دے دیا، کیونکہ اُسکے پاس کوئی دوسرا چارہ کار ہی نہیں تھا، وہ 1961ء کے موسم گرما میں ایک اطالوی بحری جہاز (Ausonia) میں واپس مصر پہنچا (اس کے سات مبینہ بعد ایل کوہن نے بھی اسی جہاز پر اٹلی سے بیروت تک سفر کیا) جبکہ والٹراڈ نے چند ہفتوں کی تاخیر سے آنا تھا، وولف گینگ کے سوئس کیسوں میں جاسوسی ساز و سامان کے علاوہ درجنوں کے حساب سے قیمتی تحفے اور تحائف تھے جو اُس نے یورپ میں خریدے تھے۔

جب اُس کا جہاز سکندریہ کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا تو اُس کے دوستوں نے اُس کا شاہی استقبال کیا۔

پولیس چیف، پوسٹل علی غراب بنفس نفیس اُسے رسیو کرنے آیا تھا، وہ اُسے اپنی کار میں خود ڈرائیو کرتا ہوا قاہرہ لیکر گیا، جہاں اُس کے اعزاز میں ایک شاندار پارٹی کا انتظام ہوا تھا۔

اس مرتبہ اُس نے سب سے پہلے جو کام کیا وہ چند عربی النسل گھوڑوں کی خریداری تھی، وہ قاہرہ میں مغرب میں اپنا ذاتی گھڑسواری کا سکول کھولنے والا تھا، اُس نے قاہرہ کی اعلیٰ سوسائٹی میں اپنے لئے بھرپور مقام پیدا کر لیا تھا، والنراڈ کی آمد سے پہلے ہی اُس نے شہر کے مضافاتی فیشن ایبل علاقے میں ایک وسیع اور خوبصورت مکان کرائے پر لے لیا تھا۔ اُس کی بھرپور ہائش گاہ کیڈری کلب کے بالکل نزدیک تھی۔

اس کے علاوہ اُس نے اپنے رائڈنگ سکول کے لئے ابراہام مصر (Pyramids) کے قریب وسیع و عریض اصطبل بھی خریدے۔ کچھ عرصہ بعد جب والنراڈ قاہرہ پہنچی تو وہ اپنا تمام کاروبار بیسٹ کر چکا تھا، اُس کے دوستوں کو جب پتہ چلا کہ وہ یورپ میں والنراڈ سے شادی کر چکا ہے، تو انہوں نے تجھے تمھانف اور پھولوں سے اُس کے مکان کو بھر دیا، کئی روز تک اُسے ڈن پارٹیاں دی گئیں۔

اُس کے وسیع حلقہ احباب میں اب دو اور انتہائی اہم افراد کا اضافہ ہو چکا تھا، یعنی بریگیڈئیر فواد عثمان اور کرنل محسن سید، یہ دونوں ملٹری انٹیل جنس میں اہم عہدوں پر فائز تھے

بریگیڈئیر فواد عثمان مصر میں ملٹری فیکٹریوں اور رائٹ میز (Rocket Bases) کی سیکورٹی انتظامات کا انچارج تھا، اور اتفاق سے وولف گینگ انہی حساس تنصیبات کے بارے میں معلومات اکٹھی کر رہا تھا۔

صدر جمال عبدالناصر کا ایک قریبی معتد اور مشیر حسین الشفیع بھی وولف گینگ کی سپینے پلانے کی محفلوں میں اکثر شریک ہوتا تھا، وہ کبھی کبھار نشے کی حالت میں اپنی حکومت کے ٹھیکے فیصلوں کے بارے میں ایسی باتیں کہہ جاتا تھا جو اکثر کسی کو پتہ بھی نہیں ہوتی تھیں۔

مصری دوستوں کے علاوہ، وولف گینگ نے قاہرہ میں مقیم کئی سابقہ نازی جرمن ماہرین اور سائنسدانوں کے ساتھ بھی قریبی مراسم پیدا کر لئے تھے، ان جرمنوں کے بارے میں وہ خاصی معلومات جمع کر کے تل ابیب بھیج چکا تھا۔

ایک روز ایک جرمن دوست کے گھر اُس کی ملاقات ڈاکٹر Eisele سے ہوئی، یہ وہی شخص تھا جس نے دوسری عالمی جنگ کے دوران پولینڈ کے ایک کنسنٹریشن کیمپ میں ہزاروں یہودی بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو اپنے طبی تجربات کے دوران چرہ بھاڑ دیا تھا، وہ اب مصر میں کیسیائی ہتھیاروں کے پروگرام میں ریسرچ کر رہا تھا۔

ولف گینگ نے اپنے فرانسیمز کے ذریعے تل ابیب کو ڈاکٹر Eisele کے بارے میں اطلاع دی۔

ان جرمن سائنسدانوں کے ساتھ مراسم پیدا کرنے کے لئے اُسے خود کو یہودیوں کا سخت دشمن (Anti-Semite) ظاہر کیا، وہ ان کے سامنے ہر وقت ہٹلر کے Final solution of Jewish Question آپریشن کی تعریفیں کرتا رہتا تھا، وہ کہتا کہ اگر یہ آپریشن مزید

کچھ عرصہ جاری رہتا تو یورپ یہودی نسل سے پاک ہو جاتا۔

ولف گینگ کے اس Pro-Nazi روپ سے ایک بار تل ابیب میں بڑی دلچسپ صورت حال پیدا ہوئی، ہوابازوں کو موساد کا ایک اور

جاؤں جسے وولف گینگ کے بارے میں پتہ نہیں تھا کہ وہ اسرائیلی ایجنٹ ہے، ایک اور سکریٹ مشن پر قہرہ بھیجا گیا، وہاں سے واپسی پر اُس نے اپنے افسروں کو رپورٹ پیش کرتے ہوئے مشورہ دیا کہ وہ مصر میں گھوڑوں کے تاجر کا بھیس بدل کر ایک رانڈنگ سکول کھولنا چاہتا ہے، اُس نے وولف گینگ کا نام لیتے ہوئے کہا، وہاں یہ شخص جو سابقہ نازی فوجی افسر ہے ایک بہترین ہارس رائیڈنگ سکول چلا رہا ہے۔ اُس کے مصری افواج کے بڑے بڑے افسروں کے ساتھ قریبی تعلقات ہیں، میں وہاں جا کر اس شخص کیساتھ تعلق پیدا کر لوں گا اور ایک دن اُسے ٹھکانے لگا دوں گا۔ انہوں نے اُسے کہا، فی الحال ہم رائیڈنگ سکول جیسی چیزوں پر اتنا سرمایہ خرچ نہیں کر سکتے، ہم وولف گینگ پر ایک دوسرے ذریعے سے نگرانی کر رہے ہیں، تم اُسکے معاملے سے دور رہی رہو،

محدود بجٹ کی بات کسی قدر صحیح بھی تھی، موساد حقیقت میں بھی پیسوں کے معاملے میں بڑی محتاط ہے، اس کے پاس CIA برطانوی SIS کی طرح وسیع فنڈز نہیں ہوتا لیکن وولف گینگ اس کے بجٹ کا غیر معمولی حصہ مصر میں اڑا رہا تھا لیکن اُس کے پاس اس کا معقول ترین جواز تھا جس کو موساد کا آؤٹ چیلنج نہیں کر سکتا تھا، بالخصوص اُسکے اخراجات میں شمعین پر جو روپیہ لگ رہا تھا وہی ہوش رُبا تھا ہیڈ کوارٹر میں لوگ اب وولف گینگ کی ارسال کردہ رسیدوں کے ساتھ عادی ہو چکے تھے جو یورپ میں خریدے گئے کیمروں، کلائی گھڑیوں اور ٹیپ ریکارڈروں کی تھیں، یہ تحائف مصری دوستوں کے لئے ہوتے تھے، ایک مرتبہ ہیڈ کوارٹر کو وولف گینگ کا ایک ایسا بھاری بل موصول ہوا جس سے اُن کے ہوش اڑ گئے وہ جرمنی کے ایک پلاسٹک سرجن کا بل تھا جو اُس زمانے میں کئی ہزار ڈالر کا تھا۔ وولف گینگ نے مصری پولیس چیف یوسف علی غراب کی اٹھارہ سالہ بیٹی حسینہ غراب کی ٹیڑھی ناک کو سیدھا کرنے کے لئے اس سرجن کی خدمات حاصل کی تھیں، اُس نے حسینہ سے وعدہ کیا تھا کہ اُس کی اٹھارویں سالگرہ پر وہ تحفے کے طور پر اُس کی ناک سیدھی کروائے گا۔

آرمی کے اعلیٰ افسروں کے ساتھ قریبی مراسم کی بدولت وہ مصر کے کئی حساس تنصیبات کا دورہ کر چکا تھا، بالخصوص وہ ایک دن نہرو سیز کے کنارے واقع ٹھیہ ملٹری بیس (Military Bases) کو دیکھنے گیا، اُسے ایک انٹرفورس ٹیس بھی لیجا یا گیا، جہاں روسی ساختہ گم طیارے کھڑے تھے، اُس نے اپنے ٹھیہ کیمرے کی مدد سے ان جہازوں کی متعدد تصاویر بھی اُتاریں، انٹرفورس کے ایک افسر نے بڑے فخر سے کچھ جہازوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، یہ طیارے نقلی ہیں، خطرے کی صورت میں اصلی طیارے اُن زیر زمین بیگزروں میں چھپا دے جاتے ہیں، مستقبل میں اگر کسی وقت اسرائیل اس انٹرفورس پر بمباری کرنے میں کامیاب بھی ہوا تو وہ ان نقلی طیاروں پر اپنے ہم ضائع کرے گا، وولف گینگ نے مصر کی اس حکمت عملی کی بے حد تعریف کی، واپس آ کر اپنی رہائش گاہ سے اُسی رات اُس نے اپنے ٹرانسمیٹر سے تل ابیب کو اپنی نئی دریافت کی اطلاع دی،

اگست ۱۹۶۲ء میں اُسے موساد نے فوراً پیرس بھیجنے کا ارجنٹ پیغام بھیجا، وہ اپنے افسروں سے ملنے اسی طرح یورپ کے مختلف ملکوں کے دورے کرتا رہتا تھا، جہاں وہ انہیں تفصیلی رپورٹ پیش کرتا اور نئی ہدایات لیکر واپس آ جاتا تھا۔

اس مرتبہ بھی حسب معمول وہ پہلے ایک پرواز سے وی آنا گیا جہاں سے وہ میونخ اور آخر میں پیرس پہنچا، مختلف ممالک کے چکر لگانے کا مقصد یہ تھا کہ اگر بالفرض کوئی اس کا پیچھا بھی کر رہا ہو تو وہ کفیوز ہو جائے۔

پیرس میں اس بار اُس کے افسر کچھ زیادہ خوش نظر نہیں آرہے تھے، انہوں نے وولف گیٹنگ کی سخت سرزنش کرتے ہوئے کہا کہ مصر نے حال ہی میں زمین سے زمین مار کرنے والے میزائل کا کامیاب تجربہ کیا ہے اور تم نے ہمیں خبر تک نہیں دی ہے حالانکہ سی آئی اے نے سب کچھ معلوم کر کے ہمیں اطلاع دی ہے، ساتھ بیٹھے ہوئے ایک دوسرے اسرائیلی نے بھی اقلہ دیتے ہوئے کہا تم جیسے شاہ خراج ایجنٹ سے ہمیں یہ توقع ہرگز نہیں تھی ہمیں اس پر اعتراض نہیں ہے کہ تم مصر میں روزانہ پر تعیش پارٹیاں کراتے پھر رہے ہو، مصریوں کو شمشین پلا رہے ہو، یقیناً یہ تمہاری ضرورت ہے، اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کا یہی بہترین راستہ ہے مگر ہمیں بھی تم سے کچھ توقعات ہیں، تمہیں ہر لمحہ چوکنا رہنے کی ضرورت ہے، ہمیں مصری راکٹ سسٹم کے بارے میں فرسٹ ہینڈ معلومات درکار ہیں، پیرس سے واپسی پر وولف گیٹنگ نے ایک نئے دلو لے کیا ساتھ مصر میں مقیم جرمنوں کے بارے میں معلومات اکٹھی کرنی شروع کی۔

چھ ہفتے بعد وہ جب دوبارہ موساد کے آدمیوں سے ملنے فرانس گیا تو اُس کے پاس اُن تمام جرمنوں کے مکمل کوائف تھے، اُس نے نہ صرف ان کے قاہرہ میں ایڈریس معلوم کر لئے تھے بلکہ اُن کے بیوی بچوں کا اتہ پتہ جرمنی اور آسٹریا میں بھی لگالیا تھا، اُس نے مصری میزائلوں اور راکٹوں کے بارے میں بھی ایک سیر حاصل رپورٹ اُن کے حوالے کی۔

وولف گیٹنگ کا ایک فارم ہیلی پلوس میں مصری آرمی کے ہیڈ کوارٹر کے عین سامنے واقع تھا، وہ اپنے گھوڑوں کی بھاگ دوڑ پر نظر رکھنے کے بہانہ فارم میں ایستادہ ایک دس فٹ اونچے ناور پر چڑھ کر فوجی ہیڈ کوارٹر کی طرف بغور دیکھا کرتا تھا، وہ ہیڈ کوارٹر میں فوجی گاڑیوں اور شاف کاروں کی اچانک غیر معمولی نقل و حرکت کو نوٹ کر کے موساد کو اطلاع دے دیتا،

۱۹۶۲ء کے آخر میں موساد نے مصری راکٹ پروگرام میں مصروف جرمنوں کو ڈرا دھکا کر واپس جانے پر مجبور کرنے کے لئے ایک سیکرٹ آپریشن شروع کیا جس کا نام آپریشن ڈے موکلیہ Operation Damocles تھا، موساد نے ان جرمن سائنسدانوں کو اور ان کے قریبی رشتہ داروں کو کوئی پارسل ہم بھیجے جس سے کئی افراد یا تو موقع ہی پر ہلاک ہو گئے یا شدید زخمی ہوئے، اس آپریشن میں وولف گیٹنگ کا رول صرف دھمکی آمیز خطوط بھیجنے تک محدود تھا، یہ سارے خطوط موساد نے اُسکے لئے یورپ میں ٹائپ کرائے تھے اُن میں سے ایک خط جو قاہرہ میں کام کرنے والے ایک جرمن سائنسدان کو لکھا گیا تھا وہ کچھ یوں تھا:

Dear Mr. Heintich Btawn,

We are writing to tell you that your name now appears on our black list of German Scientists employed in Egypt.

We'd like to think that you care for the safety of your wife, Elizabeth and your two children, Niels and Trudi, It would be in your interest to cease working for the Egyptian military.

Signed

The Gideonites

Gideon تورات میں مذکور ایک بہادر شخص کا نام تھا جس نے خانہ بدوش قبائل کی مدد سے دشمن کا ایک بہت بڑا حملہ پسپا کر دیا تھا،

اسی قسم کے تقریباً پچاس کے قریب خطوں میں یہی نام استعمال ہوا تھا، موسا نے قتل و غارتگری اور دہشت گردی پر مبنی یہ آپریشن بڑی غلبت میں شروع کیا تھا، جس کا انہیں سوائے نقصان کے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا، ہوابازوں کے نومبر ۱۹۶۱ء میں یورپ کے ایک ملک میں اسرائیلی سفارت خانے میں ایک روز ایک آسٹریں سائنسدان آیا، اُس نے کہا کہ صرف میزائل بنانے میں مصروف ہے بلکہ وہ ایک Poor man's bomb پر بھی کام کر رہا ہے، یہ بم سٹرانٹیم (Strontium) اور کوبالٹ کی آمیزش سے تیار کیا جا رہا ہے، اس خطیہ پروگرام کا نام آپریشن قلوپٹرہ (Celopatra) ہے، میں اس پروجیکٹ کے لئے ضروری ساز و سامان خریدنے پر مامور ہوں۔

اس خوفناک انکشاف سے موساد کے حلقوں میں کھلبلی مچ گئی، اسریل نے وزیر اعظم پر دباؤ ڈالا کہ وہ جرمنوں کو مصر سے ڈرا دھکا کر بھگانے کے لئے آپریشن کرنا چاہتا ہے، بالآخر ۱۹۶۲ء کے آخر میں اس کی باقاعدہ منظوری دے دی گئی، اس آپریشن کا صرف اتنا اثر ہوا کہ کچھ جرمن سائنسدان تو واقعی مصر سے چلے گئے وہ خوف سے چلے گئے یا اُن کا کام ختم ہو گیا تھا، یہ کبھی معلوم نہ ہو سکا، باقی ماندہ افراد کو مصری سکیورٹی ایجنسیوں نے زبردست تحفظ فراہم کیا اور وہ بڑے آرام سے اپنے کاموں میں لگے رہے،

۱۹۶۳ء کے موسم خزاں میں مصر کی خارجہ پالیسی ایک سخت تبدیلی ہو گئی اور یہی تبدیلی بالکل حادثاتی طور پر وولف گینگ کے زوال کا باعث بن گئی۔

ایک زمانے میں مصر کی فوجی اور اقتصادی ضروریات کا تمام تر دار و مدار روس پر تھا لیکن کچھ عرصہ بعد دونوں ملکوں کے سفارتی تعلقات میں گرم جوشی تھوڑی کم ہو گئی اور یوں یہ سلسلہ بھی ختم ہو کر رہ گیا، لیکن ۱۹۶۳ء میں سویت یونین نے دوبارہ یہ امداد بحال کر دی، اس کے ساتھ ہی روس نے صدر ناصر پر دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ وہ مشرقی جرمنی کے صدر سنڈر والٹر البریخت کو مصر کے دورے پر مدعو کریں، یہ اقدام مشرقی جرمنی کو تسلیم کرنے کے مترادف تھا جبکہ روس کے لئے یہ زبردستی سیاسی فتح تھی، بون (Bonn) گورنمنٹ نے اس پر اپنے شدید رد عمل کا اظہار کرتے ہوئے صدر ناصر کو دو ٹوک الفاظ میں دھمکی دی کہ وہ صدر البریخت کے دورے مصر کی صورت میں اپنے سفارتی تعلقات مصر کے ساتھ منقطع کر دے گا، لیکن صدر ناصر کے پاس اب کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا، اُس نے فروری ۱۹۶۵ء میں اس دورے کے لئے باقاعدہ دعوت نامہ بھی بھیج دیا۔

پھر مغربی جرمنی نے مصر کو تمام اقتصادی امداد روکنے کی دھمکی دی لیکن صدر ناصر اس سے مس نہ ہوا، وہ دراصل بون گورنمنٹ کو یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ اس قسم کی دھمکیوں سے وہ مرعوب ہونے والا نہیں ہے، وہ روسیوں کی ایک دیرینہ تشویش کو بھی ختم کرنے کے لئے براہ راست ایکشن کا فیصلہ کر چکا تھا وہ یہ کہ قاہرہ میں کام کرنے والے روسیوں نے متعدد بار شکایت کی تھی کہ Gehlen (ویسٹ جرمن سیکرٹ سروس) سی آئی اے کے ساتھ ملکر اُن کے خلاف جاسوسی کر رہی ہے، مصری سراغ رساں ادارے فوڈ اس کا قلعہ قمع کریں وغیرہ

کے جی بی کے اشارے پر ناصر نے اسی دوران میں، قاہرہ میں مقیم تیس ویسٹ جرمن باشندوں کی گرفتاری کا حکم دیا، ان میں کچھ سیاح بھی شامل تھے، بہانہ یہ بنایا گیا کہ ان لوگوں کے متعلق شک تھا کہ وہ صدر Ulbricht کو دورہ مصر کے دروان قتل کر دیں گے۔

وولف گینگ جرمن کمیونیٹی کی ممتاز شخصیت تھی، اُس کی گرفتاری بالکل فطری تھی، بالکل اتفاق سے والٹر ڈاکے ماں باپ اسی پکڑ وھکڑ کے دوران چھپنا گزرنے کا ہرہہ پہنچے۔

رُوسی مشیروں کو خوش کرنے کے لئے مصری سیکرٹ پولیس نے وولف گینگ، والٹر ڈاکے اور والٹر ڈاکے والدین کو فورا گرفتار کرنے کا حکم دے دیا۔

۲۲ فروری کو، صدر Ulbricht کے دورے سے دودن، پہلے، پولیس کی ایک بھاری نفری وولف گینگ کی رہائش گاہ پہنچی، وہ چاروں جرمن اُس وقت تو گھر پر موجود نہیں تھے بلکہ وہ جنرل خراب جواب گورنر بن چکا تھا، کے پاس ڈیر پر مدعو تھے، وہ جونہی واپس آئے تو پولیس نے انہیں گرفتار کر لیا اور پھنڈیوں میں جکڑ کر پولیس اسٹیشن لے آئے۔ قاہرہ میں جرمن سفارت خانے نے جب ان گرفتاریوں پر احتجاج کیا تو مصری وزارت داخلہ نے یقین دہانی کرائی کہ یہ سب کچھ صدر ulbricht کے دورے کو محفوظ بنانے کی خاطر ہو رہا ہے، دورہ ختم ہوتے ہی ان سب حضرات کو رہا کر دیا جائے گا۔ حقیقت میں بھی یہی بات تھی، بعد میں واقعی ان سب لوگوں کو رہا کر دیا گیا تھا، مگر وولف گینگ کی بد قسمتی تھی کہ وہ اپنی گرفتاری کا کچھ اور مطلب لے بیٹھا، وہ سمجھا اُس کا پول کل گیا ہے، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں تھا اُس کی گرفتاری بھی باقی جرمنوں کی طرح معمول کے مطابق تھی۔

پولیس نے جب اُس سے پوچھ گچھ شروع کی تو وہ اچانک کہنے لگا، آپ جو کچھ بھی چاہتے ہیں، وہ میں خود ہی بتا دیتا ہوں مگر اس معاملے میں میری بیوی اور اُس کے ماں باپ بالکل بے قصور ہیں، آپ انہیں فوراً رہا کر دیں تو اچھا ہوگا، میں مکمل تعاون کا وعدہ کرتا ہوں۔

یہ ایسا اتفاقی انکشاف تھا کہ اٹلیے جنس پولیس کا انچارج تھوڑی دیر کے لئے ہکا بکا رہے گیا کیونکہ اُسے یہ توقع ہی نہیں تھی کہ وہ ایک اسرائیلی جاسوس کو حادثاتی طور پر پکڑ چکا ہے، خیر وہ انتہائی پیش رو پولیس افسر تھا، اُس نے فوراً اپنی حیرت کو چھپاتے ہوئے بڑے کرخت لہجے میں کہا، ہمیں سب کچھ پتہ ہے بلکہ کافی عرصے سے پتہ ہے تم کتنے عرصے سے یہاں ہوا اور کیا کرتے رہے ہو، یہ سب ہمیں معلوم ہے، بس اب بہتر یہ ہوگا کہ اپنا ہمارا وقت ضائع کئے بغیر سب کچھ سچ اگل دو۔

یہ کہہ کر پولیس افسر نے گرج کر کہا، ٹرانسمیڈ کہاں چھپایا ہوا ہے؟

باتھ روم کی دیوار میں ایک نائل کے پیچھے، وولف گینگ نے دھیمی آواز میں کہا! تھوڑی دیر میں پولیس کے باقی افراد نے مطلوبہ ٹرانسمیڈ باتھ روم سے برآمد کر لیا۔

حلاشی کے دوران پولیس نے جاسوسی کے مختلف آلات کے علاوہ انتہائی طاقتور دھماکا خیز مادہ بھی دریافت کیا جو صابن کی متعدد دنگیوں میں چھپایا گیا تھا: ایک سیف سے ۷۵ ہزار امریکی ڈالر بھی برآمد ہوئے جو وولف گینگ نے شاید اپنے یاروں پر خرچ کرنے کے لئے رکھے ہوئے تھے۔

پولیس وولف گینگ کو اُس کی فیملی سمیت مذید پوچھ گچھ کے لئے ایک ٹھہرے مقام پر لے گئی، وہاں وولف گینگ کی عصاب شکن Debriefing کا طویل سلسلہ شروع ہوا، دن رات، تیز برقی بلب کے سامنے اُس سے پوچھ گچھ ہوتی رہی،

اُس نے کمال ہوشیاری سے کچھ بچ اور کچھ جھوٹ کے درمیان رہے کر پولیس کو مطمئن کرنے کی سعی شروع کی اور وہ بڑی حد تک اس میں کامیاب رہا، اس کے دو بڑے مقاصد تھے جنہیں سامنے رکھ کر وہ بول رہا تھا والٹر اور اُس کے والدین کی جان بچانا اور (۲) اور اپنی اصلیت کے بارے میں کم سے کم راز فاش کرنا۔

وہ پوچھ گچھ کے پہلے مرحلے ہی سے اس بات پر اڑا رہا کہ وہ پیداؤنی طور پر جرمن عیسائی ہے، اس نے جرمنی میں اپنی تعلیم مکمل کی ہے اور اب بھی جرمن شہریت کا حامل ہے، دراصل وہ پولیس کو یہ باور کرانے کی تگ و دو میں لگا ہوا تھا کہ وہ خالص جرمن شہری ہے اور محض اسرائیلیوں کے جھانسنے میں آگیا تھا۔

وہ شروع سے لیکر آخر تک موساد کی خود ساختہ سوانح پر ڈنارہا، اُس نے مذید کہا میں جنگ کے ختم ہوتے ہی جرمنی سے آسز بلیا منتقل ہو گیا (وہاں میں نے گھوڑوں کا ایک فارم خریدا میں نے اس کا رو بار میں خوب دولت کمائی میں گیارہ سال گزار کر جرمنی واپس آیا، میں وہاں بھی یہی بزنس شروع کرنا چاہتا تھا، برلن میں مجھے جوزف نامی ایک شخص ملا، وہ خود بھی گھوڑوں کی تجارت کا دعویٰ کر رہا تھا، اُس نے مجھے قاہرہ میں فارم کھولنے کی ترغیب دی، میں ذاتی طور پر کافی عرصے سے قاہرہ میں بزنس کرنے کا خواہش مند تھا، گھوڑے ہی عرصے میں جوزف کے ساتھ میری اچھی خاصی دوستی پیدا ہو گئی، بالآخر ایک دن ہم دونوں قاہرہ پہنچ گئے، وہاں ہم نے اپنے Stud form کے لئے جگہ خریدی، اس کے تعمیر پر سارا سرمایہ جوزف نے اپنی طرف سے خرچ کیا، اُس نے فارم کے لئے تمام عربی النسل گھوڑے بھی خود اپنی جیب سے خرید کر دیے، میں انتہائی حیران تھا کہ وہ یہ سب کچھ کیوں کر رہا تھا، آخر اُس نے مجھے ایک دن اپنی اصلیت بتادی۔

وہ یورپ میں موساد کے جاسوسی جال کا انچارج تھا میں اس انکشاف سے بے حد خوف زدہ ہو گیا تھا۔ میں اب ہر طرف سے اُن کے جال میں بڑی طرح پھنس چکا تھا، میں نے مجبور اُن کے لئے کام کرنا شروع کیا۔ میں نے اُن کے لئے مصر کے اہم فوجی تعصبات کی تصویریں اتاریں، جرمن سائنسدانوں کو پارسل بم بھیجے اور اس کے علاوہ کئی حساس معلومات فراہم کیں، مگر میں اُن کی حرص و لالچ کو ختم نہ کر سکا وہ ہر دفعہ مذید مطالبات کرتے گئے، میں جب بھی مذید کام نہ کرنے کی خواہش ظاہر کرتا وہ مجھے دھمکی دیتے کہ وہ مصری انٹیل جنس کو کسی طرح اطلاع کر دیں گے کہ یہ شخص موساد کا ایجنٹ ہے پھر مصری انٹیل جنس مجھے زندہ نہیں چھوڑے گی، میں ذاتی طور ایک کمزور دل کا انسان ہوں، مجھے انہوں نے خوف و ہراس میں رکھ کر اپنا کام نکالا۔

اب میں آپ کے رحم و کرم پر ہوں، میں نے حرف بہ حرف حقیقت بیان کر دی ہے۔

مصری پولیس وولف گینگ کی رام کہانی سننے کے بعد اس نتیجے پر پہنچی کہ وہ واقعی جرمن شہری ہے اور موساد کے جال میں پھنس چکا ہے۔

ایک ڈاکٹر نے اُس کے غیر یہودی ہونے کے دعوے کی تصدیق کے لئے اُس کا طبی معائنہ کیا، بچپن میں اُس کے والدین نے یہودی رسم

کے مطابق اُس کے ختنے نہیں کیے تھے آج یہی بات اُس کے لئے بڑی مددگار ثابت ہوئی ورنہ وہ پھانسی کے تختے پر جا پہنچتا۔

اس کے بعد اُسے ایک دوسرے کمرے میں لے جایا گیا جہاں ایک لمبی میز کے پیچھے ایک ایزی چیئر پر ایک ادھیڑ عمر کا شخص بیٹھا ہوا تھا، وولف گینگ اُسے پہلی نظر میں ہی پہچان گیا، وہ مصری انٹلیجنس کا سربراہ صالح نصر تھا۔ اُس نے بڑی شستہ انگریزی میں وولف گینگ کو پاس پڑی ایک کرسی پر بیٹھنے کو کہا، پھر اُس نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا ہے مجھے افسوس ہے کہ تمہارے غیر یہودی ہونے کے دعوے کو کفر م کرنے کے لئے یہ طبی معائنے ضروری تھا، صالح نصر کے اس قدر نرم رویہ پر پاس ہی کھڑے ایک سینئر افسر نے بڑا امانت دہانے ہوئے عربی میں کہا، یہ شخص جرمن ہے یا یہودی، میں اس پر لعنت بھیجتا ہوں، مجھے صرف دو گھنٹے کی مہلت دیں یہ بالکل پرندے کی طرح چپکنے لگے گا، اس پر صالح نصر نے ڈانٹتے ہوئے کہا تم بالکل گدھے ہو۔ اور سیاسی چال بازیوں سے ناواقف ہو، پھر قیدی کی طرف متوجہ ہوا جو یوں اثر دے رہا تھا جیسے وہ عربی سمجھ ہی نہیں رہا ہو، ہاں تو مسٹر وولف گینگ ہمیں کوئی جلدی نہیں ہے کہ تمہیں پھانسی پر لٹکا دیں، ویسے بھی تمہاری پھانسی سے ہمارا مقصد حل نہیں ہوتا تمہارا بحیثیت جاسوس کیئر بہر حال ختم ہو چکا ہے، اب اگر تم تعاون کرو تو میرا ذاتی طور پر وعدہ ہے کہ تمہیں سزائے موت ہرگز نہیں دی جائے گی۔

اچھا اب سچ بچاؤ، یہاں مصر میں تمہارا کمرہ کار کی وغیرہ سرکاری افراد کے ساتھ قریبی روابط ہیں؟ تمہارے دوسرے جاسوس ساتھیوں کے نام کیا ہیں؟ پوری تفصیل کے ساتھ بیان کرو تمہیں اسرائیل میں کہاں اور کب تربیت دی گئی ہے۔ ایک بات یاد رکھو اگر تم نے ذرا بھی چالاک بننے کی کوشش کی تو تم اپنے ساتھ اپنے خاندان کو بھی لے ڈوبو گے۔

اُسی دن صبح اُس نے ایک قریبی سیل سے مسلسل ایک عورت کی دردناک چیخیں سنیں، جس پر پولیس تشدد ہو رہا تھا، مصری انٹیلی جنس یوں اُسے باور کرا رہی تھی کہ اگر وہ تعاون پر آمادہ نہیں ہوا تو اُس کا بھی یہی حشر ہو سکتا ہے۔

کئی دن کی مسلسل تفتیش میں وولف گینگ نے کمال ہوشیاری سے سچ اور جھوٹ کا کچھ بنا کر پیش کیا۔ اُس نے انتہائی حساس رازوں کو اگلنے سے گریز کرتے ہوئے انہیں اپنی معمولی سرگرمیوں کی لمبی لمبی تفصیلات میں الجھائے رکھا، مثلاً اُس نے کہا ایک مرتبہ میرا ٹرانسپھر خراب ہو گیا اور جو مرمت کے قابل ہی نہیں رہا تو میں نے اُسے ریزہ ریزہ کر دیا پھر اُسے ضائع کرنے کے لئے دریائے نیل گیا وہاں ایک کشتی کرائے پر لی اور سچ دیا وہ چیز ڈوبی میں اب بھی آپ کو وہ جگہ دیکھا سکتا ہوں۔

اُس نے ایک اور ہوشیاری یہ کہ کسی مصری شخصیت کا نام نہیں اُگلا

بالآخر کئی روز کی پوچھ گچھ کے بعد وہ کم از کم اپنی بیوی کے والدین کو بیگانہ ثابت کرنے میں کامیاب ہو گیا، چند دنوں بعد انہیں رہائی دیکر ملک سے نکل جانے کی اجازت دے دی گئی، لیکن وہ بیوی (والترڈا) کو سزا سے نہیں بچا سکا، کیونکہ مصری یہ ماننے کے لئے تیار نہیں تھے کہ ایک شخص کئی سالوں سے جاسوسی کے دھندے میں ملوث رہا ہو اور اُس کی بیوی کو خبر ہی نہ ہو، وہ والترڈا کو برابر کی مجرم ٹھہرا چکے تھے۔

وہ موساد کی تاریخ میں سیاہ ترین دن تھے، اُس کے دو چوٹی کے جاسوس (ایٹلی کوئن اور وولف گینگ) دشمن ملکوں میں پکڑے جا چکے تھے،

اور اب دونوں سزائے موت کے خطرے سے دوچار تھے۔

بعد میں ایل کی کوہن کو تو دمشق میں سزائے موت دی گئی لیکن وولف گینگ پر قسمت مہربان ہوگئی، مصری حکومت اُسے پھانسی دینے کے حق میں نہیں تھی، جس کی کئی وجوہات تھیں، جن میں ایک وجہ تو متحدہ مصری جاؤس تھے جو اسرائیل کی جیلوں میں بند تھے، دوسری بات یہ تھی کہ وولف گینگ نے نہایت چالاکی یہ کی کہ وہ شروع ہی سے پولیس کے ساتھ بظاہر بڑے تعاون کا مظاہرہ کرتا رہا تھا نیز وہ اپنی جرمن شہریت ثابت کر کے پھانسی کے پھندے سے نکل چکا تھا۔

مقدمہ سے پہلے ہی وولف گینگ نے ا مصری ٹیلے ویژن پر اپنے جرائم کا اعتراف کیا، اُس نے والٹراڈ کے ہمراہی وی کیسرے کے سامنے بیان دیا۔

میں ۱۹۶۱ء سے مصر میں اسرائیل کے لئے جاسوسی کرتا رہا ہوں، میں نے نہرو سیز کے علاقے میں نصب روسی میزائلوں کے بارے میں معلومات اکٹھی کیں، اس کے علاوہ بھی میں کئی ٹھہے اور غیر قانونی سرگرمیوں میں ملوث رہا ہوں، ابھی وہ بول رہا تھا کہ کیسرے کا رُخ والٹراڈ کی طرف مڑ گیا۔ جو پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی تھوڑے تو وقف کے بعد اُس نے دوبارہ کہنا شروع کیا میں اپنے کئے پر سخت نادم ہوں مجھے شدت سے احساس ہے، کہ محض روپے پیسے کی لالچ میں آ کر میں نے مصری حکومت کو کس قدر نقصان پہنچایا ہے۔

اسرائیل اگر مصر میں خفیہ جاسوسی کرتا چاہتا ہے تو وہ سادہ لوح جرمن باشندوں کے بجائے اپنے لوگ بھیجے، میں اپنے جرمن بھائیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ زندگی میں کبھی اسرائیلیوں کے فریب میں نہ آئیں۔

مصری حکومت انتہائی خوشی کے عالم میں تھی کہ وولف گینگ نے اپنے جرائم پر نادم ہو کر اسرائیل کے خلاف اچھا خاصا بیان دیا ہے، مصر کے تمام الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا پر یہ بیان بطور پروپیگنڈا استعمال کیا گیا، لیکن یہ اُن کی سادہ لوحی تھی یا بیوقوفی تھی وولف گینگ کا یہ ٹیلی وائز اعتراف جرم موساد کے ہیڈ کوارٹر میں بڑے شوق اور جذبے کے ساتھ دیکھا گیا۔

اسرائیلی اپنے ایجنٹ کی بے مثال اداکاری پر عرش عرش کر رہے تھے وہ انتہائی مطمئن تھے کہ مصری انٹیلی جنس اب بھی وولف گنگ کی اصلیت سے بے خبر تھی اور یوں وہ محفوظ تھا،

جولائی ۱۹۶۵ء میں مقدمہ کی کارروائی شروع ہوئی، وولف گینگ کو اپنی دفاع کے لئے باقاعدہ وکیل کی سہولت مہیا کی گئی، عدالتی عمل کو دیکھنے کے لئے مغربی جرمنی سے ایک آبرور بھی قاہرہ آیا، ایل کی کوہن کی نسبت اُسکے ساتھ مصری عدالت کا رویہ نہایت منصفانہ اور نرم رہا۔

وولف گینگ نے اپنی بیوی کا ڈٹ کر دفاع کرتے ہوئے اصرار کیا کہ وہ بالکل بے گناہ ہے۔

ہماری ملاقات بیس سے آتے ہوئے ایک ٹرین میں بالکل اتفاقی طور پر ہوئی تھی، شادی کے بعد جب ہم قاہرہ منتقل ہوئے تو اُسے اتنا ضرور پتہ چلا کہ میں اپنے بیڈروم میں پڑے ہوئے ریڈیو ٹرانسمیٹر سے ہر دوسرے تیسرے دن کچھ پیغامات بھیجتا رہتا تھا، اُس نے کئی بار مجھ سے اس بارے میں پوچھا بھی مگر میں نے ہمیشہ یہی جواب دیا کہ میں NAO کے لئے کام کر رہا ہوں، اس کے بعد اُس نے مجھ سے کبھی یہ سوال نہیں دہرایا۔

کمرہ عدالت میں سفید لباس میں ملیوں والٹراڈ جو نہایت خوبصورت اور متاثر کن لگ رہی تھی، نے اپنے جذباتی بیان سے نہ صرف جج بلکہ ٹیلی ویژن پر مقدمہ کی کاروائی دیکھنے والے لاکھوں مصریوں کے دل موہ لیے اُس نے اپنے بیان میں کہا:

”میرے خلاف نازی جرمن سائنسدانوں کی سازش ہے جو اس وقت مصر کے لئے کام کر رہے ہیں۔ مجھے حقیقت میں بڑا صدمہ ہوا جب مجھے اپنے شوہر کی غیر قانونی سرگرمیوں کا پتہ چلا، لیکن بحیثیت ایک بیوی کے، یہ میرا فرض ہے کہ مصائب کی گھڑی میں، میں اُس کا ساتھ دوں شاید آپ کو عجیب محسوس ہو مگر میں اب پہلے سے کئی زیادہ اپنے شوہر کو چاہتی ہوں۔ اُس کی قسمت کا فیصلہ اب آپ کے ہاتھ میں ہے، میں آپ سے عاجزانہ التجا کرتی ہوں، میرے شوہر پر زیادہ سختی نہ کریں، اس کے ساتھ وہ ایک بار پھر روپڑی، اس میلوڈرامیک (Melo dramatic) سین سے، کمرہ عدالت موجود اکثر لوگوں کی آنکھیں میمگ گئیں،

مقدمہ جوں جوں آگے بڑھ رہا تھا یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وولف گینگ اپنی اداکاری سے سب کو متاثر کر رہا تھا مصری حکومت کا بھی موقف یہ بن گیا تھا کہ وولف گینگ نے یقیناً جاسوسی کر کے مصر کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے، مگر وہ کم از کم اسرائیلی اور یہودی نہیں ہے، لہذا اُسے سزا تو ضرور دی جائے گی مگر بے انصافی نہیں کی جائے گی۔

وولف گینگ نے مقدمے کے آخری مراحل میں کچھ خوف کے لمحات بھی محسوس کئے جب اچانک جرمنی سے ایک خط پہنچا وہ خط میونخ کے ایک وکیل نے بھیجا تھا، وہ موساد کے letter bomb مہم کے نشانے بننے والے جرمن سائنسدانوں کے لواحقین کی طرف سے اسرائیل کے خلاف براہ راست بین الاقوامی عدالت انصاف میں کیس لٹر ہا تھا، اُس نے اپنے خط میں مصری عدالت کو انکشاف کیا کہ وولف گینگ حقیقت میں اسرائیلی شہری ہے، اُس نے باقاعدہ تاریخ بھی درج کی تھی جس دن، وولف گینگ اسرائیل منتقل ہوا اور اُسے وہاں اسرائیلی پاسپورٹ جاری ہوا، اس کے علاوہ اُس نے دستاویزی ثبوت کیساتھ وولف گینگ کی ماں کو یہودی قرار دیا، خط میں اُس کی اسرائیلی آرمی میں سروس کے متعلق بھی کافی معلومات درج تھیں۔

اس پر وولف گینگ نے عدالت کو بتایا ”یہ لوگ مجھے پھانسی پر چڑھانے چاہتے ہیں، میں عدالت کے رد برو قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میری ماں یہودی نہیں بلکہ پروٹسٹنٹ عیسائی تھی، وہ ۱۹۴۴ء میں اتحادیوں کی بمباری میں برلن میں ہلاک ہو گئی تھی، یہ سچ ہے، کہ میں ایک بار ۱۹۶۴ء میں اسرائیل گیا تھا، میں نے محض چھ دن وہاں قیام کیا تھا جہاں موساد کے تین چار افسروں نے میری بریفنگ کی تھی، جو کہ حرف بہ حرف میں یہاں بیان کر چکا ہوں، اس خط میں صرف ایک بات سچ لکھی گئی ہے، اور وہ میری جائے پیدائش Mannehim کے متعلق ہے۔

عدالت نے اس خط کو مسترد کر دیا۔

۱۲ اگست ۱۹۶۵ء کو عدالت نے اپنے فیصلہ سناتے ہوئے وولف گینگ کو عمر قید اور ۳۲۵۳۹ مصری پاؤنڈ جرمانے کی سزا سنائی جبکہ والٹراڈ کو تین سال قید سنائی گئی، اُن کے ساتھ صرف ایک مصری شخصیت کو اعانت جرم کے تحت سزا ہوئی اور وہ جزل غوراب تھا۔

اب وولف گینگ کو مصری جیل میں اپنی زندگی کے ۲۵ سال گزارنے کا کٹھن اور طویل مرحلہ باقی تھا، لیکن ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ نے اُسکی قسمت بدل دی۔

چھ روزہ جنگ کے ختم ہوتے ہی اسرائیل نے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل یوتھان کی وساطت سے مصر کے ساتھ جنگی قیدیوں کے تبادلے کیلئے بات چیت شروع کر دی۔

جنگ میں پکڑے گئے پانچ ہزار مصری فوجیوں کے بدلے میں اسرائیل اپنے چند ہوا بازوں اور نیول فراگ مینوں کی رہائی کا مطالبہ کر رہا تھا، اس کے علاوہ ایک پیش کش میں اسرائیل نے نو مصری جرنیلوں اور متعدد سینئر زفوجی آفسروں کی رہائی کے بدلے میں دس اسرائیلی جاسوسوں کو جو قاہرہ کی جیلوں میں بند تھے، چھوڑنے کو کہا۔

ان دس افراد میں وولف گینگ اور والٹراڈ کا نام سرفہرست تھا، قل ایبب نے پہلی بار تسلیم کیا، کہ وولف گینگ جسے مصری جرمن سمجھ رہے تھے، اسرائیلی شہری ہے۔

آٹھ مہینے تک صدر ناصر کیساتھ بالواسطہ بات چیت جاری رہی جسے انتہائی صیغہ راز میں رکھا گیا۔ اسرائیلیوں نے خیرگالی کے طور پر تمام مصری جنگی قیدیوں کو پہلے ہی سے رہا کر دیا، صدر ناصر نے بھی وعدے کے مطابق اسرائیلی جاسوسوں کو خاموشی کیساتھ چھوڑ دیا، اس خبر کو کسی مصری اخبار یا میگزین تک پہنچنے نہیں دیا گیا۔ اسرائیل میں بھی ان کی آمد کو اخباروں میں شائع نہیں کیا گیا۔

وولف گینگ قبیلے کو چار فروری ۱۹۶۸ء کو قاہرہ انٹرپورٹ لجا بایا گیا، انہیں لفٹھانسا ائیر کی فلائٹ نمبر ۶۷۰ جو بذریعہ انتھنرمیونخ روانہ ہونے والی تھی، میں بیٹھایا گیا، لیکن وہ انتھنرمیونخ میں ہی اتر گئے جہاں انٹرپورٹ لاؤنج میں انہیں موساد کے دو اہل کار ملے وہ انہیں ایک دوسری پرواز میں لندن لے گئے۔

اڑتالیس گھنٹے بعد وہ قل ایبب کے مین الاقوامی انٹرپورٹ پہنچے، دونوں میاں بیوی نے بالکل نئے اور خوبصورت سوٹ پہنے ہوئے تھے، جو انہوں نے لندن میں Marks and Spencer کی ایک برانچ سے خریدا ہے، وہ کچھ عرصہ قل ایبب کے مضامات میں واقع ایک چھوٹے سے مکان میں رہائش پزیر ہے، وہاں انہوں نے ایک بار پھر ایک رائڈنگ سکول (Riding School) کھولا، والٹراڈ نے عبرانی زبان بھی سیکھی اور تعصب کی حد تک صیہونیت کی حامی بن گئی، لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد ان کی زندگی پر نحوست کا سایہ چھا گیا، والٹراڈ اچانک سخت بیمار پڑ گئی اور جلد ہی موت کی آغوش میں چلی گئی۔

اُس کی موت کے بعد وولف گینگ کافی عرصہ ڈیپریشن کا شکار رہا، ۱۹۷۱ء میں اُس کا رائڈنگ سکول بھی دیوالیہ ہو گیا۔ پھر وہ روزگاری تلاش میں امریکہ گیا، وہاں اُس نے ایک اسرائیلی نژاد ایڑی سے شادی رچائی۔ لاس اینجلس میں اُس نے ایک دوست کے ہمراہ ایک پرائیویٹ Detective Agency کھولی وہ اکثر لوگوں سے کہتا تھا ”بھئی میں جاسوسی دنیا کے متعلق تھوڑا بہت جانتا ہوں۔

لیکن یہ کام بھی آخر برباد ہو گیا جب اُس کے پارنر کی بیوی فرم کا تمام سرمایہ لیکر فرار ہو گئی۔

آخر کار جنوری ۱۹۷۸ء میں وہ ایک بار پھر مغربی جرمنی وارد ہوا، میونخ میں ایک ڈیپارٹمنٹل سٹور میں اُسے جابل مل گئی،

اپنے شدید مالی مسائل کا ذکر کرتے ہوئے اُس نے ایک دوست کو کہا،
موساد نے مجھے جتنا بھی معاوضہ دیا تھا، وہ سب میں نے اسرائیل میں اپنے رانڈنگ سکول پر لگا دیا تھا، اور وہ سارا سرمایہ ڈوب گیا۔

اب میرے پاس کیا بچا ہے، وہ مجھے محض دوسوا اربا ہانڈیشن دے رہے ہیں، اس میں تو میرا گڑا بہت مشکل ہے۔

۱۹۷۷ء میں کمپ ڈیوڈ سمجھوتے کے بعد جب صدر سادات پہلی بار یروشلم کے دورے پر آیا، اور دونوں ملکوں میں سفارتی تعلقات قائم ہوئے تو وولف گینگ ایک دن کہنے لگا۔ ہو سکتا ہے اب مجھے دوبارہ مصر کا ویزا مل جائے، میں ایک بار پھر دریائے نیل کے کنارے اپنا ہارس رانڈنگ سکول کھولوں گا، لیکن وہ پھر کہنے لگا، ہو سکتا ہے، وہ مجھے مصر میں داخلے کی اجازت ہی نہیں دے گا، میں نے بھی تو ایک عرصے تک انہیں بیوقوف بنائے رکھا تھا، مجھے یقین نہیں ہے، کہ وہ مجھے کبھی معاف کر دیں۔

<http://kitaabghar.com>



<http://kitaabghar.com>

قلمکار، کلب پاکستان

آپ شاعر ہیں یا کہانیاں لکھنے کا شوق ہے؟

..... یا

آپ اپنی تحریروں کو کتابی شکل میں شائع کرانے کے خواہشمند ہیں؟

تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہم آپ کی تحریروں کو دیدہ زیب و دلکش انداز میں کتابی شکل میں شائع کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔

ہم آپ کی صلاحیتوں کو مزید نکھارنے کے مواقع دینا چاہتے ہیں۔

مزید معلومات کے لیے رابطہ کریں۔

ڈاکٹر صابر علی ہاشمی 0333 222 1689

قلمکار کلب پاکستان کا ادارہ اور سربراہ

Qalamkar Club Pakistan

102-Amenia Market, Gali Bazar Karachi, Pakistan.
Email: qalamkarclub@yahoo.com
Contact: 0333 222 1689

قلمکار کلب



<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

سیریل ہائی جیکنگ

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

دس اگست 1973ء کو مڈل ایسٹ انٹر لائن (M.E.A) کا ایک مسافر بردار طیارہ بیروت انٹرنیشنل ایئر پورٹ سے بغداد کیلئے فضاء میں بلند ہوا۔ طیارے میں اکیاسی مسافر سوار تھے۔ پرواز کے ٹھیک پندرہ منٹ بعد طیارے کے کپتان نے کنٹرول ٹاور کو ریڈیو پیغام دیا "کچھ اجنبی جنگی طیارے میری طرف تیزی سے بڑھ رہے ہیں" اس کے چند ہی لمحوں بعد اُن طیاروں نے اس مسافر بردار جہاز کو گھیرے میں لے لیا۔ جہاز کے کپتان نے دوبارہ کنٹرول ٹاور کو اطلاع دیتے ہوئے کہا:

"میں کے قریب جدید میراج طیارے جن پر شار آف ڈیوڈ (Star of David) بنے ہوئے ہیں مجھے ہر طرف سے گھیرے میں لے چکے ہیں"

تھوڑی دیر بعد طیارے کے کاک پٹ میں کپتان نے اپنے ریڈیو پر ایک کرخت آواز میں ایک حکم سنا "میں اسرائیلی ایئر فورس کا سکواڈرن کمانڈر بول رہا ہوں اپنا رخ فوراً اقل ابیب کی طرف موڑ لو ورنہ ہم تمہیں مار گرا دیں گے" اس کے ساتھ ہی آواز غائب ہو گئی۔

طیارے کے کپتان نے مجبوراً فضاء میں ایک لمبا پیکر کاٹ کر طیارے کا رخ بنی منزل کی طرف موڑ دیا۔ جہاز میں مسافروں کو ابھی تک اصل صورت حال کا علم نہیں ہوا تھا اور کپتان نے بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ انہیں فہ الحال کسی گھبراہٹ سے دور ہی رکھا جائے۔ دراصل موساد کے ایک ایجنٹ نے بیروت سے اطلاع دی تھی کہ اس طیارے میں پی ایل او کا کمیونسٹ لیڈر ڈاکٹر جارج حباش اپنے نائب وادی حداد کے ہمراہ بغداد جا رہا ہے۔ اسرائیلیوں کو جارج حباش کے ساتھ لاقعد اد ہائی جیکنگ (High Jacking) کا حساب کتاب بے باک کرنا باقی تھا۔

بین الاقوامی فضائی راستوں سے مسلسل کئی مرتبہ اسرائیلی اور یورپی ایئر لائنوں کے طیارے اغوا ہوتے رہے اور مرتبہ جارج حباش کے کمانڈرز اس میں ملوث پائے گئے اس خصوصی پرواز کی اطلاع ملتے ہی موساد کے ڈائریکٹر نے اپنے وزیراعظم کو بتادیا کہ ہم اس شخص کو اسرائیل میں اتارنا چاہتے ہیں۔ وزیراعظم نے بھی فوراً اس بات کی تائید کی اور ایئر فورس کے سربراہ کو وہیں سے پیغام بھیجا کہ اس طیارے کو فوراً اقل ابیب میں اتار دیا جائے۔

آخر کار مڈل ایسٹ انٹر لائن کے جبو جیٹ نے اپنی سروس میں پہلی مرتبہ بن گوریان انٹرنیشنل ایئر پورٹ کے رن وے پر لینڈنگ کی۔ چند لمحوں بعد طیارہ ایئر پورٹ کے ایک کونے میں کھڑا ہو گیا۔ عین اسی لمحے متعدد فوجی گاڑیاں جن میں مسلح کمانڈوز بیٹھے ہوئے تھے، حرکت کرتی ہوئی طیارے کے ارد گرد آ کر کھڑی ہو گئیں۔ آدھی رات گزر چکی تھی مگر ایئر پورٹ کی فلڈ لائٹس (Flood Lights) سے دن کا سماں پیدا ہو رہا تھا۔

جہاز کے انجن جو ٹہنی بند ہوئے تو مسافر اپنے اپنے سامان کی طرف لپک پڑے، وہ سمجھ رہے تھے کہ بغداد پہنچ گئے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد اچانک جہاز کا مین گیٹ ایک جھٹکے کیساتھ کھل گیا اور ایک درجن کے قریب اسرائیلی کمانڈوز خود کار تھیار لہراتے ہوئے اندر داخل ہو گئے۔ ایک

کمانڈر نے ٹوٹی پھوٹی عربی میں مسافروں کو ہاتھ اوپر اٹھانے کا حکم دیا۔ مسافر اس عجیب صورت حال سے بوکھلا گئے کہ وہ کہاں جا رہے تھے اور کہاں اتر گئے ہیں۔

اسرائیلی کمانڈر نے خواتین کو جہاز کے ایک کونے میں جمع کر کے مرد مسافروں کے پاسپورٹ چیک کرنا شروع کئے وہ ہر مسافر کے چہرے کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔

ادھر انٹرپورٹ کے وی آئی پی لاونج میں وزیر دفاع مویشے دایان اور چیف آف آرمی سٹاف بڑی بے چینی کے ساتھ جارج حباش کے "استقبال" کے لئے انتظار کر رہے تھے۔

جہاز کے تمام مسافروں کی اچھی طرح شناخت ہو چکی تھی مگر جارج حباش اس پرواز میں موجود نہیں تھا۔ موساد کی اطلاع پہلی مرتبہ غلط فہمی کا شکار ہو چکی تھی۔

مویشے دایان کو جو نہیں بتایا گیا کہ حباش دراصل اس پرواز سے اچانک رہ گیا تھا تو وہ آرمی چیف جو پاس کھڑا ہوا تھا، پر برس پڑا اور اُسے انتہائی غصے میں کہا "تم تو فوراً ہی وقت ریٹائرمنٹ دے دو"

تھوڑی دیر بعد طیارے کو دوبارہ ایک آف کی اجازت دے دی گئی تو مسافروں نے سکھ کا سانس لیا۔ مدید ستم ظریفی دیکھئے کہ دو ہفتے بعد بیروت میں MEA کے دفتر میں بن گوریان انٹرپورٹ انتظامیہ کی طرف سے ایک بل موصول ہوا۔ جس میں طیارے کو ایندھن اور دیگر سہولیات فراہم کرنے کے اخراجات درج تھے۔ یہاں تک بات ہے کہ MEA انتظامیہ نے کبھی اس بل کی ادائیگی نہیں کی۔

ڈاکٹر جارج حباش کے متعلق اطلاع بالکل صحیح تھی وہ اسی طیارے سے بغداد سفر کرنے والے تھے۔ مگر ہوا یوں کہ اُس روز یہ پرواز کافی لیٹ ہو گئی تھی اور جارج حباش جو دل کے مریض تھے زیادہ انتظار نہ کر سکے ارعین موقع پر ہی اپنا پروگرام ملتوی کر کے واپس اپنی رہائش گاہ چلے گئے تھے۔

جارج حباش نے بعد میں ایک انٹرویو میں کہا "یہ دھشت گردی کی انتہا ہے اب وقت آ گیا ہے کہ عالمی برادری خود فیصلہ کرے کہ دھشت گرد کون ہیں۔"

جب اقوام متحدہ نے فلسطینیوں کی حالت زار کو نظر انداز کرتے ہوئے اسرائیل کے ہاتھ مضبوط کرنے شروع کئے تو ایسے حالات میں فلسطینی فدائین نے عالمی توجہ حاصل کرنے کے لئے بین الاقوامی ہوائی راستوں سے مغربی ممالک اور اسرائیل کے مسافر بردار طیاروں کو اغوا کرنا شروع کیا۔

فلسطینی کمانڈر نے پہلی بار ۱۹۶۸ء میں روم سے تل ابیب پرواز کے دوران ایک اسرائیلی یونینگ کو اغوا کیا۔ ہوا یوں کہ ۲۲ جولائی کو روم میں اسرائیلی انٹر لائن (ELAL) کے دفتر میں صبح ایک بھارتی نثر اد پادری نے اگلے دن تل ابیب کی پرواز کے لئے تین ٹکٹ طلب کئے، پادری کا اپنا پاسپورٹ بھارتی تھا جبکہ اُس کے ساتھیوں کے پاسپورٹ ایرانی تھے، وہ اُس وقت اکیلا ٹکٹ خریدنے آیا تھا، فارم میں اُس نے اپنا ایڈریس "امپیریل ہوٹل روم" درج کیا ہوا تھا۔

دوسرے روز مقررہ وقت پر ELAL کا بوئینگ ۷۰۷ پچاس مسافروں کو لیکر روم انٹرنیشنل ائر پورٹ سے تل ابیب کے لئے فضا میں بلند ہوا، پرواز کے ٹھیک بیس منٹ بعد جب طیارہ بحیرہ روم کے اوپر موجود تھا، ایک انٹومی سیکشن میں تین نوجوان لڑکے تیزی سے اپنی سیٹوں سے اٹھے اور کاک پیٹ کی طرف دوڑنے لگے، ان کے ہاتھوں میں آٹومیٹک پستول اور گریناڈ (Grenade) تھے۔ جہاز میں سوار مسافر خوف سے چیخنے لگے، جہاز کے عملے کے ایک فرد نے انہیں روکنے کی کوشش کی تو انہوں نے اُسے لاتوں اور گھونٹوں سے آدھ مارتا کر دیا۔ وہ کاک پیٹ کا گیٹ کھول کر اندر داخل ہو گئے۔ ان میں سے ایک لڑکے نے پائلٹ کی کن پٹی پر پستول کی نال رکھتے ہوئے حکم دیا "یہ طیارہ اس وقت فلسطینی فدا سائن کے قبضے میں ہے، اپنا رخ فوراً الجزائر کی طرف موڑلو" پائلٹ نے موقع کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے حکم کی تعمیل کی۔ کچھ دیر بعد طیارہ جب الجزائر کی فضا کی حدود میں داخل ہوا تو ایک فلسطینی نے کنٹرول ٹاور کو بذریعہ ریڈیو اپنی شناخت کرائی، ٹاور سے جو فوجی کلیرنس ملی تو پائلٹ نے جہاز بحفاظت ائر پورٹ پر اتار لیا۔

جہاز کے انجن آف ہوتے ہی، متعدد فوجی گاڑیوں نے اسے گھیرے میں لے لیا، مسافر سمجھے کہ ہائی جیکنگ کا ڈرامہ ختم ہو گیا ہے مگر کنٹرول ٹاور سے ہائی جیکروں کو مبارک باد کا پیغام موصول ہوا، الجزائر کی حکومت نے فلسطینیوں کو زبردست تعاون کی یقین دہانی کرائی۔ تھوڑی دیر بعد جب طیارے کے گیٹ کھلے تو تازہ دم فلسطینی کمانڈرز آٹومیٹک ہتھیار لہراتے ہوئے اندر داخل ہو گئے انہوں نے مسافروں کو پرسکون رہنے کو کہا۔ تھوڑی دیر بعد فلسطینیوں نے اپنا مطالبہ دہراتے ہوئے کہا اسرائیل میں قید پندرہ فلسطینی فدا سائن کو فوراً رہا کر کے الجزائر پہنچا دیا جائے ورنہ.....

ادھر اسرائیلی کمان نے یہ مطالبہ رد کرتے ہوئے کہا "ہم دہشت گردوں کے سامنے گھٹنے نہیں نیکیں گے۔ اسرائیل نے سفارتی سطح پر مختلف ملکوں کی طرف سے الجزائر کی حکومت پر دباؤ، ڈالاکر کچھ فائدہ نہیں ہوا، فلسطینی بدستور اپنے مطالبے پر پڑے رہے۔

بالآخر چالیس روز گزرنے کے بعد اسرائیل نے مجبوراً ان پندرہ فلسطینی فدا سائن کو جیل سے رہا کر کے الجزائر روانہ کر دیا۔ وہ لوگ جوں ہی الجزائر پہنچے تو ELAL کا بوئینگ اپنے مسافروں کو لیکر دوبارہ تل ابیب روانہ ہوا۔ یہ اس کی سروں کا طویل ترین سفر ثابت ہوا، روم سے تل ابیب چالیس دن میں پہنچا، ڈاکٹر جارج حباش کی تنظیم (PFLP) نے اس ہائی جیکنگ کی ذمہ داری قبول کی۔ محض ایک سال قبل ۱۹۶۷ء میں اسرائیل نے چھ روزہ جنگ میں عربوں کو زلت آمیز شکست سے دوچار کیا تھا لیکن اب صرف تین فلسطینی نوجوانوں نے اُسے عالمی سطح پر ذلیل کر دیا تھا۔

اس کے بعد موساد زبردست تھکد کا نشانہ بنی کہ ان کی انٹیلی جنس بے کار ثابت ہوئی ہے، کس طرح تین فلسطینی ہائی جیکر طیارے میں سوار ہو گئے وغیرہ۔

اٹھائیس دسمبر ۱۹۶۸ء کو اتھینز انٹرنیشنل ائر پورٹ پر اسرائیلی ائر لائن کا بوئینگ بیس روانگی کے لئے تیار کھڑا تھا، جہاز کے چاروں انجن پوری قوت کے ساتھ گرج رہے تھے، اچانک دو نوجوان لڑکے اپنی نشستوں سے اٹھے اور انھوں نے جہاز کے فرش پر دو گرینڈ پھینکے جس سے خوفناک دھماکہ ہوا اور ایک مسافر موقع ہی پر ہلاک ہو گیا جبکہ ایک ائر ہوسٹس طیارے سے چھلانگ لگتی ہوئی بری طرح زخمی ہو گئی، دھماکے کے فوراً بعد جہاز کے ایک انجن نے آگ پکڑی، عملے نے فوراً ایمرجنسی گیٹ کھول دیے جس سے مسافروں نے افراتفری میں نکل کر اپنی جائیں بچائیں، ائر پورٹ

کے فائر بریگیڈ نے تیزی سے آگ پر قابو پا لیا وہ نہ قریب ہی اولمپک انرویز کے بونیگ میں اس وقت ایندھن بھرا جا رہا تھا، جس سے زبردست آتشزدگی کا خطرہ پیدا ہو سکتا تھا۔

یونانی پولیس نے دونوں فلسطینی نوجوانوں کو حراست میں لے لیا محمود اور سلمان جن کی عمریں بالترتیب انیس اور پچیس سال تھیں یونیورسٹی میں طالب علم تھے۔

موساد کو ایک بار پھر شدت سے احساس دلایا گیا کہ وہ اسرائیلی اسرائرائن کی حفاظت کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ لیکن اس مرتبہ موساد نے بدلہ لینے کا ارادہ کر لیا تھا تیس دسمبر کو رات ساڑھے تین بجے اسرائیل کے دو فوجی بمیلی کا پٹر بھرہ روم پر، لبنان کے راڈا سے بچنے کے لئے، نیچی پرواز کرتے ہوئے اچانک بیروت کی فضا میں داخل ہو گئے۔

بیروت انٹرنیشنل ایئرپورٹ کے اوپر ان بمیلی کا پٹروں سے چالیس مسلح کمانڈوز نے پیراشوٹ کے ذریعے چھلانگیں لگا لیں وہ جوہی ایئرپورٹ کے رن وے پر اترے تو وہ پاس کھڑے مل ایسٹ اسرائرائن کے طیارے پر چڑھ گئے جو جدہ روانہ ہونے والا تھا انہوں نے تمام مسافروں کو جہاز سے فوراً اتر جانے کو کہا، اس کے بعد انہوں نے طیارے کے مختلف حصوں میں طاقتور ریوٹ کنٹرول بم نصب کر دیے اور خود تیزی سے نیچے اتر گئے، تھوڑی دیر بعد طیارہ ج خوفناک دھماکوں سے لرز اٹھا اور پھر مہیب شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا، پھر ان کمانڈوز نے رن وے پر کھڑے تیرہ دوسرے عرب مسافر بردار طیاروں کو بھی آگ لگا دی، ان میں کوئی مسافر ابھی سوار نہیں ہوا تھا، اس آپریشن میں ایک بھی شخص حلاک یا زخمی نہیں ہوا اور نہ ہی کسی غیر عرب اسرائرائن کو نقصان پہنچا۔

تھوڑی دیر میں آپریشن مکمل ہو چکا تھا، آپریشن کمانڈر نے ایئرپورٹ کے کیفے ٹیریا میں عربی کافی کا آرڈر دیا، اُس نے آرام سے کافی پی اور پھر اسرائیلی کرنسی میں بل کی ادائیگی کر کے اپنے بمیلی کا پٹر کی طرف روانہ ہوا جو رن وے پر اتر چکا تھا، بمیلی کا پٹر تمام اسرائیلی کمانڈوز کو لیکر تیزی سے دوبارہ فضا میں بلند ہوا اور چند ہی لمحوں میں نظروں سے اوجھل ہو گیا، یہ جملہ اس قدر اچانک اور شدید تھا کہ لبنان کی سیوری فورسز کو سمجھنے کا موقع ہی نہ ملا۔

اس آپریشن کے نتیجے میں ایک برطانوی انٹرنس کمپنی جس کے پاس تباہ ہونے والے تمام طیارے انشور تھے، سولہ ملین ڈالر کا نقصان ہوا۔

چھ ستمبر ۱۹۷۰ء

ایمسو ڈیم: اسرائیلی فضائی کمپنی (ELAL) کا بونیگ نیویارک روانگی کے لئے تیار ہو چکا تھا، جہاز میں ایک سواٹا لیس (148) مسافر سوار تھے، ایکونومی سیکشن میں ایک خوبصورت جوڑا بیٹھا ہوا تھا لڑکی نے پُخت جین پہنی ہوئی تھی، دونوں آپس میں بڑا چمک چمک کر عربی بول رہے تھے، بظاہر وہ میاں بیوی لگ رہے تھے جو شاہد بنی مؤن منانے نیویارک جا رہے تھے۔

دو پہر ٹھیک ایک بجے جہاز نے ایئرپورٹ سے ٹیک آف کیا، جہاز ابھی 32 ہزار فٹ بلندی کا ہدف چھونے کے لئے زور لگا رہا تھا کہ اچانک ایکونومی سیکشن میں بھگدڑ مچ گئی، وہی عرب جوڑا اپنی نشست سے اٹھ کر کاک پٹ کی طرف دوڑ رہا تھا، لڑکی زور زور سے عربی میں چیخ رہی تھی: یلہ یلہ یلہ! اُس کے ہاتھوں میں دو گرینڈ تھے جبکہ لڑکے کے ہاتھ میں ایک سلواری رنگ کاربو اور تھا۔

طیارے کے معاون کپتان نے جونہی انہیں کاک پٹ کی طرف دوڑتے ہوئے دیکھا تو اُس نے فوراً گیٹ بند کر دیا۔ لڑکے نے دروازے پر لالت مارتے ہوئے دھمکی دی کہ اگر دروازہ نہیں کھولا گیا تو وہ طیارے کو تباہ کر دیں گے، لڑکی نے مسافروں کی طرف منہ کر کے گرینڈ لہراتے ہوئے کہا: "سیفٹی بون نکال چکی ہوں آرام سے اپنی اپنی سیٹوں پر بیٹھے رہو ورنہ چھانٹیں ہوگا"

ایکونومی سیکشن کے ایک کونے میں دو اسرائیلی سکاٹی مارشل (سیکورٹی گارڈ) بیٹھے ہوئے تھے، اُن میں سے ایک گارڈ بجلی کی پھرتی سے اپنی سیٹ سے اٹھ کر اُس لڑکے کی طرف جھپٹا جو ابھی تک کاک پٹ کا دروازہ کھول رہا تھا۔ لیکن عین اسی لمحے اُس نے گھوم کر اسرائیلی کمانڈو پر گولی چلا دی جو اُس کی ایک ٹانگ میں پیوست ہو گئی، اور وہ وہیں لڑکھڑا کر گر پڑا، اس کے بعد ہائی جیکر نے ایک انر ہوشس کو گلے سے دبوچ کر اُس کے سر پر پستول رکھ دی اور زور زور سے چیخنے لگا "کاک پٹ کا دروازہ کھول دو ورنہ میں اسے ختم کر دوں گا" لیکن کپتان نے دروازہ نہیں کھولا۔ انہیں ٹریننگ ہی اس قسم کی دی گئی تھی کہ ایسے حالات میں ہائی جیکر کو ہرگز کاک پٹ میں گھسنے نہیں دیا جائے۔

ابھی وہ ہائی جیکر دھمکیاں دینے میں مصروف تھا کہ ایک اور اسرائیلی کمانڈو جو قریب کی ایک نشست پر سادہ لباس میں لمبوس بیٹھا ہوا تھا نے اچانک اٹھ کر اُس پر کرائے کا ایک مہلک وار کیا جس سے وہ پھلا کر فرش پر گر گیا، پھر اس نے لاتوں گھونٹوں سے اُس کا بُرا حشر کر دیا حتیٰ کہ وہ بالکل بے ہوش ہی ہو گیا، جہاز کے کپتان کو جونہی پتہ چلا کہ ایک ہائی جیکر کو بے بس کر دیا گیا ہے تو اُس نے اچانک طیارے کو فضا میں ایک زوردار غوطہ دیا جس سے تمام مسافر اپنی نشستوں سے لڑھک گئے اور ساتھ ہی لڑکی جو ہاتھوں میں گرینڈ لائے لکھڑی تھی اپنا توازن کھو کر گر پڑی، عین اسی لمحے ایک امریکی مسافر نے فوراً اُسے گلے سے دبوچ لیا۔ لڑکی نے بڑی مزاحمت کی مگر مردانہ گرفت بے حد سخت تھی۔ پھر اُس نے چیخنے ہوئے دھمکی دی "چھوڑ دو مجھے ورنہ میں جہاز تباہ کر دوں گی" ٹھیک ہے پھر ہم دونوں ساتھ ہی مریں گے" امریکی نے جواب دیا۔

اُس امریکی نے لڑکی کا گلا اس زور سے دبا یا کہ اُس کی آنکھیں پھیل گئیں اور وہ تڑپنے لگی، اس کے ہاتھوں سے گرینڈ جھوٹ کر فرش پر لڑھک گیا، خوش قسمتی سے سیفٹی بون اپنی جگہ پر لگی ہوئی تھی، جہاز خوفناک تباہی سے بچ گیا، تھوڑی دیر میں لڑکی بے ہوش ہو گئی تو امریکی نے اُسے طیارے کے عملے کے سپرد کر دیا۔

پائیلٹ نے فوراً طیارے کو بھنگی طور پر بھیڑ وائر پورٹ پر بحفاظت اتار دیا۔ برطانوی پولیس نے دونوں ہائی جیکر کو سٹرچ پر ڈالا اور ایک ایسبولنس میں انہیں فوراً ہسپتال پہنچا دیا۔

لڑکی کی شناخت ہوئی تو وہ پی ایل ایل کی عالمی شہرت یافتہ کمانڈو لیلیٰ خالد نکلی، اس سے پہلے لیلیٰ خالد نے ۱۹۶۹ء میں ایک امریکی مسافر بردار طیارے کو اغوا کر کے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔

ایمسٹرڈیم میں لیلیٰ خالد اور اُس کا ساتھی بغیر کسی روک ٹھوک کے طیارے میں سوار ہوئے تھے، اُن پر ذرۂ بھر بھی شک کا اظہار نہیں کیا گیا تھا، البتہ ای ایل اے ایل کے سٹاف نے سیزگال کے دروہ جو ان لڑکوں کو شک کی بنیاد پر جہاز میں سوار ہونے سے روک لیا تھا، وہ دونوں اب پین ایم (Pan-Am) کی پرواز میں بیٹھ چکے تھے جو چند ہی لمحوں میں نیویارک روانہ ہونے والا تھا۔

ای ایل اے ایل (ELAL) کے کپتان کو جو نبی پتہ چلا کہ وہ دونوں مشکوک افراد اب پین ایم کے جمبو جیٹ میں سوار ہو چکے ہیں تو انہوں نے فوراً رپورٹ سیوری فرس کو خبردار کر دیا۔ ادھر طیارہ کنٹرول ٹاور سے کلیمیرنس کا انتظار کر رہا تھا کہ اچانک گراؤنڈ کنٹرول سے ایک افسر نے کپتان کو اطلاع دیتے ہوئے کہا۔

"ہیلو! کلیمیر 093۔ ای ایل اے ایل نے دو سیارہ فام نو جوان لڑکوں کو شک کی بنیاد پر اپنے طیارے میں سفر کرنے سے روک دیا تھا وہ اب تمہارے طیارے میں بیٹھ چکے ہیں۔ ان کی فوراً تلاشی لو" اس کے ساتھ ہی کپتان کو ان لڑکوں کے نام اور علیہ واضح کر دیا گیا۔ کپتان بے حد پریشان تھا کیونکہ رپورٹ پر ایک پارکس کی تلاشی لینے کے بعد فام نو تادو بارہ اُسے زحمت نہیں دی جاسکتی تھی۔

وہ دونوں افریقی جہاز کے فرسٹ کلاس سیکشن میں ہسٹری مذاق میں مصروف تھے کہ کپتان اُن کے قریب آیا "میں انتہائی معذرت چاہتا ہوں، گراؤنڈ کنٹرول نے مجھے آپ لوگوں کی دوبارہ تلاشی لینے کا حکم دیا ہے۔ دونوں لڑکوں نے اپنے چہروں پر "حیرت" کے تاثرات لاتے ہوئے کہا۔

"اگرچہ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آ رہی لیکن پھر بھی آپ شوق سے ہماری دوبارہ تلاشی لے لیں جہاز کے دو سیوری گارڈز نے ان لڑکوں کی اچھی طرح تلاشی لی۔ ان کے سوٹ کیسوں کو بھی اچھی طرح چیک کیا گیا۔ لیکن کوئی مشکوک شے برآمد نہیں ہوئی۔

تھوڑی دیر بعد جب پرواز ہموار ہوئی تو عملے نے مسافروں میں چائے اور سینڈویچ تقسیم کرنے شروع کیے، اسی دوران وہ دونوں افریقی لڑکے اچانک اپنی نشستوں سے اٹھ کھڑے ہوئے، انہوں نے اپنے پتلون کی زپ کھولیں، اُن کے پوشیدہ اعضاء کیساتھ بندھے ہوئے قہیلوں میں گری نیڈ اور ایک ایک آٹومیٹک ریو اور رکھے ہوئے تھے، انہوں نے گری نیڈ اور ریو اور ہاتھ میں لیکر کاک پٹ کی طرف بھاگنا شروع کیا، ایک لڑکے نے پاس کھڑی اتر ہوٹس کو گلے سے دو بوج لیا اور چیخ کر کہنے لگا "کپتان سے کہو کہ کاک پٹ کا دروازہ فوراً کھول دے ورنہ میں تمہیں شوٹ کر دوں گا" اتر ہوٹس نے کپتان سے کانپتی ہوئی آواز میں التجا کی تو کپتان نے مجبوراً دروازہ کھول دیا۔ اُن میں سے ایک ہائی جیکر کاک پٹ میں گھس گیا جبکہ دوسرے نے مسافروں اور جہاز کے عمل کو قبا میں کر لیا۔

کاک پٹ میں جاتے ہی اُس شخص نے کپتان کو غرا کر کہا "یہ جہاز اس وقت ہمارے قبضے میں ہے" کپتان نے اپنے ہوش و حواس پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا "مجھے اندازہ ہو چکا ہے۔"

اور اس کے ساتھ اُس نے اپنے سامنے ڈیش بورڈ پر ایک مخصوص بٹن دبا دیا جس سے لندن کے ائر کنٹرول کو خود بخود ریڈیائی پیغام نشر ہو گیا، کہ پرواز نمبر 093 ہائی جیک ہو چکی ہے۔

ادھر حمیر و گراؤنڈ کنٹرول کے کمپیوٹر نے ان کا پیغام پڑھ لیا تھا، تھوڑی دیر بعد طیارے کے کپتان کو وہاں سے ہدایات موصول ہوئیں: "ہیلو! 093! ہیلو! 093! تمہارا پیغام موصول ہو چکا ہے، فضائی تصادم سے بچنے کے لئے اپنا طیارہ مذید دس ہزار فٹ کی بلندی پر لے جاؤ۔

کپتان نے فوراً لیورڈا پر ایک جھٹکے کیساتھ جہاز کو مقررہ بلندی کی طرف اٹھایا ایک ہائی جیکر نے چیخ کر کہا "یہ کیا کر رہے ہو؟" کپتان نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا "فکر نہیں کرو وہیں جا رہا ہوں جہاں تم چاہتے ہو" تو پھر اپنا رخ اڑدن کی طرف موڑ دو "ہائی جیکر نے حکم دیا۔

ابھی پوری دنیا کے ذرائع ابلاغ پر یہ خبر گرم تھی کہ اسرائیلی الزکمانڈ نے ای ایل اے ایل کے طیارے کے اغوا کو ناکام بنا کر ہائی جیکروں کو پولیس کے حوالے کر دیا ہے کہ اوپر سے خبر آئی کہ فلسطینی کمانڈو نے عین ایم کے جمبو جیٹ کو اغوا کر لیا ہے۔ دنیا کو مزید حیرت میں ڈالنے کے لئے پھر خبر آئی کہ فلسطینی فدائین نے دو اور طیاروں کو بھی اغوا کر لیا ہے جو اب اردن کی طرف بڑھ رہے ہیں ان میں سے ایک طیارہ ٹرانس ورلڈ ائیر لائن (TWA) کا بوئنگ تھا جو 145 مسافروں کو لیکر فکرفلٹ سے نیویارک جا رہا تھا جبکہ دوسرا جہاز سوئس الزکا ڈی سی 8 تھا۔ جو یورپ سے ایک سو تریالیس مسافروں کو لیکر نیویارک جا رہا تھا یوں فلسطینی فدائین نے ایک دن میں بیک وقت تین طیارے بین الاقوامی فضائی راستوں سے اغوا کر کے اُن کے رخ اردن کی طرف موڑ دیے۔

عمان سے چند میل باہر صحرائیں ڈاسن ائرفیلڈ (Dawson Air-Field) نامی ایک ہوائی اڈہ تھا جو برطانوی دور حکومت کے دوران رائل ائرفورس کے زیر استعمال رہا تھا لیکن اب اردن نے اسے ترک کر دیا تھا، لہذا ارات کے وقت یہاں طیارہ اتارنے کے لئے روشنی کا انتظام نہیں تھا۔ فلسطینی کمانڈو نے اسے انقلابی ہوائی پلٹ (Revolution Air field) کا نام دے دیا تھا۔ وہ تینوں اغوا شدہ ہوائی جہاز اسی پٹی پر لینڈنگ کرنے والے تھے وہاں مسلح فلسطینی کمانڈو کا ایک دستہ بے چینی سے ان طیاروں کا انتظار کر رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد عین ایم کا جمبو جیٹ جو بنی اردن کی فضا میں داخل ہوا تو اس کا کپتان بے حد پریشان ہو گیا کیونکہ اُس کے پاس ڈاسن ائرفیلڈ کے متعلق کوئی چارٹ نہیں تھا، اور اس کے علاوہ اس قسم کے بھاری طیاروں کے لئے یہ رن وے بھی ناکافی تھا، کپتان نے بڑی مشکل سے ہائی جیکروں کو قائل کیا کہ وہ جہاز یہاں نہیں اتار سکتا۔ "ٹھیک ہے پھر بیروت چلو" ایک نے حکم دیا۔

بیروت کی فضائی حدود میں داخل ہوتے ہی پائلٹ نے گراؤ کنٹرول کو وائرلیس پر پیغام دیا کہ اُسے ہنگامی لینڈنگ کی سہولت فراہم کی جائے ورنہ ہائی جیکر طیارے کو تباہ کرنے والے ہیں۔ لیکن نیچے بیروت ائیرپورٹ کی انتظامیہ نے صاف انکار کر دیا اور اس کے ساتھ اُنہوں نے رن وے پر کاروائی کھڑی کر دیں تاکہ طیارے اتر ہی نہ سکے، طیارہ مجبوراً قریباً ایک گھنٹہ تک فضا میں چکر لگاتا رہا۔ آخر پائلٹ نے دوبارہ التجا کی کہ اُسے فوراً اترنے کی اجازت دی جائے کیونکہ جہاز میں صرف چند رہنمٹ کے لئے ایندھن باقی رہ گیا تھا۔ انتظامیہ نے مجبوراً کاروائی ہٹا کر طیارے کو اترنے کی اجازت دے دی۔

جہاز جو بنی ائیرپورٹ کے ایک کونے میں کھڑا ہوا تو تازہ دم فلسطینی کمانڈو جو آٹھ ایک تھیلیوں سے مسلح تھے، نے جہاز کا کنٹرول سنبھال لیا۔ اُنہوں نے لبنانی سکیورٹی فورس کو دھمکی دی کہ اگر جہاز کو چھڑانے کی کوشش کی گئی تو وہ اسے تباہ کر دیں گے۔ جہاز قریباً ایک گھنٹہ کھڑا رہا، اس دوران اُس میں وافر مقدار میں ایندھن بھردیا گیا، فلسطینی کمانڈو نے طیارے کے مختلف حصوں میں طاقتور بم اور ڈائنامائٹ کے فیوز لگا دیے۔ مسافر حیران اور پریشان یہ سب تماشا دیکھتے رہے۔ آخر جہاز کو دوبارہ پرواز کی اجازت ملی تو ہائی جیکر نے پائلٹ سے کہا کہ قاہرہ چلو، دراصل فلسطینی ہائی کمان نے انہیں کہہ دیا تھا کہ قاہرہ میں مسافروں کو اتار کر جہاز تباہ کر دینا۔

آخر وہ گھنٹے بعد طیارہ قاہرہ کی فضاؤں میں داخل ہوا۔ پائلٹ نے لینڈنگ گیزر دبا کر بلندی کم کرنا شروع کی تو ایک ہائی جیکر نے ایک

انٹرویو سٹوٹس کو بلا کر کہا "لینڈ بینک کے بعد مسافروں کو اتارنے کے لئے تمہارے پاس صرف آٹھ منٹ ہونگے، اس کے بعد ہم طیارے کو تباہ کر دیں گے۔"

پکستان نے فوراً مائیکروفون پر مسافروں کو جہاز سے ہنگامی دروازوں سے نکلنے کا طریقہ سمجھایا، مسافروں میں خوف و ہراس اب اپنی انتہا پر پہنچ چکا تھا۔ عورتیں اور بچے تو زور زور سے چلانے لگے۔

جہاز ابھی تین سو فٹ کی بلندی پر تھا کہ ایک ہائی جیکر نے انٹرویو سٹوٹس سے ماچس کا مطالبہ کیا۔ انٹرویو سٹوٹس نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا "NO SMOKING" سائن آن ہو چکا ہے "ہائی جیکر نے غزاتے ہوئے کہا" اس کی تم پر واہ نہیں کرو، فوراً ماچس دو" انٹرویو سٹوٹس نے مجبوراً اسے ماچس تمھاری۔ اُس نے فوراً ایک تیلی سلگائی اور ڈائنامائٹ کی ایک تار کو آگ لگا دی، کئی فٹ لمبی تاری تیزی سے چرچا کر جلنے لگی۔ موت کو اس قدر قریب دیکھ کر مسافر اور بھی بڑی طرح چلانے لگے۔ تھوڑی دیر بعد طیارہ رن وے پر بحفاظت اتر گیا، پامیلٹ نے وقت بچانے کے لئے ایمر جنسی بریک لگا کر طیارے کو روک لیا جس سے ایک زبردست جھٹکا لگا اور مسافر ایک دوسرے پر گر پڑے اور اس کے ساتھ اُن کا سامان بھی ادھر ادھر لڑھک گیا، عملے نے ہنگامی گیٹ فوراً کھول دیے۔ مسافر افراتفری کے عالم میں ایک دوسرے کو دھکے دیتے ہوئے جہاز سے کودنے لگے، نوے سینکڑوں کے اندر اندر تمام مسافر طیارے سے بحفاظت اتر کر ایئرپورٹ لاؤنچ میں پناہ لے چکے تھے، کاک پٹ میں پکستان کو ابھی تک ایک ہائی جیکر نے زبردستی روک رکھا تھا! وہ مسلسل اپنی کلائی گھڑی کو دیکھ رہا تھا، آخر چند لمحوں بعد اُس نے پکستان سے کہا "فوراً اچھا لگ لگاؤ وقت ختم ہو چکا ہے" پکستان اور ہائی جیکروں نے ایک ساتھ طیارے سے چھلانگ لگائی۔

اُن کے پاؤں ابھی زمین پر لگے بھی نہیں تھے کہ کاک پٹ میں پہلا خوفناک دھماکہ ہوا۔ پکستان نے بعد میں ایک انٹرویو میں کہا "میں نے اس دھماکے سے پیدا ہونے والا ہوائی دباؤ اپنی گردن پر محسوس کیا تھا"

وہ زمین پر گرتے ہی ایئرپورٹ بلڈنگ کی طرف بھاگے۔ ان کے پیچھے طیارے میں پڑے کئی مہیب دھماکے ہوئے، طیارہ کا ملبہ ایئرپورٹ میں دور دور تک بکھر گیا۔ مصری پولیس نے ہائی جیکروں کو فرار ہوتے گرفتار کر لیا۔ جبکہ مسافروں کو ایک دوسرے طیارے کے ذریعے نیویارک روانہ کر دیا گیا۔

ادھر ٹرانس ورلڈ ایئر لائن کا بوینگ جسے فریکلٹ میں ہائی جیک کیا گیا تھا، اُردنی فضائی حدود میں داخل ہو چکا تھا، اس کے پکستان کو بھی ڈائن ارفیلڈ کا بالکل علم نہیں تھا۔

ہاتھ میں گرینڈ لئے ہوئے ایک فلسطینی لڑکی نے ایک چارٹ کی مدد سے اُسے اتر فیملڈ کی سمت اور جائے وقوع سمجھائی، آخر کچھ دیر بعد پکستان کو مطلوبہ جگہ نظر آ گئی۔ اُس نے لینڈ بینک گھیر لگا کر طیارے کی بلندی کم کرنا شروع کی۔

طیارہ رن وے پر جوئی اُترتا تو پکستان نے ایمر جنسی بریک لگا کر ایک زوردار جھٹکے کیساتھ طیارے کو روک لیا۔ رن وے پر فلسطینی کمانڈر کی ایک بھاری نفری تیار کھڑی تھی۔ اُن کے پاس جدید ترین خود کار ہتھیار تھے۔ انہوں نے فوراً طیارے کو گھیرے میں لے لیا۔ ایکویٹی

سیکشن میں ایک بوڑھے بھارتی نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے ایک مسافر سے پوچھا "نیویارک آگیا ہے؟" طیارے کے انجن جو نبی آف ہوئے تو مسلح کمانڈر داخل ہو گئے، اُن مین نو جوان لڑکیاں بھی تھیں جنہوں نے عسکری وردیاں پہن رکھی تھیں اور اُن کے ہاتھوں میں سب مشین گن تھیں۔ اُنہوں نے تمام مسافروں میں کچھ فارم پُر کرنے کے لئے تقسیم کئے اور ساتھ ہی اُن کے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لے لئے، یوں لگ رہا تھا جیسے جہاز انہیں ہوا بلکہ کسی انٹرنیشنل ایئر پورٹ پر معمول کے مطابق اتر رہا ہے۔

ابھی مسافر سر جھکائے فارم پُر کر رہے تھے کہ فضا میں ایک اور طیارے کی آمد کا شور سنائی دیا۔ وہ زیورخ سے انہوا ہونے والا سوئس ایئر لائنز کا سی۔سی۔۸ بونینگ تھا۔ اس کے پائلٹ کو بھی ایئر فیلڈ کا علم نہیں تھا مگر اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہائی جنیکر نے بڑے پیشہ ورانہ انداز میں اُسے صحیح سمت سمجھائی۔

فلسطینی کمانڈوز نے روشنی کے متبادل انتظام کے طور پر کاریں اور جیپیں ایئر فیلڈ کے کناروں پر کھڑی کر کے اُن کی ہیڈ لائٹس آن کر دی تھیں۔ اُردن کی فضائی حدود میں جب یہ طیارہ داخل ہوا تھا تو تین اسی لمحے اسرائیلی راڈار نے اُسے محسوس کر لیا تھا۔ اسرائیلی ایئر کنٹرول نے اُس کے ساتھ ریڈیو رابطہ قائم کر کے مشورہ بھی دیا تھا کہ وہ طیارے کو اسرائیل کے ایک ایئر بیس میں اتار دے۔ لیکن ہائی جنیکر اس فضائی راستے کو اچھی طرح جانتے تھے، انہیں دھوکہ دینا آسان کام نہیں تھا۔

بالآخر یہ جہاز بھی اس صحرائی ہوائی پٹی پر اتر گیا۔ ایئر فیلڈ کے چاروں طرف لقمہ حق محرا تھا۔ اب فلسطینی کمانڈوز کے پاس عملے کے بائیس ارکان سمیت دو سو چھیالیس مسافر پر غمال تھے۔

سوئس ایئر کے جیٹ میں ٹپلتے ہوئے ایک کمانڈو نے انگریزی میں مسافروں سے کہا "آپ لوگوں کو بلاوجہ زحمت دینے پر ہمیں بہت افسوس ہے۔ لیکن دنیا کو فلسطینی مسئلے کی طرف متوجہ کرنے کے لئے ہمارے پاس دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا"

رات دھیرے دھیرے دوسرے پہرے میں داخل ہو رہی تھی۔ عملے نے نارچوں کی مدد سے بچا کچھا ٹھنڈا کھانا مسافروں میں تقسیم کیا۔ اس کے بعد مکمل خاموشی چھا گئی۔ تمام مسافروں بھری تھکاوٹ کی وجہ سے گہری نیند کی آغوش میں چلے گئے، رات کافی ٹھنڈی تھی۔

دوسرے روز صبح سورج طلوع ہوا تو درجہ حرارت آہستہ آہستہ بڑھنے لگا اور دو پہر تک ۱۰۰ درجہ فارن ہائیٹ تک پہنچ گیا۔ دونوں طیارے دھکتے ہوئی بجلی کی مانند ہو گئے۔ بہت سارے مسافر شدید گرمی کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے، فلسطینی کمانڈوز جنہوں نے جہاز کے ارد گرد خیمے گاڑ رکھے تھے آرام سے تماشہ دیکھ رہے تھے، اُن سے کچھ فاصلے پر اُردنی فوج کا ایک مسلح دستہ بکتر بند گاڑیوں اور توپوں سمیت پوزیشن سمیٹا چکا تھا۔ مگر فلسطینی کمانڈوز نے انہیں صاف کہہ دیا تھا کہ اگر انہوں نے مداخلت کی تو وہ مسافروں سمیت طیاروں کو تباہ کر دیں گے۔ فلسطینیوں نے مسافروں کو صبح کا ناشہ فراہم کیا مگر اکثر مسافروں نے کھانے سے انکار کر دیا کیونکہ جہاز میں ٹائلیٹ ناکارہ ہو چکے تھے اور اس کی بدبو ہر طرف پھیل چکی تھی۔

تھوڑی دیر بعد فلسطینی کمانڈوز نے جہاز کے یہودی مسافروں کو ایک کونے میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ اُردنی حکومت کے شدید اصرار پر انہوں نے ایک سو ستائیس بچوں اور عورتوں کو بار بار دیا۔ جنہیں ایک بس میں بٹھا کر عمان روانہ کر دیا گیا۔

فلسطینی ہائی کمان نے اپنے مطالبات کی فہرست جاری کر دی تھی۔ وہ غیر یہودی مسافروں کے بدلے اُن چھ فلسطینی کمانڈوز کی رہائی چاہتے تھے۔ جوں لندن، مغربی جرمنی اور سوئٹزرلینڈ کی جیلوں میں بند تھے جبکہ یہودی مسافروں کی آزادی اسرائیل میں قید تمام فلسطینی حریت پسندوں کی رہائی سے مشروط کر دی۔

لیکن اسرائیلی حکومت نے سختی سے ان مطالبات کو رد کر دیا اور جوابی کارروائی کے طور پر مغربی کنارے سے چار سو پچاس فلسطینیوں کو حراست میں لے لیا۔ ان میں زیادہ تر وکیل، ڈاکٹر انجینئرز اور عورتیں شامل تھیں۔

ادھر لندن کی ایک جیل میں لیلی خالد کسی سوچ میں بیٹھی ہوئی تھی کہ ایک سیکیورٹی گارڈ نے اُس کے ساتھ مذاق کرتے ہوئے کہا۔ "آپ گھر کیوں نہیں چلی جاتی، آپ جائیں گی۔ ہم آپ کو انٹرپورٹ ڈراپ کر دیں گے۔ آپ کو تو کٹ لینے کی بھی ضرورت نہیں، کسی بھی فلائٹ کو ہائی جیک کر کے آرام سے چلی جائیں۔"

اس پر لیلی نے مسکراتے ہوئے کہا "آپ کا بہت بہت شکریہ۔ مجھے کیوں اسرائیلی کمانڈوز کے ہاتھوں مروانا چاہتے ہو۔ ویسے فکر نہیں کرو مجھے اپنے ساتھیوں پر مکمل بھروسہ ہے وہ مجھے چھڑالیں گے"

اس دوران فلسطینی فدائین نے BOAC کے ایک جیو جیٹ کو بمبئی سے اغوا کر لیا، یہ جہاز براستہ دہلی اور بحرین لندن جا رہا تھا۔ اسے بھی اردن میں اسی انٹر فیلڈ پر اتار لیا گیا۔

اب فلسطینی حریت پسندوں کے قبضے میں تین مسافر بردار طیارے اور کافی مقدار میں یرغمالی تھے۔ چھ دن مسلسل یہ ڈرامہ چلتا رہا۔ آخر کار برطانوی حکومت نے لیلی خالد اور اُس کے ساتھیوں کو رہا کرنے کا اعلان کیا۔ اس کے جواب میں فلسطینیوں نے BOAC کے تمام مسافروں کو رہا کر کے ایک بس میں بیٹھا دیا۔ اس کے فوراً بعد ٹرانس ورلڈ انٹر لائن، سوئس انٹر اوبی، او، اے، سی (BOAC) کے طیارے خوفناک دھماکوں سے ریزہ ریزہ ہو گئے۔

مسافر ایک بار پھر یرغمال بنائے گئے، پی ایل او نے اعلان کیا کہ جب تک اُن کے ساتھی رہا ہو کر ان سے آئیں گے یہ لوگ اُن کے پاس رہیں گے، مسافروں کو اردن کے فلسطینی کیمپوں میں بند کر دیا گیا۔

آخر اردن کی شاہی فوج جواب تک مبر و قتل کا مظاہرہ کر رہی تھی، نے فلسطینی کیمپوں پر حملہ کر دیا۔ مسلسل کئی روز تک فلسطینی جنگجوؤں اور اردنی فوج کے درمیان گھمسان کی جنگ جاری رہی۔ ہزاروں فلسطینی ہلاک اور زخمی ہو گئے۔

اردنی فوج نے زبردست جدوجہد کے بعد کافی تعداد میں یرغمالیوں کو چھڑا لیا مگر پھر بھی ۳۸ امریکی شہری پی ایل او کی قید میں رہ گئے، برطانیہ نے حسب وعدہ لیلی خالد کو ساتھیوں سمیت رہا کر کے اردن بھیج دیا تو تب جا کے ان ۳۸ مسافروں کو بھی رہائی دی گئی۔

۱۹۶۹ء کے موسم بہار میں بون (مغربی جرمنی) میں اسرائیلی فضائی کمپنی (ELAL) کے دفتر میں صبح سویرے ایک بیس سالہ نوجوان آیا۔ اُس نے دوسرے روز صبح ایب جانے والی پرواز کے لئے ایک ٹکٹ طلب کیا۔ اُس نے کاؤنٹر پر اپنا اطالوی پاسپورٹ پیش کیا۔ وہ لڑکا بڑی روانی

کیساتھ اطالوی میں گفتگو کر رہا تھا، لیکن فضائی کمپنی کے کاؤنٹر کلرک کو وہ اچانک مشکوک سا دیکھائی دیا۔ اُس نے فوراً اپنے دفتر کی ایک اطالوی لڑکی کو کہا کہ وہ لڑکے کیساتھ بات چیت کر کے اندازہ لگائے کہ وہ واقعی اطالوی ہے۔ لڑکی نے تھوڑی دیر اُس کے ساتھ باتیں کر کے اپنے اسرائیلی آفیسر کو بتایا کہ لڑکا اطالوی تو روانی سے بولتا ہے مگر لب و لہجہ سے وہ عربی لگ رہا ہے۔ انہوں نے فوراً لڑکے کو ایک فارم پُر کرنے کو کہا۔ فارم میں اس نے اپنا ایڈریس روم کے ایک فائیو سٹار ہوٹل کا درج کیا۔ انہوں نے اُسے دفتر کے لاؤنج میں تھوڑی دیر انتظار کرنے کو کہا۔ وہ لڑکا شکل و صورت سے بے حد معصوم سا لگ رہا تھا۔

موساد کے دوائیٹ چپکے سے مذکورہ ہوٹل پہنچے وہ اس لڑکے کے کمرے میں داخل ہوئے۔ تلاشی کے دوران انہیں پلاسٹک کے تین تھیلے ملے جن میں انتہائی طاقتور دھماکہ خیز مادہ رکھا ہوا تھا۔ اُس کمرے میں اُس کے ساتھ دو اور ساتھی بھی ٹھہرے ہوئے تھے جو اس وقت نیچے ریسٹوران میں ناشتہ کر رہے تھے۔ ایک اسرائیلی کمانڈو نائل طریقے سے ریسٹوران میں داخل ہوا، وہ دو لڑکے کے ایک کونے میں کھانے پینے میں مصروف تھے۔ اُن کیساتھ ایک خوب روڑکی بھی چپک چپک کر فنی مذاق میں لگی ہوئی تھی۔ کچھ دیر بعد اس اسرائیلی ایجنٹ کے چار اور ساتھی بھی عام لباس پہنے ہوئے وارد ہوئے۔ وہ سب ایک ہی میز پر بیٹھ کر "ناشتے" میں مصروف ہو گئے۔ لیکن اُن کے نظریں ان لڑکوں پر لگی ہوئی تھیں جو عربی میں گفتگو کر رہے تھے۔

چند لمحوں بعد پہلے والا اسرائیلی شخص اُنھ کر ان لڑکوں کے قریب گیا۔ اُس نے عربی میں معذرت کے ساتھ کہا کہ وہ ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہے۔ اور اس کے ساتھ اُس نے کڑی کھینچی اور بیٹھ گیا۔ اُس نے اپنی کوٹ کی جیب سے ایک آٹومیٹک پستول نکال کر لڑکوں کو دیکھاتے ہوئے کہا "میں اسرائیلی فوج میں کرنل ہوں تم لوگوں سے تمہارے کمرے میں کچھ پوچھ گچھ کرونگا اگر اس دوران تم نے کوئی ایسی ویسی حرکت کی تو میں تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں گا" دونوں لڑکوں اور لڑکی کے رنگ فق ہو گئے، انہوں نے ناشتے سے ہاتھ کھینچ لئے تھے۔ آخر اس اجنبی نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ پہلے آرام سے اپنا ناشتہ ختم کریں۔

کمرے میں تین اور اسرائیلی افسروں کی موجودگی میں اُس شخص نے ان لڑکوں سے تفصیلی پوچھ گچھ کی، کہ وہ کس مقصد کے لئے روم آئے تھے۔ پہلے تو وہ مسلسل یہی کہہ رہے تھے کہ وہ یونہی گھومنے پھرنے آئے تھے۔ لیکن شاید کم عمری اور نا تجربہ کاری کی وجہ سے وہ زیادہ دیر جھوٹ نہیں بول سکے۔ اُن تینوں نے یک زبان ہو کر صاف بتا دیا کہ وہ بیروت کے ایک سینیڈری سکول کے طالب علم ہیں، انہیں پناہ ملنے کے لئے دھماکہ خیز مادہ دیکر روم اس لئے بھیجا تھا کہ وہ قتل ایب جانے والے اسرائیلی ائیر لائن کو ہائی جیک کریں۔

ای ایل اے ایل (ELAL) کے دفتر میں بیٹھے ہوئے فلسطینی نوجوان کو بھی زیر حراست ایک کار میں بیٹھا کر مذکورہ ہوٹل میں لا کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھا گیا۔

موساد کی ہائی کمان نے فوراً ان نو خیز لڑکوں کو معاف کرنے کا فیصلہ کیا۔ قتل ایب سے ان اسرائیلی اہل کاروں کو خفیہ احکامات ملے کہ انہیں چھوڑ دیا جائے، لیکن اس سے پہلے موساد نے اپنی سیکرٹ فائل کے لئے اُن کی متعدد تصاویر اتاریں اور ان کے فنگر پرنٹس محفوظ کر کے اُن کے ممکنہ ٹیرارسٹ (Terrorist) کی ریکورڈ میں ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔

اس کے بعد اسرائیلی افسر نے انہیں سخت تنبیہ کرتے ہوئے کہا "میں اس مرتبہ تم لوگوں کو اس لئے معاف کر رہا ہوں کہ تم بچے ہو اور ورنہ غلائے گئے ہو لیکن آئندہ اگر ایسی حرکت کی تو فوراً اسٹر کر دوں گا۔"

دوسری صبح انہیں بیروت جانے والی ایک فلائٹ میں بیٹھا کر رخصت کر دیا گیا۔ اسی ایل اے ایل نے انہیں نکلتے کے پیسے بھی ری فٹ کر دیے تھے۔ اس واقعے کے دو مہینے بعد بیروت میں ان لڑکوں کے والدین کو موساد کی طرف سے خطوط موصول ہوئے جن میں واضح دھمکی تھی کہ اگر وہ اپنے بچوں کو بی ایل او کی خفیہ سرگرمیوں سے دور نہیں رکھیں گے تو انہیں قتل کر دیا جائیگا۔

آپریشن تھنڈر بولٹ (Operation Thunder Bolt)

۱۹۷۶ء۔ امتحان کے بین الاقوامی ائرپورٹ سے ٹیک آف کے چند ہی منٹوں بعد طیارے کے ایئرکراؤ می سیکشن میں اچانک شور بلند ہوا۔ عورتیں اور بچے رو رہے تھے جبکہ آٹھ کے قریب نوجوان جن میں ایک خوبرو لڑکی جس نے پخت جین اور بلاؤز پہنی ہوئی تھی، ہاتھوں میں گریڈ اور آئوٹیک پستول لئے طیارے کے عملے کو پریشان بنا چکے تھے۔ ایک دُبلے پتلے ہائی جیکر نے کاک پٹ کے مائیکروفون پر ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں اعلان کرتے ہوئے کہا:

"We are Palestinian revolutionaries and this air craft is now our property. We are going to take you where we please"

اس کے بعد لڑکی نے اپنا پستول اہراتے ہوئے تمام مسافروں کو ہاتھ اوپر اٹھانے کو کہا۔
یہ اتر فرانس کا جبوجیٹ تھا جو ۲۵۸ مسافروں کو قتل، ایبپ سے براستہ ایتھنز پیرس لیجا رہا تھا۔ ان میں ۱۰۳ مسافر اسرائیلی یہودی تھے جو
چشیاں منانے پیرس جا رہے تھے۔ گروپ لیڈر نے پامیل کو بوگنڈا کے دارحکومت کپالا جانے کا حکم دیا مگر پامیلٹ نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ
طیارے میں ایندھن ناکافی ہے۔ اس پر اس شخص نے کہا کہ ٹھیک ہے پھر تم بن غازی (لیبیا) چلو وہاں سے ایندھن لے لیتا۔ بن غازی ائرپورٹ
پر لیبیائی حکومت نے ہائی جیکروں کا والہانہ استقبال کیا۔ صدر قذافی نے اُن کے اس جرأت مندانہ اقدام کو بہت سراہا۔ طیارے میں جو بھی وافر
مقدار میں ایندھن بھرا گیا تو اس نے دوبارہ اپنا سفر شروع کیا۔

طلوع سحر کے قریب جہاز کوٹریا جھیل کے اوپر نیچی پرواز کرتا ہوا کمپالا کے Entebbe انٹرنیشنل ایئر پورٹ پر اتر گیا۔ مسافروں اور عملے کے افراد کو ایئر پورٹ کی ایک گندی سی عمارت میں قید کر دیا گیا۔ بوئنگڈا کے مسلح سٹائڈوز نے اُن پر سپرہولگا دیا۔ جبکہ فلسطینی ہائی جیکروں نے طیارے کے اندر اور باہر طاقتور بم نصب کر دیے، اس کے بعد ہائی جیکروں کو ایک سرکاری گاڑی میں بیٹھا کر ایک فیشن اسٹیل ہوٹل بچایا گیا جہاں انہیں نہانے دھونے اور آرام کی سہولت دی گئی۔

یوگنڈا کا صدر عیدی امین تمنغوں اور میڈلز سے کچی ہوئی فوجی وردی میں ملبوس اپنے ایک بیٹے کے ہمراہ فوراً ایئر پورٹ پہنچا، وہ سیدھا یرغالیوں کے پاس اُس عمارت میں گیا۔ عیدی امین بے حد خوشگوار موڈ میں نظر آ رہا تھا۔ اُس نے آتے ہی مسکراتے ہوئے کہا:

"We want your stay to be as nice as possible"

پھر وہ ریغالیوں کے درمیان ٹہکتا ہوا کہنے لگا۔ "آپ لوگوں میں سے شاید کچھ مجھے نہیں جانتے ہونگے، میں فیلڈ مارشل عیدی امین ہوں۔ میں نے آپ لوگوں کا بے چینی سے انتظار کیا تھا۔ فلسطینیوں کے مطالبات نہایت مناسب ہیں، اپنی حکومت سے کہو اسے مان لے، اسی میں آپ کی عافیت ہوگی۔"

اُسی روز فلسطینی ہائی جیکروں نے یوگنڈا ریڈیو سے اپنے مطالبات نشر کرتے ہوئے کہا کہ دو دن کے اندر اندر اُن کے ۵۳ ساتھیوں کو رہا کر دیا جائے جو اسرائیل، فرانس، مغربی جرمنی اور سوئٹزرلینڈ کی جیلوں میں مختلف مقدمات کے تحت قید تھے۔ ایک یوگنڈا جہاز کے ذریعے صومالیہ سے تین مزید فلسطینی کمانڈوز کو Entebbe پہنچایا گیا تاکہ وہ اپنے ساتھیوں کی مدد کر سکیں۔

یوگنڈا کی فوج نے فلسطینی کمانڈوز کو جدید آٹو میٹک ہتھیار اور وافر مقدار میں ایرونیٹیشن فراہم کیا۔ یوگنڈا میں متعین فرانسیسی سفیر کو ہائی جیکروں کیساتھ براہ راست گفت و شنید کی اجازت نہیں دی گئی۔

کر دیا گیا۔

پیرس پہنچنے والے رہا شدہ مسافروں کو موساد کی ایک ٹیم نے تفصیل سے انٹرویو کیا۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ انٹرپورٹ میں یوگنڈا کے ستر (۷۰) کے قریب مسلح کانڈو پہرہ دے رہے تھے۔

بظاہر اسرائیل اُن کے ساتھ بات چیت کے لئے کوششیں کر رہا تھا لیکن درپردہ موساد یوگالیوں کو چھڑانے کے لئے ایک زبردست آپریشن کی تیاری کر رہا تھا۔

اس خطرناک آپریشن کی کامیابی کا انحصار موساد کی اُس علاقے میں انتہائی مؤثر جاسوسی اطلاعات پر تھا۔ یہ موساد کی خوش قسمتی تھی کہ شمالی افریقہ اور بالخصوص کینیا، جہاں یوگنڈا کیساتھ وسیع باڈر ہے، میں اس کا عرصہ دراز سے جاسوسی نیٹ ورک (Network) کام کر رہا تھا۔

موساد کے صدر کینیڈا Jomo Kenyatta کیساتھ خفیہ روابط تھے، اس آپریشن میں کینیا کے صدر نے درپردہ مکمل تعاون کی یقین دہانی کی تھی۔ آپریشن سے پہلے جاسوسی کے لیے موساد کے چار اہل کار کینیا کے چند خفیہ پولیس افسروں کے ہمراہ رات کی تاریکی میں ایک تیز رفتار موٹر لانچ میں بیٹھ کر جمیل وکٹوریہ کو عبور کر کے یوگنڈا کی سرحد میں داخل ہوئے، انہوں نے این ٹیپے انٹرپورٹ کے محل وقوع اور دفاعی نظام کا تفصیلی جائزہ لیکر اپنے ہیڈ کوارٹر کو اطلاع دی۔

پھر موساد کے دو اور افراد نے کینیا کے ولسن انٹرپورٹ سے ایک بسنا طیارہ کرائے پر حاصل کر کے یوگنڈا کی فضائی حدود پر خفیہ پرواز کی۔ انہوں نے انتہائی بلندی سے مذکورہ انٹرپورٹ کی تصاویر اتاریں، اُس وقت انٹرپورٹ کے رن وے پر متعدد بگ لڑاکا طیارہ کھڑے تھے۔

اس کے علاوہ اسرائیل کی ایک کنسٹرکشن فرم نے، جس نے دس سال قبل ایٹمی انٹرپورٹ کی تعمیر میں حصہ لیا تھا اُس نے اس کے متعلق تمام اہم معلومات فراہم کی۔ اطلاعات اور معلومات کے اس خزانے کو بنیاد بناتے ہوئے اسرائیلی انفرورس نے اسرائیل میں ایٹمی انٹرپورٹ کا Replica بنا کر دو تین دن اُس پر مشقیں کیں۔

ادھر عیدی امین کے کانوں میں کسی نے یہ بات ڈال دی کہ اسرائیلی اُس کے متعلق کہہ رہے ہیں کہ "اس بار عیدی امین نے ہمیں اپنی مٹھی میں بند کر دیا ہے"

عیدی امین آخر تک اِسی خوش فہمی میں مبتلا رہا کہ اسرائیل اُس کے سامنے جھک چکا ہے، یہ موساد کی زبردست چال تھی کہ عیدی امین کو کسی بھی ممکنہ فوجی آپریشن کے خیال سے غافل رکھا۔ ویسے بھی ایٹبی (Entebbe) انٹرپورٹ اور تل ابیب کے درمیان تین ہزار میل کا فاصلہ تھا، یوگنڈا کی فوجی قیادت کسی آپریشن کی توقع نہیں کر رہی تھی۔

۴ جولائی (I.D.F) اسرائیلی ایف ۴ فورسز نے یوگالیوں کو چھڑانے کے لئے اپنی تاریخ کا زبردست اور ڈرامائی آپریشن شروع کیا۔ اسے آپریشن تنہڈر بولٹ کا ٹھہر دیا گیا۔ جس پر بعد میں ہالی وڈ نے ایک فلم بھی بنائی تھی۔

تل ابیب کے ایک ملٹری ائربیس سے تین C-130 ہرکولیس ٹرانسپورٹ طیارے فضا میں بلند ہوئے، بحرہ احمر (Red Sea) پر

پرواز کے دوران اُن کی حفاظت کے لئے اسرائیلی ائرفورس کے فینٹم لڑاکا طیارے بھی ساتھ اڑ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ خشکی کی طرف مڑ کر ایتھوپیا اور کینیا کی فضائی حدود میں داخل ہوئے۔

اسرائیل کا ایک بوئینگ 707 جسے ایک فلائینگ ہسپتال (Flying Hospital) میں تبدیل کر دیا گیا تھا اور اس میں جدید ہسپتالیت کا ایک مکمل آپریشن تھیٹر بھی فٹ تھا، ۲۳ ڈاکٹروں کی ایک ٹیم کو لیکر نیروبی کے ایک ہوئی اڈے پر اترتا۔ اسی طیارے سے پچاس مسلح کمانڈوز بھی اترے، انہیں اُسی روز ایک تیز رفتار لالچ میں بیٹھا کر جمیل وکٹوریہ عبور کرتے ہوئے یوگنڈا کی سرحد میں چپکے سے داخل کیا گیا۔

تھوڑی دیر بعد ایک اور اسرائیلی بوئینگ یوگنڈا کی فضائی حدود میں داخل ہوا جو ہیڈ کوارٹر اور کیونکیشن سنٹر کے طور پر استعمال ہو رہا تھا، اینٹینے ائیرپورٹ کے ارد گرد موساد کے چھ اہل کار جن کے پاس ہائی فریکوئنسی ریڈیو (High frequency Radio) سیٹ تھے، اسی طیارے کیساتھ مسلسل رابطہ رکھے ہوئے تھے، اُن کا کام یوگنڈا کی مقامی سیوریٹی نظام پر نظر رکھنا تھا، آپریشن کے دوران آخری وقت تک اس طیارے کو کمپالا کے ارد گرد چکر لگانا تھا، موساد کے ان چھ آدمیوں کے پاس ایک جدید ترین الیکٹرانک آلہ تھا، جس کی مدد سے انہوں نے ائیرپورٹ کے کنٹرول ٹاور کا ریڈار سسٹم جام کر دیا، غالباً دنیا میں پہلی بار یہ آلہ اسرائیلیوں نے یہاں استعمال کیا، اس کے بعد امریکہ نے ایران میں قید امریکی ریغالیوں کی رہائی کے لئے جو ہوائی جہاز اور ہیلکوپٹر بھیجے تھے اُن میں بھی اسی قسم کے آلات نصب تھے، جس کی مدد سے ایرانی ریڈار سسٹم کو ناکارہ بنایا گیا تھا۔

اچانک رات کی گہری تاریکی میں ایک C-130 طیارے نے رن وے کے مغربی کنارے پر آنکھوں کو خیرہ کرنے والے روشنی کے گولے پھینکے جس سے پورا ائیرپورٹ تیز روشنی میں نہا گیا، اس کے بعد اسی طیارے سے متعدد بم گرے جس کے خوفناک دھماکوں سے پورا علاقہ لرز گیا، ائیرپورٹ پر متعین مسلح کمانڈوز کی توجہ اُسی سمت میں ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے اُس طرف بھاگنا شروع کیا، بین اسی لمحے دوسرے دو C-130 طیارے یکے بعد دیگرے رن وے پر اتر گئے، وہ جنوبی رُکے تو ان کے پیٹ سے ملٹری جیمپیں اور بکتر بند گاڑیاں اُتریں، اُن میں آٹومیک ہتھیاروں سے لیس اسرائیلی کمانڈوز بیٹھے ہوئے تھے۔

انہوں نے فوراً سیوریٹی گارڈز پر فائر کھول دیا۔ پلک جھپکتے ہی اسرائیلی کمانڈوز نے ائیرپورٹ کے مختلف مقامات پر مورچے سنبھال لئے تھے، یوگنڈا کے کمانڈوز بھی حیران تھے، کہ انہیں ائیرپورٹ کے محل وقوع اور محفوظ جگہوں کا اتنی جلدی کیسے پتہ چل گیا۔ اسرائیلیوں کی فائرنگ اتنی شدید اور اچانک تھی کہ یوگنڈا کے کمانڈوز کچھ دیر انتہائی بوکھلاہٹ کے عالم میں ادھر ادھر فائرنگ کرتے رہے جبکہ اسرائیلی کمانڈوز کا فائر بالکل صحیح نشانوں پر لگ رہا تھا۔ گولیوں کی اس گھن گرج میں بالآخر اسرائیلی اُس عمارت میں داخل ہو گئے جہاں ائیرفرانس کے مسافر مقید تھے، انہوں نے جلدی جلدی تمام مسافروں کو جیمپوں میں بیٹھایا، جو انہیں لے کر تیزی سے رن وے پر کھڑے C-130 طیاروں کی طرف پوری سپیڈ میں روانہ ہوئیں۔

دونوں طیاروں کے کارگو کمپارٹمنٹ کھلے ہوئے تھے، وہ جیمپیں مسافروں سمیت اُن میں گھس گئیں، پچاس منٹ کے اندر اندر آپریشن تھنڈر بولٹ مکمل ہو چکا تھا، دونوں C-130 طیارے اپنے کمانڈوز اور رہا شدہ مسافروں سمیت فضا میں بلند ہوئے۔

اس شوٹ آؤٹ کے دوران تین ریغالی گولیوں کا نشانہ بن کر ہلاک ہو گئے اور ان کے ساتھ ایک اسرائیلی کمانڈر بھی شہید بن گئے۔

زخمیوں میں آکر ہلاک ہوا۔ جبکہ سات کے سات فلسطینی کمانڈوز گولیوں سے چھلنی ہو چکے تھے۔

اُن کے ساتھ ۲۰ یوگنڈن گارڈز بھی مر چکے تھے۔ اسرائیلیوں نے جاتے جاتے رن وے پر کھڑے یوگنڈن انٹرفورس کے گیارہ میگ (MIG) لڑاکا طیاروں کو بھی دھماکوں سے تباہ کر دیا۔ یہ طیارے آہستہ آہستہ سلگتے رہے اور یوگنڈن کمانڈوز یونہی تاریکی میں فائرنگ کر کے اپنا ایئرمیشن اور وقت ضائع کرتے رہے حالانکہ حملہ آور کب کے پرواز کر چکے تھے۔

اسرائیلی طیارے آپریشن مکمل کرنے کے بعد نیروبی کے ایک فوجی ہوائی اڈے پر اترے، وہ چار گھنٹے تک یہاں رُکے رہے پھر ایندھن لینے کے بعد وہ تل ابیب کے لئے روانہ ہوئے۔

رات کے ایک بجے کے قریب عیدی امین کو اُسکے سیکرٹری نے جگا کر ارجنٹ فون کی اطلاع دی۔ عیدی امین نے آنکھیں ملاتے ہوئے جوہنی فون اٹھایا تو اُس نے تل ابیب سے کرل ہارلیو کو سنا:

ہارلیو: سر میں آپ کے بھرپور تعاون کے لئے بے حد ممنون ہوں

عیدی امین: اللہ کرے، میں نے یہ سیکرٹری کی جگہ اُنہوں پر زمری لگا دی ہے۔

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

سیلیکٹ آپریشن۔ ابو جہاد

<http://kitaabghar.com>

Select Operation : Abu Jihad

سات مارچ ۱۹۸۸ء۔ رات کے تین بجے گھپ اندھیرے میں ”الفتح“ کی فورس۔ ۱۷ کے تین انتہائی مسلح فدائین مصر کی جانب سے اسرائیلی سرحد عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ تینوں ابو جہاد کی تربیت یافتہ فورس کے بہترین افراد تھے۔

انہوں نے سرحد پر لگی خاردار تاریں کاٹ کر پیش قدمی شروع کی۔ صبح چھ بجکر تیس منٹ پر صحرائے Negev کی پہاڑی سڑک پر انہوں نے اسرائیلی ڈیفنس فورسز (IDF) کی ایک سفید رنگ کی رینالت کار کو روکنے کا اشارہ کیا۔ اس میں چار غیر مسلح اسرائیلی فوجی افسر سوار تھے۔ فلسطینی نوجوانوں کے ہاتھوں میں AK - 47 ایساٹ رائفلیں اور Carl Gustav سب مشین گنیں دیکھ کر وہ فوراً کار سے باہر نکل آئے۔ اس کے بعد انہوں نے کار اپنے قبضے میں لی اور تیزی سے شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ مگر انہوں نے ایک انتہائی فاش غلطی یہ کی کہ ان اسرائیلی افسروں کو زندہ چھوڑ گئے۔ انہوں نے فوراً ایک قریبی جیل پہنچ کر اس واقعے کی اطلاع دی۔

چند ہی سیکنڈ میں اسرائیل کی انٹرنل سیکورٹی مشینری حرکت میں آ گئی۔ صحرائے نگیو میں واقع رہائشی علاقوں کو بذریعہ ٹیلیفون اور شارٹ ویو ریڈیو خبردار کر دیا گیا کہ تین خطرناک فلسطینی کمانڈو علاقے میں داخل ہو چکے ہیں۔

فضائی حملے سائرن بجا کر عورتوں اور بچوں کو حفاظتی پناگاہوں میں گھسنے کا حکم دیا گیا جبکہ مرد ہتھیار ہاتھوں میں لئے دفاعی پوزیشن میں بیٹھ گئے۔ پولیس گاڑیاں تیزی سے گشت کرنے لگ گئی۔ سڑک پر جگہ جگہ رکاوٹیں کھڑی کر دی گئی۔

07:15 پر فلسطینی کمانڈو سڑک کی ایک رکاوٹ کے قریب پہنچے لیکن انہوں نے کمال پھرتی سے اس کے گرد چکر کاٹا اور آگے نکل گئے۔ پولیس نے انکا پیچھا شروع کیا۔ اسرائیلی پولیس کار کی ٹائروں پر مسلسل فائرنگ کرتے رہے لیکن نشانہ نہیں لگ رہا تھا۔ ادھر فلسطینی کمانڈو بھی جواب میں فائرنگ کرتے رہے۔

کچھ دور جا کر انہوں نے کار روک دی کیونکہ مسلسل فائرنگ سے اب وہ تقریباً ناکارہ ہو چکی تھی۔ وہ سڑک کے قریب ایک نالے میں کود پڑے۔ وہ پولیس کے پیچھے سے پہلے ہی کسی اور گاڑی پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ جلدی ایک بس انکے قریب پہنچی۔ اس میں ڈیمو نائیٹ ویرس سرچ سنسر کے کارکن سوار تھے جو اپنی ڈیوٹی کیلئے جا رہے تھے۔

بس کے ڈرائیور نے تین مسلح کمانڈو کو دیکھتے ہی سخت بریکیں لگا دیں۔ اس نے تمام دروازے کھول کر مسافروں کو بس سے کودنے کا حکم دیا۔ لیکن آٹھ عورتیں اور ایک مرد نکلنے میں ناکام ہو گئے فلسطینیوں نے بس اپنے قبضے میں لیکر انہیں اپنی سیٹوں پر واپس بیٹھا دیا۔

چند ہی لمحوں میں تعاقب کرتی ہوئی پولیس گاڑیاں بھی موقع پر پہنچ گئیں۔ پولیس نے ریٹائرڈ کار سے ایک تھیلہ ہار آؤٹ کیا جو دو تیر گریڈوں سے بھرا ہوا تھا فلسطینی شامدا سے بھول گئے تھے۔

پولیس نے بس کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا تھا۔ ڈسٹرکٹ پولیس کمانڈر جو بڑی روانی کیساتھ عربی بولتا تھا نے کمانڈر ڈکیا ساتھ بات چیت شروع کر دی۔ اس کا مقصد انہیں باتوں میں الجھا کر کچھ نفسیاتی اثرات پیدا کرنا تھا۔

چند ہی لمحوں بعد وہ جگہ ملک کی مصروف ترین مقام بن چکی تھی۔ اسرائیلی ڈیفنس کمیونٹی کے اعلیٰ ترین عہدیدار وہاں پہنچ چکے تھے جن میں وزیر دفاع لیٹھننٹ جنرل Vitzkah Rabin، پولیس منسٹر لیٹھننٹ جنرل Don Shomron اور ڈپٹی چیف آف سٹاف میجر جنرل Ehud Barak وغیرہ شامل تھے۔

فضاء میں دو فوجی ہیلی کاپٹر بھی گشت کر رہے تھے۔ ان کی پرواز اتنی نیچے تھی جس سے ریت کا طوفان سا برپا ہو گیا تھا۔ درجنوں فوجی ٹرک، کاریں اور ایبولینس الگ دھول اڑاتی وہاں پہنچ رہی تھی۔

آئی ڈی ایف (IDF) کا ایک کوشش کمانڈر دستہ آپریشن کیلئے محض اشارے کا منتظر تھا۔ وہ اس سے پہلے بھی کئی کامیاب کارروائیوں میں حصہ لے چکے تھے۔ مگر اس بار ان کا سامنا انتہائی تربیت یافتہ اور خطرناک اسلحے سے لیس فداکین سے تھا جنہیں موت کی پروا نہیں تھی۔

وہ اس دوران کئی مرتبہ بار درگدو مجرم پر 7.62 ایم ایم کے برسٹ فائر کر چکے تھے۔ اس کے علاوہ وہ اسرائیلی فوجیوں پر تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد گریینڈ بھی پھینک رہے تھے۔ اس گھن گرج میں بھی حکام بات چیت کیلئے ان کی منت سماجت کر رہے تھے۔ آخر کار ایک فلسطینی نے بس کی کھڑکی سے سر نکالا اور چیخنے ہوئے کہا ”اسرائیلی جیلوں میں بند تمام فلسطینی قیدیوں کو فوراً رہائی دو اور انہیں کسی بھی دوست عرب ملک جانے کیلئے پرواز کا بندوبست کرو“۔ پولیس کے سربراہ نے انتہاء کی کہ وہ کم از کم فائرنگ تو بند کریں تاکہ بات ہو سکے مگر انہوں نے اسے نظر انداز کرتے ہوئے ہر دس منٹ بعد ایک مسافر کی لاش باہر پھینکنا شروع کی۔

دس بجے کے قریب بس سے دوبارہ فائرنگ کی آواز گونجی۔ فلسطینیوں نے ایک اور مسافر کی لاش باہر پھینکی مگر اس مرتبہ بارڈر گارڈ کمانڈر نے اچانک بس پر دھاوا بول دیا۔

انہوں نے بلٹ پروف جیکٹس پہنی ہوئی تھیں اور ان کے پاس UZI - Imzi کی سب مشین گنیں تھیں۔ 10:15 پر آپریشن مکمل ہوا تو سڑک پر تینوں فلسطینی فداکین کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ انہوں نے ٹی۔ شرٹس پہن رکھی تھیں جس پر انگریزی کے جلی حروف میں فلسطین لکھا ہوا تھا۔

فداکین کا یہ آپریشن ابو جہاد نے ترتیب دیا تھا۔ ابو جہاد جس کا اصل نام خلیل ابراہیم الوزیری تھا۔ ۱۹۳۵ء میں تل ابیب کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہوا تھا۔

۱۹۴۸ء کی جنگ کے دوران میں اس کا خاندان غزہ منتقل ہو گیا تھا۔ ۱۹۵۹ء میں اس نے یاسر عرفات کی سرکردگی میں ”الفتح“ کی بنیاد رکھی۔

تب سے وہ اس کا سینئر ان کمانڈ تھا۔ اس نے ”الفتح“ کی ملٹری یا عسکری شاخ ”العاصفہ“ کی بھی بنیاد رکھی۔ اس کے کارکنوں کو گورنر بلاٹرینگ کیلئے چین، ویت نام اور شمالی کوریا بھیجا۔ العاصفہ کے لئے خطرناک ہتھیار اور بم مہیا کرنا ابوجہاد کے ذمے تھا۔

۲۳ سال کی عمر سے میں اس نے اسرائیل کے خلاف سینکڑوں تباہ کن آپریشن کئے جس میں لاکھوں لوگ ہلاک یا زخمی ہوئے۔ یکم جنوری ۱۹۶۵ء کو محمود الحجازی ”الفتح“ کے ایک نڈر مجاہد نے اسرائیلی سرحد عبور کر کے وہاں ایک آبی منصوبے کو دھماکے سے اڑا کر اسرائیل کے خلاف مسلح جدوجہد کا آغاز کیا۔ فلسطینی یکم جنوری کو انقلابی دن کے طور پر یاد کرتے ہیں۔ یہ کارروائی ابوجہاد نے پلان کی تھی۔ ۱۹۸۰ء کی دہائی میں مقبوضہ عرب علاقوں میں اسرائیلی غاصبوں کے خلاف فلسطینی عوام نے عوامی مظاہروں اور سنگ باری کا ایک سلسلہ شروع کیا جسے انہوں نے اشغادہ کا نام دیا۔ یہ تحریک بھی ابوجہاد کے سوچ کا نتیجہ تھی۔ ابوجہاد نے ان علاقوں میں موساد کے نیٹ ورک کو کافی نقصان پہنچایا۔ موساد کیلئے جاسوسی کرنے والے عرب نوجوانوں کو بھی چُن چُن کر ہلاک کرایا۔

ابوجہاد نے مختلف فلسطینی دھڑوں کو متحد کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس نے لیبیا، مشرقی جرمی اور رومانیہ کے دورے کئے اور وہاں اپنی تنظیم کیلئے مالی امداد اور اسلحہ اکٹھا کیا۔

اس کے مشرقی یورپ کی خفیہ ایجنسیوں کے ساتھ بھی گہرے روابط تھے۔ موساد نے اسے کئی مرتبہ ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر وہ بچ نکل جاتا تھا۔

ابوجہاد کی اچانک حلاکت کے بارے میں اسرائیل نے کبھی ذمہ داری قبول نہیں کی تھی۔ اس کے باوجود کچھ یورپی اور اسرائیلی صحافیوں نے ابوجہاد کے اس بھوانے قتل کے متعلق مفصل رپورٹ مغربی پریس کے حوالے کر دی۔ کسی بھی خفیہ آپریشن کے بعد اس سے لاتعلقی ظاہر کرنا اسرائیل کی پالیسی کا حصہ ہے۔ عالمی احتجاج یا مذمت کی صورت میں وہ بالکل انجان بن جاتا ہے۔

۱۹۸۲ء میں بیروت سے انخلاء کے بعد پی ایل او کا ہیڈ کوارٹر تیونس میں کام کر رہا تھا۔ یہاں ابوجہاد کی روزانہ مصروفیات کے متعلق لمحے لمحے کی رپورٹ براہ راست تل ابیب میں موساد کے مین کمپیوٹر میں مسلسل پہنچ رہی تھی۔ کہتے ہیں کہ پی ایل او کا ایک اہم عہدیدار بھاری رقم کے عوض یہ حساس انفارمیشن موساد کو دے رہا تھا۔

اس قسم کے منفرد ملٹری آپریشن کیلئے جاسوسی کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ تیونس میں موساد کا زبردست جال بچھا ہوا تھا۔ ویسے بھی گزشتہ تین دہائیوں سے شمالی افریقہ کے ملکوں میں اسرائیلی جاسوسی ادارے بڑے فعال طریقے سے سرگرم عمل تھے۔

۱۹۸۵ء میں اسرائیل نے تیونس میں اپنا انٹیلی جنس نیٹ ورک (Intelligence Network) منظم کرتے ہوئے اپنے مزید ایجنٹ بھیجنے شروع کئے۔ اور وہاں آپریشن کی صورت میں اپنے کارندوں کے چھپنے کیلئے محفوظ اڈے (Safe houses) تلاش کئے۔ ان کی اعلیٰ کارکردگی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب اسرائیلی انٹرفورس کے ایف سولہ طیارے تیونس میں پی ایل او کے ہیڈ کوارٹر (Force)

(17) پر بمباری کر رہے تھے تو وہاں سے سارے عرقاٹ اور ایویٹیب (ملٹری کمانڈر) چند منٹ قبل نکل چکے تھے۔

انٹیلی جنس ایجنسیوں کے شانہ بشانہ اسرائیلی نیوی کے کمانڈوز نے بھی تیونس کی سمندری حدود میں خفیہ سرگرمیاں شروع کیں۔ انہوں نے ساحلی علاقوں کی جانچ پڑتال کر کے وہاں ممکنہ لینڈنگ سائٹس کا جائزہ لیا۔

تیونس کے نیول بیس اور سمندری ریڈار سسٹم کا بغور مطالعہ کیا۔ اس کے علاوہ انہم شاہراہوں، انٹرفیلڈز اور جہاز شط میں واقع پی ایل او کے ہیڈ کوارٹر کی خفیہ گمرانی شروع کی۔ تیونس کے خوبصورت رہائشی علاقے میں پی ایل او کے اعلیٰ عہدیداروں کی کوشیوں پر نشان لگائے۔ اس خفیہ سرگرمیوں میں سب سے اہم بات فلسطین اور تیونس ریڈیائی کمیونیکیشن حتیٰ جسے موساد بڑے آرام سے پکڑ رہا تھا۔

اپریل ۱۹۸۸ء کے پہلے ہفتے میں اسرائیلی کمانڈوز نے آپریشن کی ریہرسل کی۔ ابوجہاد کے گھر کا ڈال بنا کر اس پر منظم طریقے سے حملے کے اس مشق کیلئے ایسے اوقات رکھے گئے جب سپر پاور ملکوں کے سارے اسرائیل کے اوپر محو پرواز نہیں ہوتے تھے۔ گرچہ اس آپریشن کی کامیابی کا زیادہ تر انحصار موساد اور ملٹری انٹیلی جنس کی فراہم کردہ صحیح معلومات پر تھا لیکن اسکے علاوہ بھی انتہائی اہمیت کے دو اور کام تھے جس کے بغیر مشن کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔

قریباً تیس چالیس کمانڈوز کو چار میزائل بوٹس میں تیونس کے ساحل پر اتارنا تھا۔ ان کشتیوں پر ہیلی کاپٹر بھی تھے۔ ان میں سے ایک کشتی پر AH-1 Sea کوبرا گن شپ کھڑے تھے۔ ایک ہیلی کاپٹر میں مکمل طبی سہولیات اور سرسجری کا انتظام تھا۔ آپریشن کے دوران زمینوں کو اٹھانا اور انہیں واپس لانا ان دونوں ہیلی کاپٹروں کا کام تھا۔

تیونس کی فضا کی حدود میں اسرائیلی ایرو فورس دو پیش قسم کے بوئنگ 707 الیکٹرانک جاسوسی اور گمرانی کیلئے مقرر کئے گئے۔ ایک جہاز جس پر انٹرنیشنل شناختی نمبر 4X-007 لکھا ہوا تھا میں ملٹری انٹیلی جنس کے ہیڈ۔ میجر جنرل (Amnon Shahan) نے موساد کے ایک افسر کیساتھ بیٹھنا تھا۔ دوسرے بوئنگ نے فلائینگ ہیڈ کوارٹر کا کام کرنا تھا۔ اس فلائٹ پر آفسر کمانڈنگ (OC) میجر جنرل (Avihu Ben nun) نے چارج سمجھا لیا تھا۔ اس کے علاوہ بحیرہ روم کے اوپر فضاء میں ان طیاروں کو ایندھن فراہم کرنے کیلئے دو فلائینگ میٹکرز آؤٹ نے والے تھے جس کے اوپر نیچے حفاظت کیلئے F-15 لڑاکا طیارے تھے۔

ہٹ نیم کے کمانڈوز کے پاس خاموش سب مشین گنیں اور انتہائی چھوٹے ریڈیو سیٹ تھے۔ انہوں نے تاریکی میں دیکھنے کیلئے Night Vision Goggles پہن رکھی تھیں۔ اس کے ساتھ ان کے پاس وافر مقدار میں سٹن گریینیڈ اور anti-personnel fragmentation grenades بھی تھے۔

اپریل کے اوائل میں ایک رات میزائل بوٹس کا آرمیڈ انتہائی خفیہ طور اسرائیل کے ایک محفوظ ساحل سے روانہ ہوا۔ تاہم انتہائی رازداری کے باوجود فرانسیسی انٹیلی جنس سروس کو اس آپریشن کے متعلق کچھ اشارے مل چکے تھے۔ انہوں نے پی ایل او کو خبرداری دے دی تھی کہ اسرائیلی کمانڈوز کسی بھی لمحے ابوجہاد کو ختم کرنے کیلئے حملہ آور ہو سکتے ہیں مگر پی ایل او نے اس خبر کو کوئی اہمیت نہیں دی خود

ابو جہاد کا خیال تھا کہ اسرائیلی اگر کسی بڑے فلسطینی لیڈر کو قتل کرنا چاہیں گے بھی تو وہ یا سرحدات کو ہی ٹارگٹ کریں گے اور وہ ان دنوں بحرین میں تھا لہذا وہ فرنج سیکرٹ سروس کی اطلاع کو غلط سمجھتا رہا اور یہی اس کی زندگی کی سب سے فاش غلطی ثابت ہوئی۔

۱۴ اپریل کو اسرائیلی کابینہ کا اجلاس منعقد ہوا جس میں اس آپریشن کی منظوری دی گئی۔

۱۵ اپریل کو شب کی تاریکی میں اسرائیلی نیوی کی میزائل بوٹس تیونس کی سمندری حدود کے قریب پہنچ گئے۔ جبکہ دوسرا اسرائیلی بوٹنگ 707 بین الاقوامی فضائی روٹ (Blue - 21) پر نمودار ہوئے۔ یہ راستہ جنوبی سسلی اور شمالی تیونس کے درمیان تھا۔ ان طیاروں نے اپنے E.C.M (Electronic Counter measures) کے ذریعے تیونس کے تمام ریڈار سسٹم اور کمیونیکیشن ٹریفک کو جام کر دیا۔ عین اس لمحے تیونس میں موساد کے ایجنٹوں نے پی ایل او کے ہیڈ کوارٹر سے ٹکفنی والی ٹیلیفون لائنوں میں گڑبڑ پیدا کر دی تاکہ آپریشن کے وقت فلسطینی مدد کیلئے پولیس کو اطلاع نہ دینے پائے۔

ایک میزائل بوٹ سے دو کمانڈر نے جنہوں نے تیراکی کے لباس اور اسکیجن ماسک پہن رکھے تھے۔ بحیرہ روم کے متلاطم پانیوں میں غوطہ کھایا۔

وہ زیر سمندر تیرتے ہوئے تیونس کے ایک سسٹن ساحل پر پہنچے۔ جہاں موساد کے چند کمانڈے پہلے سے ان کے انتظار میں کھڑے تھے۔ انہوں نے وہاں سے آسمان کی بلندیوں میں جو پرواز بوٹنگ - 707 (فلائنگ ہیڈ کوارٹر) سے رابطہ کیا۔ ہیڈ کوارٹر نے ان کے مشورے پر کھلے سمندر میں ٹنگر انداز میزائل بوٹس کے کمانڈر کو آپریشن شروع کرنے کا گرین سگنل دیا۔

چند ہی لمحوں میں بوٹس سے بڑی پانچ کشتیاں سمندر میں اتاری گئی جس میں کمانڈر کے پانچ گروپ سوار ہو کر مذکورہ ساحل پہنچے۔ اس کے فوراً بعد میزائل بوٹس تیونس کے سمندری حدود سے پیچھے ہٹ گئیں۔

ساحل پر کمانڈر دو دھوڑوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک نے ناریل کے درختوں کے جھنڈ میں دفاعی پوزیشن سنبھال لی جبکہ دوسرا گروپ تین کرائے پر حاصل شدہ گاڑیوں (ایک Peugeot 305 اور دو فکس ویگن منی بسیں) میں بیٹھ کر سیدی بوسیدی کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ تیونس کی فیشن ہٹل بستی تھی جہاں پی ایل او کے تمام اعلیٰ عہدیداروں کی رہائش گاہیں واقع تھیں۔ اس جگہ پی ایل او کی انٹیلی جنس سروس کا چیف بھی رہائش پذیر تھا۔ کہتے ہیں کہ اسی شخص نے موساد کے ساتھ خفیہ ساز باز کی تھی۔ اس بستی میں سیکورٹی انتہائی سخت تھی۔ تیونس ملٹری پولیس ہر وقت گشت پر رہتی تھی۔

۱۶ اپریل رات دس بجے موساد کی تینوں گاڑیاں ابو جہاد کی کوٹھی پر پہنچی۔ وہاں موساد کے دوسرے ایجنٹ پہلے سے گھر اور ارد گرد کے علاقے کی گمرانی کر رہے تھے۔ لیکن ابو جہاد گھر پہ موجود نہیں تھا وہ اس وقت ایک دوسرے مقام پر پی ایل او کی ایک اہم میٹنگ میں مصروف تھا۔

کمانڈر کی اسے فورس ابو جہاد کی رہائش گاہ کے ارد گرد منڈلانے لگی جبکہ B فورس فرار کے راستوں کی گمرانی کرنے لگی۔ اپنی شناخت چھپانے کی خاطر وہ آپس میں فرنج اور عربی میں گفتگو کر رہے تھے۔ رات ڈیڑھ بجے ابو جہاد اپنی رہائش گاہ پہنچا۔ اس کی کار کے آگے پیچھے تین چار گاڑیوں میں مسلح کارڈ بیٹھے ہوئے تھے۔ ابو جہاد کی مرشد بڑی گھر کے اندر داخل ہوئی۔ وہ کار سے اتر کر سیدھا اپنے کمرے

7.62 (AKMS) کی طرف سیڑھیوں پر چڑھنے لگا۔ جبکہ اس کے محافظوں نے جن کے پاس 9 mm Beretta سب مشین گن اور (AKMS) 7.62 ایم ایم ایساٹ رائفلیں تھیں۔ انہوں نے اپنی اپنی پوزیشن سنبھالی۔ محافظوں کی اسرائیلیوں پر ابھی نظر نہیں پڑی تھی جو مکان کے دوسری طرف اندھیرے میں چھپ گئے تھے۔ ان کا ارادہ ابوجہاد کو سوتے ہوئے ہلاک کرنا تھا۔ مگر وہ ابھی تک اپنی خواب گاہ میں جاگ رہا تھا۔ آخر کار رات ڈھائی بجے ابوجہاد کی دوسری منزل پر واقع بیڈروم کی جی بھگتی اور یوں پورا مکان خاموش تاریکی میں ڈوب گیا۔ تھوڑی دیر بعد A فورس کا ایک کمانڈر ابوجہاد کی کار کے قریب پہنچا جہاں اس کا ڈرائیور مزے کی نیند سو رہا تھا۔ اس نے اپنی پستول سے اس کا کام تمام کر دیا۔ گھر کا ایک آہنی گیٹ بغیر شور پیدا کئے انتہائی جدید طریقے سے توڑ کر کچھ کمانڈوز اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے سیڑھیوں کے قریب ایک گارڈ کو گولیاں مار کر ہلاک کیا۔ پھر وہ ابوجہاد کے بیڈروم کی طرف بڑھے۔ انہوں نے چند ہی سیکنڈ میں کمرے کا دروازہ توڑ ڈالا اور اندر داخل ہو گئے۔ ابوجہاد کمرے سے باہر گولیوں کی گونج سے جاگ چکا تھا۔ ابھی اس نے اپنے تکیے سے سر اٹھایا ہی تھا کہ اس کا بدن مشین گن کی برست سے چھلنی ہو گیا۔ بعد میں پوسٹ مارٹم کے دوران اسکے جسم سے 75 راونڈ نکالے گئے۔ اس کی بیوی ام جہاد جو اس کے قریب ہی لیٹی ہوئی تھی کو خراش تک نہیں آئی۔

ایک دوسرا ایمان کچھ یوں ہے کہ ابوجہاد ریو الور لیکر اپنے کمرے سے باہر نکل آیا تھا اور اس نے ایک اسرائیلی کمانڈو پر گولی چلائی مگر نشانہ خطا ہو گیا اور خود حملہ آور کی مشین گن کی زد میں آ گیا۔ برست اس قدر شدید تھا کہ جس ہاتھ میں اس نے ریو الور تھا مابو تھا کٹ کر علیحدہ ہو گیا۔ اس دوران میں ام جہاد جو خوف سے بری طرح چلا رہی تھی اور اس کے بچے بھی رو رہے تھے پاس کھڑے ایک اسرائیلی کمانڈو نے اس کے بچوں کو کہا جاؤ! اپنی ماں کو سنبالو۔

انہوں نے ابوجہاد کے سٹڈی روم کی خوب تلاشی لی۔ ان کے ہاتھ پی ایل او کی کئی حساس اور خفیہ فائلیں لگیں۔ مشن مکمل ہوتے ہی وہ جائے واردات سے نکلے اور انہی گاڑیوں میں جن میں وہ یہاں پہنچے تھے بیٹھ کر مقررہ سمندری ساحل پر پہنچے۔ تمام راستے میں کسی بھی تیوی پولیس کا نام و نشان نظر نہیں آیا۔ وہ بغیر کسی رکاوٹ کے فرار ہو گئے۔ ساحل پر اسرائیلی نیول کمانڈو کسی بھی ممکنہ حملے کیلئے تیار کھڑے تھے۔

وہ گاڑیاں ساحل پر ہی چھوڑ کر بڑی کشتیوں میں سوار ہو کر کھلے سمندر میں لنگر انداز میزائیل بوٹس پر پہنچ کر اسرائیل روانہ ہوئے۔ تیونس میں موساد کے خفیہ ایجنٹ بھی سیدھا ائر پورٹ گئے جہاں سے انہوں مغربی یورپ کے مختلف ملکوں کو جانے والی پروازیں پکڑیں۔ یورپ سے پھر دوسری فلائٹ میں وہ قسطنطنیہ پہنچ گئے۔ گرچہ انہوں نے اسرائیل کی تاریخ کے سب سے بڑے زبردست خفیہ آپریشن میں حصہ لیا تھا مگر وہ ہمیشہ گناتم ہی رہے۔

یہ آپریشن محض تیرہ سیکنڈ میں مکمل ہوا جبکہ اس کی پلاننگ پر سینکڑوں انسانی گھنٹے (man hours) صرف ہوئے۔ میزائیل بوٹس، ہوائی جہازوں، گاڑیوں اور جدید اسلحہ کو کام میں لایا گیا لیکن آپریشن پلک جھپکتے ہی پورا ہو گیا۔

دو دن بعد ۱۸ اپریل کو ایک اسرائیلی اخبار "Yediot Aharonot" نے یہ خبر شائع کی۔

"The terminators of Abu Jihad returned to Israil by sea"

میزائل بوٹس کا بیڑا ایف۔ ۱۵ اور ایف۔ ۱۶ فائٹر طیاروں کی حفاظت میں تل ابیب کے ساحل پر لنگر انداز ہوا۔

ام جہاد جو خود بھی پی ایل او کی سینئر ممبر اور شہداء فنڈ کی چیئر پرسن تھی۔ ابو جہاد کو خون میں لت پت مرتے دیکھتی رہی۔ اس نے ٹیلیفون پر پولیس کو اطلاع دینے کی کوشش کی مگر لائن کٹ چکی تھی۔

اس کی بیٹی حنان دوڑتی ہوئی اپنے ہمسائے کے گھر پہنچی اور اسے اس واقعے کی اطلاع دی۔ اُس نے فوراً فلسطینی اور تیونس سیکورٹی حکام کو فون پر مطلع کرنے کی کوشش کی مگر اس کا ٹیلیفون بھی ناکارہ ہو چکا تھا۔ حملے کے دوران ام جہاد نے چند اسرائیلی کمانڈرز کے چہروں کو نوٹ کر لیا تھا۔ اس نے میڈیا کو بیان دیا کہ کمانڈر ویم کیساتھ ایک شہرے والوں والی لڑکی بھی تھی جو اس آپریشن کی ویڈیو فلم بنارہی تھی۔ وہ عبرانی لہجے میں فرانسیسی بول رہی تھی۔ ام جہاد حیران تھی کی انہوں نے اسے کیوں گولی نہیں ماری، کیونکہ اس سے پہلے بیروت میں اسرائیلیوں نے ابو یوسف اور اس کی بیوی ماحد کو ایک ساتھ شوٹ کر دیا تھا۔

ہٹ ٹیم کو ابو جہاد کے کمرے سے ان لاتعداد فلسطینی مجاہدوں کی فہرست ملی جو مغربی یورپ اور اسرائیل میں خفیہ سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ موساد کو ابو جہاد کے قتل سے زیادہ ان دستاویزات کی ضرورت تھی۔ اور وہ انہیں بونس میں مل گئے تھے۔ ابو جہاد اس سے پہلے تین قاتلانہ حملوں میں بچ چکا تھا۔ لیبنان میں ۱۹۷۸ء اور ۱۹۸۲ء اور ۱۹۸۰ء میں تہران میں اسے ختم کرنے کی ناکام کوشش کی گئی۔

اس کا جسد خاکی کفن دفن کیلئے دمشق لیجائے گیا۔ تقریباً پانچ لاکھ افراد نے اس کے جنازے میں شرکت کی۔ اس کا تابوت فلسطینی پرچم میں لپیٹا ہوا تھا۔ اسے دمشق کے فلسطینی شہداء کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔

وہ شخص جس نے ساری عمر فلسطین کی آزادی کیلئے جنگ لڑی مرنے کے بعد بھی جلاوطن رہا۔ اس کے جنازے میں کئی اہم فلسطینی لیڈروں نے شرکت کی۔ لیکن اس کا گہرا دوست اور رفیق کاریا سرعفات اس موقع پر موجود نہ تھا۔ شائد اسے شام میں اپنی زندگی کا خطرہ تھا۔ وہ اس دن لیبیا میں تھا۔ یہ عجیب بات تھی کہ ابو جہاد کے قتل سے عرب دنیا میں یکدم یکجہتی پیدا ہو گئی۔ ورنہ یہ ابو جہاد ہی تھا جس نے ۱۹۷۰ء میں شاہ حسین کے خلاف مسلح جنگ لڑی جس میں اردنی فوجوں نے ہزاروں فلسطینیوں کو کچل ڈالا تھا۔ شام کی اٹلی جنس نے دمشق میں ابو جہاد کے بیٹے کو اپنے پارٹمنٹ جو ساتویں منزل پر واقع تھا کی کھڑکی سے نیچے پھینک کر ہلاک کر دیا تھا۔ ابو جہاد نے شامیوں کو زندگی بھر کبھی معاف نہیں کیا۔ لبنان میں ۷۶-۱۹۷۵ء کی خانہ جنگی کے دوران اس نے شامی فوج کے خلاف زبردست مزاحمت کی جو کرکچین ملیشیا کے ساتھ ملکر فلسطینیوں کو ختم کرنے پر آگئی تھی۔ اس کے نتیجے میں سینکڑوں شامی فوجی ہلاک یا زخمی ہوئے۔

ابو جہاد کی شہادت سے پی ایل او کو زبردست دھچکا لگا تھا۔ کیونکہ اس جیسا انتہائی ذہین اور زیرک ملٹری کمانڈر کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔

اسکی موت سے الفتح کی وہ صلاحیت ہی ختم ہوگئی جس کے ذریعے وہ یورپ اور اسرائیل میں خوف و ہراس پیدا کرتی تھی۔ اس کی موت سے یہودیوں نے سکھ کا سانس لیا۔

۹ جولائی ۱۹۸۸ء کو ابوظہبی کے ایک اخبار میں ابوجہاد کی ہلاکت کے ضمن میں خبر شائع ہوئی کہ تیونس پولیس نے موساد کے چالیس کے قریب خفیہ ایجنٹوں کو گرفتار کیا جو کسی نہ کسی طرح ابوجہاد کے قتل میں ملوث تھے۔ گرفتار ہونے والوں میں تیونس یہودی کئی فلسطینی اور لبنانی باشندے تھے۔ ایک نائٹ کلب کی رقاصہ کو بھی حراست میں لیا گیا۔ تیونس کی خفیہ پولیس مسلسل کئی روز سے اس کی رہائش گاہ کی نگرانی کر رہی تھی کیونکہ کچھ یہودی مشتہر افراد اس کے ہاں اکٹرا چکے لگتے تھے۔ پوچھ گچھ کے دوران اس ڈانسر نے اعتراف کیا کہ وہ موساد کے سینئر ایجنٹوں سے ملنے کی مرتبہ یورپ گئی تھی۔ اس کے پی ایل او کے اہم عہدیداروں کے ساتھ قریبی مراسم تھے جس کی وجہ سے اسے ابوجہاد کی نقل و حرکت کے بارے میں پیش قیمت معلومات ملتی رہیں۔

ابوجہاد کی شہادت میں ملوث اس خفیہ گینگ کو ایک اندازے کے مطابق موساد نے دس ملین ڈالر ادا کئے تھے۔ تاہم گرفتار شدہ افراد کا پھر کسی کو پتہ نہیں چلا کہ تیونس حکومت نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا۔



قلمکار، کلب پاکستان

آپ شاعر ہیں یا کہانیاں لکھنے کا شوق ہے؟

..... یا

آپ اپنی تحریروں کو کتابی شکل میں شائع کرانے کے خواہشمند ہیں؟

تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہم آپ کی تحریروں کو دیدہ زیب و دلکش انداز میں کتابی شکل میں شائع کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔

ہم آپ کی صلاحیتوں کو مزید نکھارنے کے مواقع دینا چاہتے ہیں۔

مزید معلومات کے لیے رابطہ کریں۔

0333 222 1689 ڈاکٹر صابر علی ہاشمی

قلمکار پاکستان کا ادارہ

Qalamkar Club Pakistan

100- Anwar Plaza, Urdu Bazar Karachi, Pakistan.
Email: qalamkar_club@yahoo.com
Contact: 0333 222 1689

قلمکار پاکستان



کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

آپریشن ٹائیگر

http://kitaabghar.com

http://kitaabghar.com

Operation Tiger

شائد کم لوگوں کو علم ہوگا کہ اسرائیل میں راسخ العقیدہ (ultra-orthodox) یہودیوں کا ایک ایسا فرقہ بھی موجود ہے جو بڑی شدت کیساتھ اسرائیل کے وجود سے انکاری ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اسرائیلی ریاست کا قیام خدا کی نظر میں ایک قابل نفرت اقدام ہے اور یہ بنی اسرائیل کے اس کفر کے مترادف ہے جب مومن اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہونے کو طور گئے اور وہ مومن کے ایک گھڑے کی عبادت کرنے لگے۔

بقول اس فرقے کے ”تورات نے چشمن گوئی کی تھی کہ بنی اسرائیل ساری دنیا میں بکھر جائیں گے اور پھر صرف روز قیامت ہی یکجا ہوں گے“ یہ فرقہ Hassidim of Breslava کہلاتا ہے۔

ہر سال یہ یہودی فرقہ باقاعدگی کیساتھ اقوام متحدہ کو یادداشت پیش کرتا رہتا ہے۔ کہ ”اسرائیل کا وجود تورات کے مطابق غیر شرعی ہے لہذا اسے ختم کر دیا جائے۔“

وہ عربوں کے بجائے اسرائیلی حکومت اور ان یہودیوں کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں جنہوں نے تورات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اسرائیلی ریاست قائم کی اور خدا کی اجازت کے بغیر بکھرے ہوئے یہودیوں کو یکجا کیا۔

اس فرقے کے نوجوان اسرائیلی فوج کی ملازمت نہیں کرتے۔ لیکن اس مخالفت کا ہرگز یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اس صیہونی ریاست کو فلسطینیوں کے حوالے کر دیا جائے۔

عیدہ ۱۹۵۷ء میں اپنے شوہر آرتھر جو پیشے کے لحاظ سے درزی تھا اور ۲ بچوں زینہ اور جوزف کے نمران پولینڈ سے اسرائیل منتقل ہوئی تھی۔ عیدہ کے باپ نحمنا (Nahman Shtarkes) کا بھی مذکورہ بالا کفر فرقے سے تعلق تھا۔ یہ شخص روس سے ہجرت کر کے یہاں آباد ہوا تھا۔ روسی کمیونسٹوں نے اسے سامبریا جلا وطن کیا تھا جہاں اس کی ایک آنکھ اور پاؤں کی تین انگلیاں ضائع ہو گئی تھی۔ اس کے علاوہ یہودیوں سے نفرت کرنے والے ایک گروہ نے اس کے ایک بچے کو بھی قتل کر دیا تھا۔ اب وہ روس سے انتہائی نفرت کرتا تھا۔

عیدہ اکثر روس میں پرانی سہیلیوں کو خط لکھتی تھی۔ ایک دن اُس کا ایک خط کسی طرح بوڑھے ربی نچمان کے ہاتھ لگ گیا۔ خط میں اور باتوں کے علاوہ عیدہ نے اسرائیل میں مالی مشکلات کا ذکر کیا تھا اور خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ ایک بار پھر روس منتقل ہونا چاہتی ہے۔

نچمان نے اس خط کو بے حد سنجیدہ تصور کیا۔ اسے فکر لاحق ہو گئی کہ وہ جس ملک سے انتہائی نفرت کرتا رہا ہے اب نہ صرف اس کی بیٹی بلکہ نواسا بھی وہاں چلا جائے گا۔ اسے یہ بھی ڈر تھا کہ جوزف وہاں عیسائی بن جائے گا۔ وہ اسے اب مذہبی فریضہ سمجھنے لگا کہ جوزف کو ہر صورت میں بچایا جائے۔ دسمبر ۱۹۵۹ء میں عیدہ اور آرتھر کی مالی پوزیشن کسی قدر مستحکم ہو گئی تھی انہوں نے زینہ کو مذہبی ادارے سے واپس بلا لیا اور جوزف کو بھی واپس لانے کا ارادہ کیا مگر بوڑھا ربی اس پر راضی نہیں تھا۔

عیدہ نے یروشلیم میں اپنے باپ کی بڑی منت کی کہ وہ جوزف کو ان کے ساتھ جانے کی اجازت دے مگر بوڑھا ربی بضد تھا کہ جوزف کی مذہبی تعلیم ابھی نامکمل ہے۔ وہ اسے بھی کٹر یہودی بنانا چاہتا تھا۔ عیدہ کے آنکھوں میں آنسو آ گئے اور روتے ہوئے باپ سے کہنے لگی ”خدا کیلئے مجھے میرا مینا واپس دے دو“ آخر بڑی تگ و دو کے بعد بوڑھا تھوڑا نرم ہوا تو کہنے لگا ٹھیک اگلے ہفتے اسے لے جاؤ۔

عیدہ خوشی خوشی بچے کو پیار کر کے تل ابیب چلی آئی۔ اسے پتہ نہیں تھا کہ اگلے تین سالوں تک وہ اس لڑکے کی شکل تک نہیں دیکھ سکے گی۔ مقررہ دن عیدہ جب واپس اپنے باپ کے پاس آئی تو وہاں جوزف موجود نہیں تھا۔ اس نے اپنے باپ سے دریافت کیا تو وہ کہنے لگا مجھے پتہ نہیں ہے۔ عیدہ نے مسلسل ایک ہفتہ رو رو کر باپ کی منت ساجت کی مگر بوڑھا ربی خاموش رہا وہ بس سے مس ہی نہیں ہو رہا تھا۔ آخر تھک ہار کر عیدہ نے پولیس کو رپورٹ کر دی۔ پولیس بوڑھے کو پکڑ کر لے گئی۔ مگر وہاں بھی اس نے کہا کہ مجھے فی الحال کچھ پتہ نہیں ہے اگر پتہ چل بھی جائے تو وہ ہرگز نہیں بتائے گا کیونکہ ایک روح کو بچانا پوری دنیا کو بچانے کے برابر ہے۔ ہائی کورٹ نے اسے جیل بھیج دینے کے احکامات جاری کر دیے مگر وہاں بھی وہ مسلسل انکاری تھا۔ جیل اس جیسے سخت یہودی کیلئے جس نے آٹھ سال سامبریا میں گزارے تھے کوئی خاص سزا نہیں تھی۔

اس کی گرفتاری سے کٹر یہودی فرقوں میں ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا وہ حکومت سے اس کی فوراً رہائی کا مطالبہ کرنے لگے ان کے نزدیک یہ مذہبی معاملات میں بے جا مداخلت تھی۔

پولیس کئی ہفتے بچے کی تلاش میں مختلف یہودی اداروں، سکولوں عبادت گاہوں میں پھرتی رہی۔ اسرائیل بھر میں انہوں نے کوئی جگہ ایسی نہیں چھوڑی جہاں انہیں معمولی سا بھی شک تھا۔ سیکڑوں افراد سے پوچھ گچھ کی لیکن انہیں کوئی سراغ نہیں ملا۔

اس دوران میں عیدہ نے صحافیوں کو اپنی کہانی سنائی تو وہ سکیئنڈل ملک بھر کے اخبارات کی شرسرخی بن گئی۔ اسرائیلی پولیس کی ناکام کوششوں پر رنگ برنگے کارٹون بنائے گئے۔ اکثر موٹر کارڈرائیوروں کو جب پولیس کسی وجہ سے روکتی تو لوگ طنزیہ کہتے ہمیں فائن کرنے کے بجائے جاؤ جوزف کو تلاش کرو“ پولیس اسٹیشن کی دیواروں پر لوگوں نے ”جوزف کہاں ہے؟“ لکھ کر حکومت کو خاصا پریشان کر دیا تھا۔ مسلسل کئی ماہ کی انتھک تلاش کے بعد بھی اسرائیل کے تمام سراغ رساں ادارے اور پولیس کوئی مثبت پیش رفت نہ کر سکے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اسے زمین نگل گئی ہے۔

۱۹۶۰ء کے موسم بہار میں یہ گمشدگی ایک بدترین سیاسی مسئلے کی شکل اختیار کر گئی۔

یروشلم کے چیف ربی (Rabbi) ربی فراٹک نے نچمان کے اس فعل کو مقدس فریضہ قرار دیتے ہوئے اس فرقے کے ماننے والوں کو حکومت کے خلاف متحد ہونے کی اپیل کی۔ یوں راسخ العقیدہ اور میانہ رویہودیوں کے درمیان زبردست کشیدگی پیدا ہو گئی۔ یہ فرقے ایک دوسرے پر سنگ باری کرنے لگے۔

راسخ العقیدہ عبادت گاہوں کی دیواروں پر یہ جملے جلی حروف میں دیکھائی دینے لگے " The Israeli Govt. is as bad

as the Nazi "

بوڑھا نچمان جس نے جیل میں پتھر جیسی خاموشی اختیار کر کے حکام کو خاصا پریشان کر دیا تھا۔ اس سے پوچھ گچھ فضول تھی کیونکہ اب وہ منہ سے بات ہی نہیں کر رہا تھا۔ بچے کے متعلق استفسار پر وہ نفی میں صرف سر ہلاتا تھا۔

آخر تک آ کر اپریل ۱۹۶۱ء میں اسے "خرابی صحت" کی بنیاد پر خاموشی کیساتھ رہا کر دیا گیا۔ اسی سال جوزف کی گمشدگی کو ڈیڑھ سال کا عرصہ پورا ہونے کو تھا اور اسرائیل نے انتخابات کی تیاری بھی کر رہا تھا۔ جوزف کی پراسرار گمشدگی اب قومی مسئلے کی صورت اختیار کر چکی تھی۔

اسے یہ بھی پتہ تھا کہ شاید یہ آپریشن اسکے اپنے آدمیوں کو اتنا پسند نہیں آئے کیونکہ ان کی تربیت جاسوسی (Espionage) اور جوابی جاسوسی (Counter espionage) آپریشن میں ہوتی تھی۔ ان کا کام پر خطر حالات میں خفیہ معلومات جمع کرنا اور سیاسی مخالفوں کو قتل کرنا تھا لیکن یہاں تو ایک نو سالہ بچے کی تلاش کا مسئلہ تھا جس کی گمشدگی سے فرقہ وارانہ فسادات کا خطرہ منڈلا رہا تھا۔ وہ کے بے بی اور نازی مفروروں کے ساتھ آنکھ پھولی کھیلنے کے عادی تھے۔ وہ اس تلاش کو دل میں اپنی شان کے خلاف سمجھ رہے تھے۔

اسر ہیرل کو ان کے احساسات کا اچھی طرح پتہ تھا۔ لیکن اسے یہ بھی یقین تھا کہ اگر اُس نے اپنے کارندوں کو حکم دیا تو وہ اسی جانفشانی کیساتھ جوزف کی تلاش کریں گے۔ جس طرح انہوں نے ایڈولف ہٹلر کی سیکنڈ کی تھی۔

چند ہی دنوں میں اس کے آدمی فیلڈ میں اتر چکے تھے۔ اس تلاش کو آپریشن ٹائیگر کا کوڈ نام دیا گیا۔

انہوں نے اسرائیل بھر میں منظم طریقے سے تلاش شروع کی وہ شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک تمام یہودی عبادت خانے (Synagogue) اور سکول دیکھتے گئے۔ کچھ ایجنٹ روایتی یہودی مذہبی لباس میں ملبوس ہو کر مختلف عبادت خانوں کی سروس میں شریک ہوئے لیکن مذہبی رسوم سے ناواقفیت کی وجہ سے وہ جلد ہی مصیبت میں پھنس گئے۔ وہ اچانک کڑی یہودیوں کی نظر میں آ گئے۔ انہوں نے گالیوں کی بوچھاڑ میں انہیں اپنے عبادت خانے سے دھکے دیکر نکال باہر کیا۔

بالآخر موساد اس نتیجے پر پہنچی کہ بچہ کم از کم اسرائیل کی سرزمین پر نہیں ہے۔ اسے بیرون ملک سمگل کر دیا گیا ہے۔ انہوں نے فوراً اپنی حکمت عملی تبدیل کر دی۔

اسر ہیرل نے اپنے خفیہ ایجنٹوں کا جال یورپ، جنوبی افریقہ، ہانگ کانگ، جاپان اور لاطینی امریکہ تک پھیلادیا۔ مذکورہ جگہوں پر ایک بڑی یہودی کمیونٹی آباد تھی۔

اس کا طریقہ کار بالکل اسی طرح تھا جیسے وہ ایک جاسوس یا دہشت گرد کو پکڑنے کیلئے اختیار کرتے تھے۔

لندن اور پیرس کے مشہور یہودی اداروں میں خفیہ نگرانی شروع کر دی گئی۔

ایک روز لندن میں ایک مشہور آرتھوڈکس یہودی ربی کو پیرس کی ایک یہودی فیملی نے اپنے ایک بچے کے تختے کیلئے دعوت دی۔ اسے موٹی تازی فیس کے علاوہ سفر کے تمام اخراجات دینے کا وعدہ کیا گیا۔ وہ دوسرے دن ایک طیارے کے ذریعے فرانسیسی دار الحکومت پہنچا۔ اترپورٹ پر مذکورہ یہودی اسے ملے۔ وہ اسے چائے کے بہانے ایک کیفے لے گئے جو دراصل پیرس کے بازار حسن میں واقع تھا۔ وہ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ اچانک دو نیم برہنہ طوائفیں ایک دروازے سے نمودار ہوئیں۔ وہ بارش ربی کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں لپٹ گئیں۔ ربی بڑا گھبراہٹا کہ یہ کیا فحش حرکت ہو رہی ہے آخر وہ ایک مذہبی کمیونٹی کا "مقدس" راہب تھا۔ موساد کے ایجنٹوں نے فوراً ایک پولو رائڈ کیرے سے اس کی اسی حالت میں تصویریں اتار ڈالیں۔ انہوں نے ربی کو یہ تصویریں دیکھاتے ہوئے کہا "اگر تم ہمیں جوزف کا پتہ نہیں بتاؤ گے تو ہم یہ تصاویر صبح تمام اخباروں میں شائع کر دیں گے۔"

”اس کے علاوہ ہم یہ تصاویر لندن میں تمہارے عبادت خانے کے لوگوں میں بھی تقسیم کر دیں گے۔ ربی نے عاجزی سے کہا ”خدا کیلئے مجھے معاف کر دو مجھے بالکل کچھ پتہ نہیں ہے“ آخر بڑی بحث کے بعد وہ اپنے میزبانوں کو قائل کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ اسے واقعی کچھ پتہ نہیں ہے۔ موساد کے ایجنٹ ناکام ہو کر جو بی کیفیٹے سے لٹکنے لگے تو ربی نے آواز دے کر کہا ”ارے تم نے اس بچے کے غصے نہیں کروائے؟“ اس کے بعد وہ ایک دوسرے جہاز سے واپس لندن چلا گیا۔ مگر آج تک وہ موساد کی یہ زیادتی بھولا نہیں ہے۔

مسلل کئی ماہ گزرنے کے باوجود اسرائیلی سیکرٹ سروس کوئی خاطر خواہ پیش رفت نہ کر سکی۔ ایجنٹوں کا مورال کافی گر چکا تھا۔ اسکے علاوہ موساد کے بجٹ کا خاصا حصہ جوزف کی تلاش پر خرچ ہو چکا تھا۔ لیکن اس سب کچھ کے باوجود اسرل ہیرل نے ہمت نہ ہاری۔ وہ بن گوریان کے پاس خالی ہاتھ نہیں جانا چاہتا تھا۔

بالآخر پانچ ماہ بعد امید کی کرن دیکھا دی۔ موساد نے اسرائیلی ملٹری سنسر (Military Censor) کو درخواست کی کہ وہ اسرائیل کے تمام یہودی مذہبی اداروں کو بیرون ملک آنے جانے والی ڈاک کو کھول کر دیکھنا شروع کرے۔ ان میں جوزف کا اگر کہیں معمولی سا بھی ذکر نظر آئے تو موساد کو اطلاع دے دی جائے۔

تھوڑے ہی دنوں میں اس ادارے نے ایک خط کھولا جو موساد کیلئے تلاش کی بالکل نئی اور صحیح سمت میں راہنمائی کا باعث بنا۔ یہ خط ایک اسرائیلی فوجی نے برسلز میں مقیم اپنی ماں کو لکھا تھا۔ خط میں ویسے تو عام گھریلو باتیں لکھی ہوئی تھیں مگر عین درمیان میں ایک جملہ لکھا ہوا تھا جو خط کے متن سے بالکل الگ تھلگ تھا۔ ”اور لڑکا کیسا ہے؟“

اسرل ہیرل نے جب یہ خط پڑھا تو وہ خوشی سے اچھل پڑا۔ اس نے فوراً اپنے ایک ماتحت کو کہا ہماری مشکل آسان ہو رہی ہے۔ برسلز میں اس عورت کو پکڑو۔ لڑکا اسی کے پاس ہے۔

فوراً ہی ایک درجن کے قریب ایجنٹ یورپ روانہ کر دیئے گئے۔ وہ مذکورہ پتے پر پہنچے تو پتہ چلا کہ وہ خاتون حال ہی میں فرانس منتقل ہو گئی ہے۔ وہاں بھی اسے ڈھونڈ لیا گیا۔ وہ (Aixles Bains) شہر میں مقیم تھی۔ موساد کے متعدد کارندے سائپوں کی طرح اس کے مکان کے ارد گرد منڈلانے لگے۔ وہ مسلسل کئی روز اسکی گرانی کرتے رہے۔

ایک دن وہ ایک ٹی سی او گئی جہاں اس نے لندن کیلئے ایک کال بک کرائی۔ ٹی سی او کے کلرک کو اس شخص کا نام بتایا جسے وہ فون کرنے والی تھی۔ موساد کا ایک آدمی اسکے پیچھے کھڑا تھا۔ اس نے فون نمبر اور نام نوٹ کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی کال مل گئی۔ موساد کے آدمیوں نے اس کی گفتگو بڑے غور سے سنی۔ وہ فون کر کے باہر آئی اور اپنی کار میں بیٹھ کر وہاں سے چل پڑی۔ اسرائیلی ایجنٹ بھی ایک دوسری کار میں اس کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ عورت بڑی سپیڈ میں گاڑی چلا رہی تھی۔ موساد کے آدمیوں کو پیچھا کرنے میں بڑی دقت پیش آرہی تھی۔ وہ زیادہ قریب بھی نہیں جانا چاہتے تھے۔ کیونکہ اس طرح اسے شک پڑ سکتا تھا کہ کوئی اس کا تعاقب کر رہا ہے۔

لیکن جلد ہی ایک لمبی سرنگ سے گزرنے کے بعد وہ ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

ادھر لندن میں انگلی صبح دو افراد نے جوزف ڈومب کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ یہ شخص ہیرے جواہرات کی تجارت کرتا تھا۔ کچھلی شب اس عورت نے اسی کوفون کیا تھا۔ اس کا تعلق بھی ایک کٹر یہودی فرقے Satmar سے تھا۔ جو اسرائیل اور صہیونیت کے خلاف تھا۔ ایکٹوں نے اس سے براہ راست جوزف کے بارے میں پوچھا کہ وہ کہاں ہے۔ یہ سنتے ہی وہ سخت غصے میں آ گیا۔ اور کہنے لگا ”فورا میرے گھر سے نکل جاؤ ورنہ ابھی پولیس کو بلاتا ہوں“ موساد کے آدمی ناکام ہو کر چلے گئے۔

اسرل ہیرل ایک طیارے میں پیرس پہنچ رہا تھا۔ وہ اس آپریشن کی براہ راست نگرانی کیلئے آ رہا تھا۔ دوران پرواز وہ زیادہ تر اس عورت کی فائل کا مطالعہ کرتا رہا۔

میڈیلین (Madeleine) نیل آنکھوں والی ایک حسین عورت تھی۔ دوسری جنگ عظیم میں جب جرمنی نے فرانس پر قبضہ کیا تو وہ فرانسیسی مزاحمتی فوج کے شانہ بشانہ جنگ میں شریک ہوئی۔ نازی فوج کے آدمی یہودی عورتوں، مردوں اور بچوں کو ٹرینوں میں لاد کر پولینڈ کے سب سے بڑے کن سنٹریشن کیمپ آش وڈ پہنچا رہے تھے۔ میڈیلین نے اس دوران بے شمار یہودی خاندانوں کو نازیوں کے گرفت سے بچنے میں مدد فراہم کی۔ جنگ کے بعد اسے فرینچ حکومت نے اعلیٰ ترین فوجی اعزاز سے نوازا۔

وہ فرانس کے ایک امیر ترین خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ اس نے یونیورسٹی لیول تک تعلیم حاصل کی تھی۔ بیش قیمت اور فیشن ایبل لباس پہننے وہ پیرس کی اعلیٰ سوسائٹی میں چمکتی پھرتی تھی۔

جنگ کے بعد اس نے ایک کیتھولک عیسائی لڑکے کیساتھ شادی کر لی۔ ان کا ایک بیٹا بھی پیدا ہوا جس کا انہوں نے کلاڈ نام رکھا۔ جیسا کہ جنگ کے زمانے میں وہ یہودیوں کے بہت قریب رہی تھی لہذا ان لوگوں کیساتھ اس کا ایک ذہنی تعلق ساقائم ہو گیا تھا۔ وہ یہودی مذہب کی طرف راغب ہو گئی۔ اور اسکی یہی رغبت اپنے شوہر سے طلاق لینے پر منتج ہو گئی۔

اس نے ایک نوجوان یہودی ربی کیساتھ ۱۹۵۱ء میں شادی کر لی۔ وہ اپنے نئے شوہر اور بیٹے کے ہمراہ اسرائیل چلی گئی۔ میڈیلین نے اپنا نام بھی یہودی طرز پر رتھ بن ڈیوڈ رکھ لیا۔ انہوں نے یروشلم میں انتہا پسند یہودی کمیونی کے علاقے میں رہائش اختیار کر لی۔ وہ اب یہودی عبادات اور رسومات کی سختی سے پابندی کرنے لگی۔ یہودی مذہبی لباس ہر وقت پہننے رکھتی۔ اس نے اپنے بیٹے کا بھی نام بدل کر Ariel کر دیا۔ وہ کچھ عرصہ اسرائیل میں رہنے کے بعد دوبارہ فرانس منتقل ہو گئی۔

موساد نے اسرائیلی انٹیلیجنس ڈیپارٹمنٹ سے جب اس عورت کے متعلق دریافت کیا تو پتہ چلا کہ جس سال جوزف کو غائب کیا گیا تھا۔ یہ دومرتبہ اسرائیل آئی تھی۔

پیرس پہنچتے ہی اسرل ہیرل نے ایک معمولی سے ہوٹل میں کمرہ بک کیا۔ وہ دو تین دن تک اپنے آدمیوں کیساتھ میڈیلین کے متعلق بحث کرتا رہا۔

آپریشن ٹائیگر اب مکمل جاسوسی مشن کی طرز اختیار کر چکا تھا۔ موساد کے چالیس ایجنٹ دن رات جوزف کی تلاش میں سرگرداں تھے وہ

عورت اپنا مکان تبدیل کر کے کہیں اور شفٹ ہو چکی تھی۔ شاید اسے شک ہو گیا تھا کہ کوئی اس کی نگرانی کر رہا ہے۔

لیکن انہیں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ قسمت بھی موساد کے ساتھ بڑی مدد کر رہی تھی۔ ایک ایجنٹ کے ذمہ روزانہ پیرس کے تمام اخبارات کا بغور مطالعہ کرنا تھا۔ اسے ایک دن ایک روزنامے میں ایک اشتہار نظر آیا۔ یہ ایک مکان کے متعلق تھا۔ جو پیرس کے مضافات میں واقع تھا اور اسے ایک خاتون فروخت کرنا چاہتی تھی اور وہ موساد کی مطلوبہ خاتون میڈملین تھی۔

اشتہار چھپنے کے محض چند ہی گھنٹوں بعد اسے دو ”جرمن“ باشندوں نے فون پر اطلاع دی کہ وہ اس مکان اپنی فرم کیلئے خریدنا چاہتے ہیں۔ میڈملین نے رضامندی ظاہر کرتے ہوئے انہیں مکان دیکھانے کیلئے آنے کی دعوت دی۔

وہ ان دونوں ممکنہ خریداروں کو اپنی کار میں مکان دیکھانے لے گئی۔ مکان پیرس کے مضافات میں تھا۔

وہ انہیں مکان کے مختلف حصے دیکھا رہی تھی کہ اچانک ایک شخص نے مین گیٹ زور سے بند کر دیا۔ میڈملین نے گھبرا کر کہا ”دروازہ کیوں بند کیا ہے“ اس پر موساد کے شخص نے کہا ”فی الحال تم باہر نہیں جاسکتی تمہیں ہمارے چند سوالات کا جواب دینا ہوگا۔ ان میں سے ایک دوسرے آدمی نے اپنے وائرس سے اسرل ہیرل کو اطلاع دی کہ ”عورت“ ان کے زیر حراست ہے۔ اسرل ہیرل پیرس میں اسرائیلی سفارت خانے میں موجود تھا۔ اس نے فوراً اپنا ایک تجربہ کار افسر پوچھ گچھ کیلئے روانہ کیا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے نازی کرٹل ”شٹین“ سے تل ابیب میں دوران حراست پوچھ گچھ کی تھی۔ پھر اس نے تل ابیب میں شین بت (Shin Bet) (محکمہ سراغ رسانی) کے سربراہ کو ایک خفیہ پیغام بھیجا۔

اس کے کچھ ہی گھنٹوں بعد شین دھجھ والے میڈملین کے بیٹے اریل کو پکڑ کر لے گئے۔

میڈملین پوچھ گچھ کے دوران سخت مزاحمت کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ شاید یہ صورت حال اسکے لیے انتہائی معمولی تھی۔ وہ تو نازی آرمی اور جرمن سیکرٹ پولیس گسٹاپو سے ماضی میں ٹکر لے چکی تھی۔

وہ جوزف کے بارے میں مسلسل چار گھنٹوں سے کہہ رہی تھی ”میں تم لوگوں کو اس کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں بتاؤں گی“ آخر کرتے کرتے اڑتالیس گھنٹے گزر گئے مگر وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے۔

ادھر تل ابیب میں اسکا بیٹا شاید اتنی مضبوط قوت ارادی کا مالک نہیں تھا۔ اس نے تھوڑی دیر کی پوچھ گچھ میں اعتراف کر لیا کہ جوزف کو اسرائیل سے یورپ سگل کرنے میں انکی ماں نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ میڈملین کو موساد کے آدمیوں نے دھمکی بھی دی کہ تل ابیب میں اسکا بیٹا زیر حراست ہے اگر تم تعاون نہیں کرو گی تو ہم اسے سخت سزا دیں گے مگر اس بات کا اس پر کچھ اثر ہی نہیں ہوا۔

آخر کار اسرل ہیرل کو اطلاع دی گئی کہ ”عورت“ کسی طرح بھی تعاون پر آمادہ نہیں ہو رہی۔ تھوڑی ہی بعد اسرل ہیرل اپنے سفارت خانے سے ایک عام ٹیکسی میں بیٹھ کر اس مکان پر پہنچا۔

اسرل ہیرل تھوڑی دیر عورت کے سامنے خاموش کھڑا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ اس کے قریب جا کر کہنے لگا۔

”دیکھو تم بھی ایک ماں ہو اور یہ بچہ جسے تم غائب کر چکی ہو اس کی بھی ایک ماں ہے اور وہ ماں بالکل اسی طرح اس بچہ کیساتھ محبت کرتی

ہے جس طرح تم اپنے بیٹے کیساتھ کرتی ہو۔ اور اس ماں نے تین سال سے اپنے بچے کا منہ نہیں دیکھا۔ یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ تم نے کتنا بڑا ظلم کیا ہے۔ کیا تمہیں اس کا احساس ہے؟“

میڈملین نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ”کیا تم ثبوت دے سکتے ہو کہ تم واقعی اسرائیلی حکومت کے صحیح نمائندے ہو؟“
اس نے بلا توقف اپنا سفارتی پاسپورٹ جس پر اس کا اصل نام درج تھا اس کے سامنے میز پر پھینک دیا۔ کمرے میں موجود ایجنٹ انتہائی حیران رہ گئے۔ وجہ یہ تھی کہ وہ ہمیشہ جعلی دستاویزات اور پاسپورٹ مختلف ملکوں میں سرایت کرنے کے لئے استعمال کرتے تھے۔ ان کی زندگی پر اسرار سایوں کی مانند تھی۔ ان کی اپنی شناخت ہمیشہ اندھیرے میں رہتی تھی۔ تھوڑی دیر کیلئے کمرے میں گہری خاموشی چھا گئی۔
موسا و میڈملین کو توڑنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔ اب وہ رو رہی تھی۔

اس نے شروع سے لکھڑا حرکت جوزف کی یورپ اور پھر امریکہ منتقلی کی کہانی سنائی۔
کچھ انتہا پسند یہودی رییوں نے میڈملین سے درخواست کی تھی کہ وہ بچے کو یورپ منتقل کر دے۔ وہ اس سلسلے میں حیفہ (اسرائیل) ایک عام سیاح کے روپ میں آئی۔ بحری سفر کے دوران اس نے ایک یہودی مہاجر خاندان کے ساتھ گپ شپ لگائی۔ حیفہ کی بندرگاہ پر اترتے وقت اس نے خاندان کی ایک نوسالہ بچی جس کے سنہرے بال تھے کا ہاتھ پکڑ لیا۔ امیگریشن سے گزرتے وقت اس نے بڑی چالاکی کیساتھ یہ تاثر پیدا کیا کہ بچی اس کی اپنی بیٹی ہے۔

اس کے پاسپورٹ میں اس کے بیٹے کا نام کلاؤ تھا جسے بڑی مہارت سے اس نے کلاؤین بنا دیا تھا۔ امیگریشن آفیسر نے بھی اپنی نوٹ بک میں نوٹ کیا کہ فرانسیسی خاتون کیساتھ بیٹی تھی۔

واپسی پر جب وہ زیورخ کی پرواز پر بیٹھ رہی تھی تو اُس نے جوزف کوڑکیوں کا لباس پہنایا ہوا تھا اور اس کے علاوہ اس نے اس کے بالوں کو سنہرہ رنگ دیا تھا۔ کسی کو شک نہیں ہوا کہ یہ خاتون لڑکے کو ساتھ لے جا رہی ہے۔

جوزف کو کچھ عرصہ کیلئے سوئٹزر لینڈ کے ایک یہودی مذہبی سکول میں داخل کیا گیا۔ لیکن جب موسا نے تلاش کا دائرہ یورپ تک پھیلا یا تو میڈملین اسے برسلو کے راستے فرانس لے گئی۔ لیکن یہاں بھی اسرائیلی ایجنٹ اس کی پوچھ گچھ پھر رہے تھے۔

میڈملین نے خطرہ محسوس کرتے ہوئے اسے نیویارک منتقل کر نیا ک فیصلہ کیا۔ وہ بچے کے ہمراہ ایک پرواز سے نیویارک روانہ ہوئی۔ وہاں بروکلن (Brooklyn) میں ایک کٹر مذہبی یہودی فیملی کے پاس جوزف کو چھوڑ آئی۔

”اب وہ وہاں ہے“ میڈملین نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میں آپ لوگوں کو مکمل پتہ دیتی ہوں“

یہ ستمبر ۱۹۶۲ء تھا اور جوزف کو غائب ہونے پورے دو سال اور دس ماہ ہو چکے تھے۔
نیویارک میں امریکی انٹارنی جنرل رابرٹ کنیڈی کو اسرہیل نے تل ابیب سے ایک ارجنٹ ٹیلیفون کال میں کہا ”میرے آدمی نیویارک پہنچ رہے ہیں۔ وہ جوزف کو لینے آ رہے ہیں۔ آپ کا تعاون درکار ہے“ اور اس کے ساتھ ٹیلیفون بند ہو گیا۔ رابرٹ کنیڈی انتہائی حیران و پریشان تھا

کہ موساد کس کی اجازت سے امریکہ میں اپنا مشن مکمل کرنا چاہتی ہے۔ جوزف کا کیا معاملہ ہے وغیرہ۔

راہٹ کنیڈی نے فوراً تل ابیب میں امریکی سفیر کے ساتھ رابطہ کیا۔ کچھ دیر بعد امریکی سفیر اسرائیلی وزیراعظم ڈیوڈ بن گوریان سے اسی سلسلے میں ملنے پر ائمہ سفر باؤس روانہ ہوا۔ واشنگٹن میں اسرائیلی سفیر کو جوزف کے معاملے کے متعلق تو پتہ تھا مگر اسرہیل کے خفیہ آپریشن کے بارے میں اسے معلومات نہیں تھی۔ اس نے اسرائیل فون کر کے اپنی حکومت کو امریکی تشویش کے بارے میں آگاہ کیا۔

ادھر امریکی سفیر جب پر ائمہ سفر باؤس پہنچا تو بن گوریان نے اپنے ملٹری سیکرٹری کو اس سے ملنے کو کہا۔ اس نے سفیر سے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ وزیراعظم کا بینہ کے ایک ضروری اجلاس میں مصروف ہیں لہذا آپ کی ملاقات کسی اور تاریخ کو کرادی جائے گی، دراصل بن گوریان اسرہیل کی کارروائی پر کسی کے ساتھ بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دوسری طرف اسرہیل بھی آؤٹ آف ٹیچ ہو چکا تھا کسی کو پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

رہا تھا۔ بچہ آنکھیں جھپکتا ہوا اس کے ساتھ بسنجر لاؤنچ آیا۔ تو وہاں انکے استقبال کیلئے پورا شہر امنڈ آیا تھا۔

لوگوں کے مجمع سے ذرا فاصلے پر کھڑی ایک کار کی کھڑکی سے گہری نیلی آنکھوں والا ایک شخص یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ اسرہیل بھی جوزف کو ولیم کہنے آیا تھا۔ وہ اپنی ان تھک کوششوں کا نتیجہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ آخر مسلسل آٹھ ماہ تک اس کے چالیس سے زائد ٹاپ ایجنٹ اس کی تلاش میں پورے براعظم یورپ کی خاک چھانٹتے رہے۔ موساد کا ۱۹۶۲ء میں تقریباً پورا بجٹ اس تلاش پر صرف ہوا۔ اسرہیل کچھ دیر بعد وہاں رکنے کے بعد سیدھا پرائم منسٹر ہاؤس روانہ ہوا۔

ویسے تو اس نے نیویارک سے ہی اپنے پاس کو اطلاع دے دی تھی کہ بچے کی شناخت ہو گئی ہے اور اب اس کی اسرائیل آمد کی خبر وہ بذات خود دینا چاہتا تھا۔

بن گوریان کو دیکھتے ہی اسرہیل نے خوشی سے کہا ”جوزف واپس اپنی ماں کے پاس پہنچ گیا ہے“

یہ سنتے ہی بوڑھا وزیراعظم فوراً اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

”مجھے بتاؤ یہ سب کیسے ہوا۔ وہ عورت کدھر گئی“

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

ہاربر انشورنس

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

Harbour Insurance

۱۹۸۵ء کے موسم گرما تک لیبیا کے کرمل قذافی مغربی ممالک کیلئے خوف و ہراس کی علامت بن چکے تھے۔ رونا لڈرنگین نے تو اس کے صدارتی محل پر ہوائی حملہ بھی کر لیا مگر قذافی بدستور اسرائیل کے خلاف پی ایل او اور دوسرے عرب ملکوں کو مہلک ہتھیار اور فٹ ذرا ہم کر تا رہا۔

موساد کیلئے لیبیا کے باشندوں کو دام میں پھنسانا نسبتاً ذرا مشکل رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لیبیائی شہری ملک سے بہت کم باہر جاتے ہیں۔

لیبیا کی دو بڑی بندرگاہیں ہیں۔ ایک اس کے دارالحکومت طرابلس میں اور دوسری طنجہ سورہ میں واقع شہر بن غازی میں ہے۔ اسرائیلی نیوی کی گشتی کشتیاں کافی عرصے سے بحیرہ روم میں لیبیائی نیوی کی نقل و حرکت کو باقاعدگی کیساتھ نوٹ کر رہی تھی۔

جبل الطارق اور اسرائیل کے درمیان بحری راستے کو اسرائیلی آکسیجن پائپ (Oxygen Pipe) سے تقصیہ دیتے تھے کیونکہ اس کے جہاز امریکہ اور یورپ کیساتھ تجارت کیلئے یہی روٹ استعمال کرتے تھے بلکہ آج بھی کرتے ہیں۔

۱۹۸۵ء میں بحیرہ روم کے جنوبی ساحل پر واقع ملکوں (مصر، عراق، تیونس اور الجزائر) کے ساتھ اسرائیل کے اچھے مراسم تھے مگر لیبیا کے ساتھ اس کی نہیں لگتی تھی۔

لیبیا کے پاس قدرے بڑی نیول فورس تھی۔ مگر وہ بھی مختلف مسائل سے دو چار تھی۔ ان کے جنگی جہاز مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے خراب سے خراب تر حالت میں تھے۔ ان کے پاس سویت ساختہ آب دوزیں تھیں۔ جو ساحل کے قریب سطح آب پر کھڑی رہتی تھیں۔ پتہ نہیں یا تو وہ اسے زیر سمندر لیجانے کی تکنیک سے واقف نہیں تھے یا پھر ویسے ہی اسے اہمیت نہیں دے رہے تھے۔ کم از کم دو مرتبہ اسرائیلی جاسوسی کشتیاں ان آب دوزوں کے بالکل پاس سے گزری تھیں۔ ہوتا تو یہ چاہیے تھا کہ دشمن کی کشتیاں دیکھتے ہی ان آب دوزوں کو فوراً سمندر میں غوطہ لگا کر ان پر حملہ کرتی مگر بجائے اس کے وہ چمک چمک کرتی بندرگاہ کی طرف بھاگ کھڑی ہوئیں۔

بحیرہ روم میں جزیرہ سلی (Sicily) میں اسرائیل نے اٹلی کے اشتراک سے ایک جاسوسی شیٹن قائم کیا ہوا تھا۔ اسرائیل کے ساحلی علاقے لیبیا کے زد میں تھے۔ یہاں ان کی بڑی صنعتی آبادی اور کالونیاں تھیں۔ وہ اسے (Soft belly) یعنی جنگی نقطہ نگاہ سے انتہائی حساس علاقہ سمجھتے تھے۔

لبنان میں پی ایل او (PLO) کے ہیڈ کوارٹر کو لیبیا بذریعہ سمندری جہاز وافر مقدار میں اسلحہ، گولہ و بارود مہیا کرتا تھا۔ یہ جہاز زیادہ تر (TNT) ٹی۔ این۔ ٹی سمندری روٹ یعنی طرابلس (لیبیا) سے طرابلس (لبنان) استعمال کرتے تھے۔

اسی دوران میں اسرائیل، لیبیا کے متعلق اہم معلومات اکٹھی کر رہا تھا اور چاڈ اس سلسلے میں اس کی مدد کر رہا تھا کیونکہ وسطی افریقہ کے اس ملک کی سرحدیں لیبیا سے ملتی تھی۔ لیبیا اور چاڈ کے آپس میں سخت سرحدی تنازعات چل رہے تھے۔

بن غازی اور طرابلس کی بندرگاہوں میں داخل اور روانہ ہونے والوں جہازوں کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھنے کیلئے موساد نے وہاں اپنے یورپی ایجنٹ تعینات کئے ہوئے تھے۔

وہ ایجنٹ ان جہازوں کی باقاعدہ تصویریں نکال کر انہیں بھیجتے رہتے تھے۔ اگر ان میں پی ایل او کیلئے ہتھیار جا رہے ہوتے تھے تو اس کی پیشگی اطلاع موساد کو اسی روز جریرہ سسلی میں موصول ہو جاتی تھی۔

موساد نے اپنی ایک میٹنگ میں فیصلہ کیا کہ لیبیا کی ان بندرگاہوں میں کام کرنے والے کسی ٹریفک کنٹرولر یا بندرگاہ کے ہاربر ماسٹر آفس میں تعینات کسی شخص کو ریکورڈ کیا جائے جو مختلف کارگو جہازوں کے نام اور مقامات کے متعلق صحیح معلومات فراہم کرے۔

کیونکہ ایک جہاز کو ڈوبنے یا اس پر کنٹرول حاصل کرنے کیلئے پہلے اس کے ٹھکانے اور وقت روانگی اور روٹ کا علم انتہائی ضروری ہوتا ہے۔ ان میں سے اکثر جہاز ساحل کے قریب لنگر انداز ہوتے تھے۔ جبکہ اسرائیلی سیکرٹ سروس ایسے ایریا میں جانے سے پرہیز کرتی تھی کیونکہ یہاں وہ لیبیائی ریڈار کی زد میں آ سکتے تھے۔

لیکن ساحل کے قریب کھڑے جہازوں کو ریڈار آسانی سے نہیں محسوس کر سکتا کیونکہ پہاڑوں اور دوسرے جہازوں کی وجہ سے ریڈار صحیح طور تعین نہیں کر سکتا کہ مذکورہ جہاز اپنا ہے یا کسی دوسرے ملک کا۔ ویسے بھی بحیرہ روم میں ہر وقت بحری جہازوں کی ٹریفک جاری رہتی تھی۔

امریکی چھان بین اور روسی بیڑا بھی مشقیں کرنا نظر آتا تھا۔ ان جہازوں پر اپنے ریڈار سسٹم نصب ہوتے تھے لہذا موساد کو اپنی کاروائی کے دوران میں سخت محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔

لیبیا کے اندر اس قسم کی حساس معلومات حاصل کرنا اور بندرگاہ پر کسی کو بھرتی کرنا اتنا آسان نہیں تھا۔ آخر اجلاس کے دوران موساد کے ایک ایجنٹ نے جو کسی زمانے میں تیونس اور الجزائر میں ایک فرانسیسی اخبار کارپورٹر رہ چکا تھا تجویز پیش کی کہ جہازوں کے نام اور ناٹم ٹیبل کی معلومات رکھنے والے شخص کا نام پتہ معلوم کرنے کیلئے متعلقہ بندرگاہ سے براہ راست ٹیلیفون پر رابطہ کیا جائے۔ یہ ایک ایسا آئیڈیاز تھا جو عام حالات میں نظر انداز ہو سکتا تھا لیکن موساد کے سینئر افسروں کو بے حد موزوں لگا۔ وہ سب اس بات پر متفق ہو گئے کہ مذکورہ کال پیرس میں قائم ایک انشورنس کمپنی جو ایک یہودی رضا کار کی ملکیت تھی کے دفتر سے کی جائے تاکہ اگر کوئی کال کوٹریں بھی کرے تو اسے نارمل پائے۔

پیرس میں ٹیلیفون کرنے سے پہلے ایک کشا (کیس افسر) نے ایک مکمل انشورنس ایجنٹ کا روپ دھارا۔ کمپنی کی عمارت میں اسے ایک دفتر اور سیکرٹری کی سہولت دی گئی۔ اس کے ساتھ ایک اور شخص تھا جو موساد کے پی ایل او ڈیسک کا انچارج تھا۔

انہوں نے ایک مقررہ دن لیبیا کی اس بندرگاہ کیساتھ ٹیلیفون پر بالآخر رابطہ کیا۔ جس شخص نے دوسری طرف فون اٹھایا تو وہ فرانسیسی نہیں

سمجھ رہا تھا لہذا اس نے اپنے ایک اور ساتھی کو بلایا جس نے کہا کہ فلاں صاحب یہاں کے انچارج ہیں مگر فی الحال دستیاب نہیں ہیں۔ آپ آدھے گھنٹے بعد دوبارہ رنگ کریں اور اس کے ساتھ ہی لائن کٹ گئی۔

کلسا (Katsa) نے جب دوبارہ فون ملایا تو متعلقہ باربر ماسٹر نے خود بات کی۔ اُس شخص نے اپنا تعارف کرایا کہ وہ ایک مشہور فریج باربر انشورنس کمپنی کا نمائندہ ہے۔ باربر ماسٹر نے کہا ”میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں“

دراصل ہمارے کچھ کلائنٹس (Clients) کے بحری جہاز آپ کی بندرگاہ پر آتے رہتے ہیں۔ ان کے انشورنس کمیو میں کچھ مسئلہ ہو رہا ہے ہمیں انکے کمیو براہ راست چیک کرنے میں ذرا دشواری کا سامنا ہے۔ لہذا ہمیں ان کے متعلق مزید معلومات درکار ہیں۔

آپ کو کس قسم کی معلومات درکار ہیں؟ مثال کے طور پر ہم جاننا چاہتے ہیں کہ ان جہازوں میں مرمت کا کام ہو رہا ہے یا نہیں ان پر کسی وقت مال لاداجا رہا ہے یا اتاراجا رہا ہے وغیرہ۔ جیسا کہ آپ کو پتہ ہے ہماری کمپنی کا کوئی نمائندہ آپ لوگوں کے ہاں موجود نہیں ہے لہذا ہم چاہتے

خرپے پرفرانس آیا۔

موساد سے ایک ہزار ڈالر ماہانہ دیتی تھی۔

ایک روز اس نے ایک جہاز کے متعلق اطلاع دی جو طرابلس کی بندرگاہ پر آدھی رات کے قریب لنگر انداز ہوا تھا۔ وہ جہاز پی ایل او کے ایک باغی دھڑے۔ ایونڈال گروپ کی ملکیت تھا۔ جہاز پر عسکری آلات اور کنڈے سے فائر ہونے والے طیارہ شکن میزائل لادے جا رہے تھے۔ اس کے علاوہ اور بہت سارے مہلک ہتھیار بھی لوڈ ہو رہے تھے۔ ہاربر ماسٹر نے موساد کو جہاز کی صحیح لوکیشن اور وقت روانگی بھی بتایا۔

۱۹۸۵ء کی ایک گرم رات دواسرائیلی میزائل بوٹس بحیرہ روم میں معمول کا گشت کرتی نظر آئیں۔

کچھ دیر بعد بجلی سے چلنے والی ایک آب دوز ان کے قریب پہنچی۔ چھ مسلح کمانڈوز کشتیوں سے نکل کر اس آب دوز میں منتقل ہوئے۔ انہوں نے غوطہ خوری کے سوٹ مع آکسیجن ٹینک پہن رکھے تھے۔ وہ آب دوز ایک بحری جہاز کے تعاقب میں چل پڑی جو بندرگاہ کی طرف جا رہا تھا۔ وہ کمانڈوز آب دوز سے باہر نکل آئے۔ انہوں نے مقناطیسی پلیٹوں (Magnatic Plates) کی مدد سے اپنے آب دوز کو جہاز کے فریم کیساتھ چپکا دیا۔ ان کے تحفظ کیلئے آب دوز بھی ساتھ ساتھ ایک مخصوص گہرائی میں چلتی رہی۔ موساد کو ہاربر ماسٹر کی زبانی یہ بھی پتہ چلا تھا کہ دن میں ہر پانچ گھنٹے بعد لیبیائی کوسٹ گارڈ بندرگاہ کی گشت پر نکلے ہیں اور جبکہ جگہ پینڈر گرینڈز (hand grenades) پھینک کر پانی میں زبردست اچھال پیدا کرتے ہیں تاکہ کسی ممکنہ غوطہ خورد دشمن کو شتم کیا جاسکے۔

موساد کے ایک کمانڈو جو پیرس سے ایک مرتبہ فون پر اس لیبیائی اہل کار سے بات کر رہا تھا۔ ایک دھماکہ کی آواز سن کر اس نے پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ تو اس نے بتایا کہ یہ ہماری معمولی سیکورٹی مشق ہے۔

اسرائیلی کمانڈوز لیبیائی نیوی کی اس مشق کے دوران اپنی آب دوز کے اندر ہی انتظار کرتے رہے۔ کچھ دیر بعد جب سمندر میں سکون آیا تو وہ اپنی آب دوز سے باہر نکل آئے۔ انہوں نے بیروت روانہ ہونے والے پی ایل او کے دو بحری جہازوں جو ہتھیاروں سے لدے ہوئے تھے کے زیر آب فرمیوں کیساتھ تباہ کن لیچ مائنز (Leech mines) چپکا دیئے۔

آپریشن کی تکمیل کے بعد اسرائیلی آب دوز جو نیوی واپسی کے سفر پر روانہ ہوئی۔ تو اس کے اندر آکسیجن کا ذخیرہ اچانک تیزی سے ختم ہو لگا اور اس کے ساتھ برقی طاقت فراہم کرنے والی بیٹری بھی جواب دے گئی۔ وہ فوراً آب دوز کے ایمرجنسی گیٹ کو کھول کر باہر آ گئے۔ انہوں نے خاص قسم کے سوٹ پہنے ہوئے تھے۔ جو بالکل غبارے کی طرح پھول گئے۔ یوں تمام کمانڈوز سطح آب پر نمودار ہوئے۔ ان کے لباس کے ساتھ ایک مخصوص قسم کا آلہ لگا ہوا تھا جو "SOS" کا خاموش ریڈیو سگنل ریلیکے کرنے لگا۔ اس کے چند ہی گھنٹوں بعد بحیرہ روم میں موجود ایک اسرائیلی جہتی لاٹچ جس نے یہ سگنل موصول کر لئے تھے ان کے قریب پہنچی۔ وہ سارے کمانڈوز اپنی لاٹچ میں بیٹھ کر ایک محفوظ مقام پر پہنچ گئے۔

اگلے روز جب لیبیائی ہاربر ماسٹر نے پیرس میں اسرائیلی افسر کو فون کیا تو اس کی آواز کپکپا رہی تھی۔ اس نے کہا "تمہیں یقین نہیں آئے گا کہ یہاں کوئی قیامت آ گئی ہے،" بھی کیا ہو گیا ہے؟ اسرائیلی نے مصنوعی حیرانگی سے پوچھا۔

”انہوں نے ہندرگاہ پر لنگر انداز دو جہازوں کو تباہ کر دیا ہے۔“
 ”کس نے تباہ کیا؟“

”یقیناً اسرائیل نے یہ کام کیا ہے۔“ مجھے معلوم نہیں انہوں نے کیسے ان جہازوں کا پتہ کیا ہے۔ خیر فکر نہیں کرو یہ دو جہاز آپ کی کمپنی کے پاس انشور نہیں تھے۔

وہ بار بار ماسٹر مزید اٹھارہ ماہ تک موسا کیلئے کام کرتا رہا۔ اس نے جاسوسی کے اس کھیل میں لاکھوں ڈالر کمائے۔ آخر ایک روز وہ اچانک غائب ہو گیا۔

اس کے فرار کے دوسرے روز اسرائیلی کا منڈو نے پی ایل او کے تین اور جہاز ڈبو دیے تھے۔

<http://kitaabghar.com>  <http://kitaabghar.com>

کرن کا مقبول ترین ناول

مرزا کے ممول نہ جائیں

شگفتہ بھٹی

قیمت: 350/-

☆ ایک ایسی معصوم اور سادہ دل لڑکی کی داستان۔ جو ایک ایسے شخص کی محبت میں گرفتار ہو گئی تھی جو شبن پرست ہی نہیں شبن کا سوداگر بھی تھا۔
 ☆ دولت اور شہرت کے نشے نے اس کے قدم ڈمکا دیے۔ جب آنکھ کھلی تو وہ جی دامان تھی۔
 ☆ خواہوں کی اس راہ گزری داستان جہاں قدم قدم پر آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی روشنیاں نکھری ہوئی ہیں مگر اس کے اختتام پر ایک گہری، اندھیری اور بولناک دلیل ہے۔ جس میں معصوم اور سادہ دل لڑکیوں کی شرم و حیا و معصیت نایاب کے گہر گم ہو جاتے ہیں۔
 ☆ ”شو بزنس“ کے چمکیلے اور روپیلے راستوں کی داستان، جہاں ہر سو ”شبن“ کی آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی روشنیاں نکھری ہیں دولت اور شہرت جہاں قدم قدم پر نچھاور ہونے کو تیار رہتی ہیں۔
 ☆ ان بندگیوں کی کہانی، جہاں آگے کوئی منزل ہوتی ہیں تا پھر پیچھے کوئی راستہ چھپتا ہے۔

اپنے قریبی بکسٹال یا ہاکر سے طلب فرمائیں

علی بکسٹال

نسبت روڈ، چوک میوہسپتال، لاہور۔

ناشر علی میاں پبلیکیشنز

۲۰۔ عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔

Ph: 7247414

براہ راست
منگوانے
کا پتہ

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

لیڈی ڈیان کا پراسرار قتل

<http://kitaabghar.com>

تقریباً دنیا کے ہر بڑے شہر میں موساد کے خفیہ اہل کاروں کیلئے آپریشن کے دوران یا ویسے ہی چھپنے کیلئے محفوظ پناگاہیں موجود ہوتی ہیں۔ جنہیں سیف ہاؤس کہتے ہیں۔ یہ مکان یا تو اسرائیلی حکومت نے کسی تیسرے فرد کے ذریعے کرائے پر یا طویل عرصے پر حاصل کئے ہوتے ہیں۔

پیرس میں موساد کے سیف ہاؤس میں ایک اسرائیلی ٹیکنیشن جو ابھی چند دن پہلے تل ابیب سے یہاں پہنچا تھا۔ مکان کے ٹیلی فون سیٹ کے ساتھ ایک خفیہ ریکارڈر منسلک کر رہا تھا یہ آلہ ہیڈ کوارٹر سے آنے والے احکامات یا بیانات کو محفوظ بنانے کیلئے موساد اپنے تمام سیف ہاؤس میں لگاتی ہے۔

موسیو مورس جون ۱۹۹۹ء میں اسی مکان میں ٹہرنے آیا۔ وہ بڑی روانی کیساتھ فرانسیسی بولتا تھا۔ اس کے آس پاس رہنے والے ہمسائے اکثر اس سے گلی میں ہی ہیلو ہائے کرتے رہتے تھے۔ ان میں سے اگر کوئی اُس سے اُس کے پیٹے کے بارے میں کبھی کبھار پوچھتا بھی تو وہ ہنس کر بڑی چالاکی کے ساتھ بات کو نال دیتا تھا۔ مورس موساد کا کنسٹیبل یعنی فیلڈ ایجنٹ تھا۔

وی۔ آئی۔ ٹی شخصیات کے ڈرائیور ہونے کے ناطے وہ ان کی سرگوشیاں سن سکتا تھا اور ان کے موڈ اور رویوں کو نوٹ کر سکتا تھا۔

ہنری پال کی نفسیاتی کیفیت کے بارے میں موسا دنے اپنے ایک دوسرے ایجنٹ کے ذریعے خوب معلومات حاصل کیں کہ وہ غیر شادی شدہ تھا اور ایک عام سے مکان میں اکیلا رہتا تھا۔ وہ شراب اور تیز رفتار موٹر سائیکل چلانے کا رسیا تھا۔ اسکے علاوہ اس کے پاپا راز یوں (Paparazzi) کے ساتھ خاص تعلقات تھے جو مشہور شخصیات کی فوٹو گرافی کرنے اپنی موٹر سائیکلوں پر ہوٹل کے ارد گرد منڈلاتے رہتے تھے۔ (پاپا ریزی فری لانس فوٹو گرافروں کو کہتے ہیں جو مشہور زمانہ شخصیات کی اکثر خفیہ تصاویر کھینچ کر انہیں مختلف اخبارات یا جرائد کے ہاتھوں منہ مانگی قیمت پر فروخت کرتے ہیں)۔ پال کبھی کبھار ان فوٹو گرافروں کیساتھ اکٹھے شراب نوشی بھی کیا کرتا تھا۔ وہ ان سے پیشگی رشوت لیکر انہیں مشہور شخصیات کی ہوٹل میں تصاویر اتارنے کے مواقع فراہم کرتا تھا۔ ہوٹل کی انتظامیہ کو اس بات کا قطعی علم نہیں تھا ورنہ وہ اسے ملازمت سے دستبردار کر چکی ہوتی۔

۲۱ کامرہ، ۱۰ کمراتہ، ۱۰ محقق، ۱۰ قمر، ۱۰ کچھ مغل، ۱۰ ذرا ہمر، ۱۰ نکامہ، ۱۰ جہانگیر، ۱۰

<http://kitabgah.com>

حادثے میں مرنے والوں میں لیڈی ڈیانہ، ڈوڈی الفائیڈ اور ہنری پال جبکہ انکا باڈی گارڈ شدید زخمی حالت میں پایا گیا۔

اس واقعے کے چند گھنٹے بعد مورس ایک پرواز کے ذریعے واپس تل ابیب پہنچ چکا تھا۔ اس پر اسرار حادثے نے چند ایسے سوالات جنم دیئے جس کا جواب شاید کبھی نہیں مل سکے گا۔ کیا مورس کا ہنری پال پر شدید باؤ اس حادثہ کا اصل محرک تھا۔ یا ہنری پال نے خود کو موساد کے پھنچے سے چھڑانے کیلئے جان بوجھ کر مر سڈیز کو ستون پر دے مارا تھا؟ یا یہ اس ہائی لیول سکون آور دوا کی مقدار کا اثر تھا جو اسکے خون میں پائی گئی؟ کیا وہ اکیلا اس روڈ ایکسڈنٹ کا ذمہ دار نہیں تھا؟ لیکن وہ تو خود ایک بے رحم اٹیلے جنس سروس کا شکار ہو چکا تھا۔

ڈوڈی الفائیڈ کے والد محمد الفائیڈ کو یقین تھا کہ اسکا بیٹا اور ڈیانہ حادثے میں نہیں مرے۔ بلکہ پوری منصوبہ بندی کیساتھ مروائے گئے ہیں۔ فروری ۱۹۹۸ میں اس نے کھلم کھلا ایک بیان دیتے ہوئے کہا یہ ہرگز حادثہ نہیں تھا۔ سچ کبھی چھپ نہیں سکتا۔ میڈیا مختلف قیاس آرائیاں کر رہا تھا۔ کوئی اس واقعے میں فریج اٹیلے جنس سروس کو ملوث کر رہا تھا تو کوئی سی۔ آئی۔ اے اور برطانوی سیکرٹ سروس کا نام لے رہا تھا۔ اسی سال جولائی میں

گیا۔ اُسی روز لندن سے محمد الفائیڈ نے ہنری پال کو فون پر ہدایات دیتے ہوئے کہا تم نے بہت احتیاط کے ساتھ گاڑی چلانا ہے اور یہ نہ بھولنا کہ تمہارے ذمہ مستقبل کے شاہِ برطانیہ کی ماں کی زندگی ہے اور میرا بیٹا بھی اس کے ہمراہ ہے۔

ہنری پال نے جوڑے کو پاپا ریزوں کی زد سے بچانے کیلئے دو اور گاڑیوں کا انتظام کیا تھا جو بظاہر شہزادی کو لیجا رہے ہوں گے۔ ان گاڑیوں کے نکلنے ہی وہ آرام سے اپنی مرسدیز میں انہیں لیکر نکلے گا۔

اتوار ۱۳ اگست۔ ہنری پال نے ہوٹل کی لابی سے اپنے موبائل فون پر ان دو گاڑیوں کو تیزی سے روانہ ہونے کا حکم دیا۔

19 AM : 00۔ ہوٹل سے دور شیج روور Range Rovers غراتے ہوئے تیزی سے نکلے۔ باہر منتظر پاپا ریزی (فوٹو گرافر)

کبھی لیڈی ڈیانا اور ڈوڈی ان گاڑیوں میں روانہ ہو گئے ہیں لہذا وہ اپنی موٹر سائیکلوں پر ان کے تعاقب میں چل پڑے۔

20 AM : 00۔ ہوٹل کی کچھیل طرف پال مرسدیز لیکر پہنچا یعنی شاہدوں کے مطابق اس کے چہرے پر شدید تباؤ کے اثرات صاف

دیکھائی دے رہے تھے۔

21 AM : 00۔ لیڈی ڈیانا اور ڈوڈی اور ان کا باڈی گارڈ کار میں بیٹھے تو پال تیزی سے ہوٹل کی حدود سے باہر کھلی شاہراہ پر نکل

آیا۔ ان کے نکلنے ہی ایک نامعلوم سفید رنگ کی فیٹ کار بھی ان کے پیچھے چل پڑی۔ اس کار میں فرانسیسی سیکرٹ سروس ڈی۔ ایس۔ ٹی کے دو افسر

سوار تھے۔ ڈی۔ ایس۔ ٹی فرانسیسی سب سے بڑی اور طاقتور خفیہ سروس ہے۔ اس کے کئی ہزار کارندے ہیں جو اندرونِ ملک اور فرانس سے باہر

سرگرم عمل رہتے ہیں۔

22 AM : 00۔ وہ سفید فیٹ راستے میں مرسدیز کو اوور ٹیک کرتی ہوئی ذرا آگے نکل گئی۔

22 AM : 00۔ مرسدیز انتہائی ہائی سپیڈ میں اُس زیر زمین گذرگاہ میں پہنچی۔ چند ہی سیکنڈ بعد ایک خوفناک تصادم سے وہاں ایک

گونج پیدا ہوئی اور مرسدیز مڑے تڑے دھات کا ڈھیر بن چکی تھی۔ ہنری پال اور ڈوڈی مر چکے تھے اور ڈیانا کی آخری سانسیں تھیں۔

حادثے کے چند لمحوں بعد وہ فیٹ کار شاہراہ سے اتر کر ایک گلی میں داخل ہوئی جہاں ایک میٹل کرشر ٹرک پہلے سے کھڑا تھا۔ وہ کار ٹرک

کے کرین نے اٹھا کر مشین میں ڈال دی۔ چند منٹوں بعد فیٹ کار کا قیمہ بن چکا تھا۔

کہتے ہیں کہ جائے حادثہ کے قریب فیٹ کار سے ایک لیڈر شعاع نکلی تھی جس سے ہنری پال کی آنکھیں چند ہی گھنٹوں میں اس کی

گاڑی نسل کے پلر سے جا ٹکرائی تھی۔

بہر حال اصل حقائق کیا تھے۔ یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا مگر یہ طے ہے کہ اس جوڑے کو برطانوی خفیہ ادارے نے دوست ملکوں کی

خفیہ ایجنسیوں کے ساتھ ملکر موت کی نیند سلا یا کہ نہ رہے ہانس نہ بچے ہانسری۔



کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

تابوت میں جاسوس

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

یہ اٹھارہ نومبر ۱۹۷۷ء کی ایک سرد شام کا ذکر ہے۔ روم کے فیومی سینٹر (Fiumicino) ائرپورٹ کے رن وے۔ ۶۰ پر مصری ائر لائن کا مسافر بردار جیٹ پرواز کیلئے تیار کھڑا تھا۔ کچھ اطالوی کسٹم کے اہلکار طیارے کے قریب کھڑے تھے۔ اتنے میں ہلکی بوند باندی شروع ہو گئی جس سے سردی کی لہر میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ کسٹم والے فوراً طیارے کے پڑ (Wing) کے نیچے ہو گئے۔ انہیں کوفت ہو رہی تھی کیونکہ مصری ائر لائن دو گھنٹے لیٹ ہو گئی تھی۔

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

اچانک ائر لائن کی ایک وین رن وے پر فٹل سپیڈ میں دوڑتی ہوئی جہاز کے قریب آ کر رک گئی۔ وین کی بریکیں اس قدر سخت لگیں کہ ٹائرز کی جینیں نکل گئیں۔ فرنٹ سیٹ سے دو مصری اچھل کر باہر نکلے۔ انہوں نے وین کا پچھلا دروازہ کھولا جہاں سے انہوں نے ایک لمبا سٹیل ٹرک نکالا۔ ٹرک پر فرانسیسی، انگریزی اور عربی زبان میں "Diplomatic Luggage" لکھا ہوا تھا۔

کتاب گھر کی پیشکش

ٹرک کا کافی بھاری معلوم ہو رہا تھا ایک مصری نے اطالوی کسٹم والوں کو مدد کیلئے کہا۔

پلیز جلدی کریں۔ جہاز بہت لیٹ ہو چکا ہے۔

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

خیال رہے ٹرک نیچے نہ گرنے پائے ایک مصری اپنے ساتھیوں کو چیخ کر کہہ رہا تھا۔ پھر اس نے عربی میں اپنے ساتھی کو کہا۔ ٹرک جانوروں کے سیکشن میں جائے گا مصری کو پتہ نہیں تھا کہ ایک کسٹم آفیسر روانی سے عربی بولتا تھا لیکن اس نے مصریوں کو یہ تاثر دیا کہ وہ عربی نہیں سمجھ سکتا لیکن وہ ٹک میں ضرور پڑ گیا کہ آخر ایک لمبا سٹیل ٹرک جس "Diplomatic Luggage" لکھا ہوا ہے۔ جانوروں کے خانے میں اوڑھ رہا ہے اسے عام سیکشن میں کیوں نہیں رکھا جاسکتا۔

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

مصری ابھی اس ٹرک کو جہاز پر چڑھا رہے تھے۔ کہ عربی جاننے والا اطالوی کسٹم آفیسر ٹھٹکا ہوا اکتے قریب چلا گیا اس نے ٹرک پر ایک اور عبارت بھی پڑھی:-

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

"Ministry of foreign affairs, Cairo, property of U.A.R Ambassador, Rome"

اصولاً اسے کسٹم والے چیک کر نیکاح نہیں رکھتے تھے ماسوائے مصری سفیر یا اس کے نمائندے کی موجودگی میں۔ دوسری طرف سفارتی ساز و سامان کیلئے وی آنا کنونشن کے مطابق قانون یہ تھا کہ ایسے سامان میں صرف سرکاری دستاویزات یا سفارت خانے میں استعمال ہونے والا میٹرل ہو سکتا ہے لیکن یہاں تو معاملہ آٹھ فٹ لمبے آٹنی ٹرک کا تھا۔ اتنے لمبے اور بھاری صندوق کو کم از کم کاغذات اور فائلیوں کیلئے استعمال نہیں کیا جاتا تھا۔ آخر نہایت خوش اخلاقی کیساتھ اس کسٹم آفیسر نے پوچھا جناب اس ٹرک میں کیا ہے؟ اس میں موسیقی کے آلات ہیں اور ہمارے سفیر

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

صاحب اسے قاہرہ بھیج رہے ہیں۔ ایک مصری نے لا پرواہی سے جواب دیا پھر اس نے عربی میں چلا کر اپنے ساتھیوں سے کہا۔ جلدی کرو اس مخصوص چیز کو جہاز پر چڑھاؤ مصری واضح طور حواس باختہ نظر آ رہے تھے۔ بارش ختم ہو چکی تھی۔

اطالوی کسٹم والے ان کے چروں پر اس سرد موسم میں بھی پسینہ دیکھ رہے تھے۔ آخر عربی جاننے والا کسٹم آفیسر آگے بڑھا۔ اس نے ٹرک کو ہاتھ سے ٹھونکا۔ ایک مصری نے فوراً اسے پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا ”دیکھتے نہیں ہو۔ سفارتی سامان ہے۔ اسے تم چیک نہیں کر سکتے“ لیکن کسٹم والا شائستگی کے دائرے میں رہتے ہوئے بھند تھا کہ وہ ٹرک کھولنا چاہتا ہے۔ اس کا دعویٰ تھا کہ ٹرک سے کوئی عجیب سی آواز آ رہی ہے۔ آخر اس نے غصے میں مصریوں سے کہا ”ہٹ جاؤ اسے ہم ضرور چیک کریں گے۔ اس نے ٹرک کیساتھ اپنا کان لگایا تو اب آوازیں اور بھی صاف سنائی دے رہی تھیں۔ ٹرک سے کوئی فرانسیسی، اطالوی اور انگریزی میں مدد کے لئے چلا رہا تھا:

”مدد! مدد! بچاؤ بچاؤ! یہ قاتل ہیں“

اس کے بعد کسٹم انچارج نے کنٹرول ٹاور کو اپنے وائرلس سے اطلاع دی کہ مصری ائیر لائن کے سامان میں کچھ گڑبڑ ہے لہذا اس جہاز کو پرواز کی اجازت ابھی نہ دیں۔ پھر اس نے ذرا فاصلے پر کھڑے اپنے ساتھیوں کو آوازیں دی کہ اس نے ٹرک میں عجیب میوزیکل چیز دریافت کی ہے۔ ابھی وہ یہ بات کر رہا تھا کہ ایک مصری نے تیزی سے ٹرک دوبارہ پاس کھڑی وین میں ڈالا اور انتہائی سپیڈ میں ائیر پورٹ کے بیرونی گیٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔ کسٹم کے آدمیوں کا رد عمل بھی تیز تھا۔ انہوں نے ایک پیدل بھاگنے والے مصری کو زمین پر گر کر گرفتار کر لیا۔ پھر وہ اپنی سرخ الفا رومیو جیب میں مصری وین کے تعاقب میں پوری قوت کیساتھ روانہ ہوئے۔

یہ کوئی کارلیس مقابلہ نہیں تھا۔ الفا رومیو فوراً اس وین کو جانچنے والے وین کو روکنے پر مجبور کیا گیا۔ وہ لوگ ہائی وے پر پہنچ چکے تھے۔ پولیس سٹیشن میں انہوں نے جونہی وہ ٹرک کھولا تو اندر سے کلوروفارم اور انسانی بدبو کا ایک غبار برآمد ہوا۔ ٹرک کے اندر ایک شخص رسیوں میں جکڑا ہوا بیٹھا تھا۔ اسے جب باہر نکالا گیا تو انتہائی کمزوری اور نشہ آوردہ کے اثر کی وجہ سے وہ اپنا توازن برقرار نہیں رکھ پا رہا تھا۔ اسے فوراً طبی امداد کیلئے ہسپتال بھیج دیا گیا۔

اڑتالیس گھنٹے بعد ”قیدی“ مکمل ہوش و حواس میں آیا تو اسے روم کے پولیس ہیڈ کو اڑٹھایا گیا جہاں اس نے اپنے متعلق تفصیل بتاتے ہوئے کہا ”میرا نام جوزف دبان ہے اور ۱۹۳۳ء میں مراکش میں پیدا ہوا ہوں لیکن اب اسرائیلی شہری ہوں۔“ اس کی جیب سے مراکش پاپیوٹ برآمد ہوا جو ۱۹۶۱ء میں جاری ہوا تھا۔

”میں چند دن پہلے روم پہنچا تھا“ دبان نے کہا ”میں ایک دن کیپٹن ڈی بیرس گیا جہاں میری چند مصری سفارت کاروں سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ وہ مجھے اس وقت سے جانتے ہیں جب میں مصری سفارت خانے میں بطور ترجمان کام کرتا تھا۔ انہوں نے میرے ساتھ کافی دیر گپ شپ لگائی اور ساتھ ہی مجھے کافی مقدار میں شراب بھی پلائی جس سے میں اپنے حوش و حواس کھو بیٹھا۔ پھر سب کے سامنے وہ مجھے سہارا دیکر ایک کار کی طرف لے گئے۔ جس میں بیٹھا کروہ مجھے شہر سے باہر ایک بڑے سے مکان میں لے گئے۔ پھر انہوں نے مجھے کوئی نشہ آوردہ پلائی اور تین

مرتبه کوئی انجکشن لگائے۔ مجھے جب ہوش آیا تو میں اس ٹریک میں مہری می کی طرح بند تھا۔

انہوں نے میرے منہ میں کپڑے کا گولہ ٹھونس رکھا تھا جو میں نے کسی طرح نکال دیا تھا اس کے بعد راز پورٹ میں میں مدد کیلئے چیخنے لگا اور یوں آپ لوگوں کو پتہ چل گیا۔

یہ ساری داستان سنانے کے باوجود اطالوی پولیس کو اس پر شک تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے یا کم از کم کچھ چھپا رہا ہے۔

پولیس نے اس سے پوچھا ”آخر تمہیں وہ کیوں انکار کر کے لے جا رہے تھے“۔ ان کی ملازمت کے دوران شائد میں ان کے فوجی راز کچھ زیادہ ہی جان گیا تھا۔ ان کو خدشہ تھا کہ یہ سب کچھ میں اسرائیلیوں کو افشا کر دوں گا“

پولیس نے ایک اور سوال کرتے ہوئے کہا ”ایک عام ترجمان اتنی ساری معلومات کیسے حاصل کر سکتا ہے؟“ اس پر جوزف دہان خاموش ہو گیا۔ اس کے بیانات میں بھی تضاد تھا۔ پہلے اس نے بتایا کہ وہ فرنگفٹ سے روم پہنچا تھا پھر کہنے لگا کہ نہیں وہ نیپلز سے آیا تھا۔ آنے کا مقصد روم میں ایک شخص سے اپنا قرض واپس لینا تھا۔ لیکن وہ اس شخص کا نام بتانے سے بھی گریز کر رہا تھا۔ پولیس کیلئے یہ شخص معصوم بن گیا تھا۔

پولیس ٹیشن سے باہر ایک اور مسئلہ کھڑا ہو گیا۔ مراکش اور اسرائیل کے سفارت خانوں نے بیانات جاری کر دیے کہ وہ اس شخص کو بالکل نہیں جانتے ہیں اور نہ ہی وہ ان کے ملک کا باقاعدہ شہری ہے۔ ادھر دنیا بھر کے اخبارات نے بھی عجیب و غریب کہانیاں شائع کیں۔ کسی نے لکھا کہ تاویٹ میں جاسوس دراصل ڈبل ایجنٹ تھا۔ ایک اخبار نے لکھا نہیں وہ ٹرپل ایجنٹ تھا وہ مراکش، مصر اور اسرائیل کے لئے بیک وقت جاسوسی کر رہا تھا۔

ان دو مصری سفارت کاروں کے نام، جو راز پورٹ میں گرفتار ہوئے تھے، اخباروں میں شائع ہوئے۔ ایک کا نام معصوم اور دوسرا کا سلیم عثمان السید تھا۔ انہیں فوراً ملک سے نکل جانے کا حکم دیا گیا۔

مصری سفیر ان الزامات سے اس قدر دل برداشتہ ہو گیا تھا کہ ٹھگ آ کر اس نے ایک بیان میں کہا:

"The trunk now in the hands of the Police is not ours, we have never seen it before. It was planted on our two senior diplomats by the Italians at the air-port. Our trunk contained harmless material. The Italian authorities placed the dangerous Israeli Joseph Dohan in the false coffin for their own obscure reasons."

مصری سفیر کے ان ریمارکس پر اطالوی گورنمنٹ بے حد برہم ہوئی اسے وزارت خارجہ طلب کر کے وضاحت کرنے کو کہا گیا کہ اس نے کس بنیاد پر اطالوی حکومت پر اس قدر غلط الزامات عائد کئے ہیں۔

ادھر اطالوی محکمہ سراغ رسانی کے پاس اس ہراسنا شخص کے متعلق کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ اس کے ایک ترجمان نے پریس کو صرف اتنا کہا کہ:

"The only certainty about Joseph Dohan is that he is not Joseph Dohan"

جوزف دہان کی سٹوری اب بین الاقوامی اخبارات اور جرائد میں اس کی تصاویر کیساتھ شائع ہو رہی تھی۔ اچانک تل ابیب کے قریب ایک

بستی میں ایک عورت نے دعویٰ کیا کہ یہ شخص جوزف دہان نہیں ہے۔ اس کا نام Louk ہے اور اس کا شوہر ہے جو اسے بچوں سمیت چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔ وہ عورت پولیس والوں سے کہہ رہی تھی کہ مجھے فوراً اس سے ملایا جائے میں نے اس کے ساتھ بات کرنی ہے۔

تاہم اطالوی محکمہ سراغ رسانی کے ہیڈ کوارٹر میں لوک Louk کی شخصیت اب پراسرار نہیں رہی تھی۔ ان کا موساد کیساتھ اب قریبی رابطہ تھا۔ لیکن فی الحال وہ اسے صیغہ راز میں رکھنا چاہتے تھے۔

موساد سب کچھ جانتی تھی۔ لوک ۱۹۴۹ء میں مراکش سے ہجرت کر کے اسرائیل آیا تھا۔ یہاں اس نے ایک سال فوج کی ملازمت کی تھی۔ وہ ایک بار رابرت کی کے جرم میں جیل کی سزا کاٹ چکا تھا۔ وہ اسرائیل میں زندگی سے اکتا چکا تھا۔ آخر تک آ کر ۱۹۶۱ء میں وہ سرحد عبور کر کے مصر میں داخل ہوا جہاں اس نے سیاسی پناہ کیلئے درخواست کی۔ مصریوں نے اسے جاسوس سمجھ کر جیل میں ڈال دیا۔

جیل میں اس نے دودھ اپنی کلائی کی رگ کھول کر خودکشی کی کوشش کی مگر بروقت اسے بچالیا گیا۔ ایک دن مصری سیکرٹ سروس نے اسے پٹیکش کی کہ اگر وہ ان کیلئے ”کام“ کرنے کیلئے راضی ہو تو اسے اچھا خاصا معاوضہ دیا جائے گا۔ لوک نے فوراً ہی حامی بھر لی۔

اس کے بعد اگلے چھ مہینے اس نے جاسوسی کی تربیت اور ٹیسٹ میں گزارے۔ اس کی وفاداری پر کھنے کیلئے مصریوں نے اس کو اپنے ریڈیو کی عمرانی سروس سے اسرائیل کے خلاف پروپیگنڈہ کرایا۔ وہ بیک وقت انگریزی، فرنچ، ہسپانوی اور عربی زبانیں روانی کیساتھ بولتا تھا۔ ۱۹۶۲ء میں اسے مکمل تربیت دیکر مغربی یورپ روانہ کیا گیا۔ اسکے کام کا دائرہ سوئٹزرلینڈ، جرمنی اور اٹلی تک پھیلا ہوا تھا۔ اسے ہدایات دی گئی کہ وہ موساد کے کارندوں کی شناخت کر کے ان کے نام، پتے اور خفیہ سرگرمیوں کے بارے میں معلومات فراہم کرے۔ اس کی ماہانہ تنخواہ 150 ڈالر رکھی گئی۔

اسے مصری پاسپورٹ فراہم کیا گیا جس میں اس کا نام محمد حمادی جبل درج تھا۔ اس کے سیاہ بالوں کو براؤن رنگ دیا گیا۔ اس نے اپنے جاسوسی کیریئر کا پہلا سفر دمشق کا کیا۔ وہاں اسے مصری انٹیلیجنس والوں نے مراکشی پاسپورٹ بھی دیا جس میں اس کا نام جوزف دہان تھا۔ لیکن مصری سیکرٹ سروس کو پتہ نہیں تھا کہ وہ جس شخص کو فیلڈ میں بھیج رہا ہے۔ اسکے ہر قدم اور حرکت کو موساد نوٹ کر رہی ہے۔ بلکہ وہ اس دن سے موساد کی نظر میں تھا جس روز وہ اسرائیل سے فرار ہو کر مصر میں داخل ہوا تھا۔ مغربی یورپ کے کسی بھی ملک میں اسے موساد پکڑ سکتی تھی مگر جیل کے بجائے وہ اسے فیلڈ میں زیادہ فائدہ مند سمجھ رہے تھے۔

تین سال تک وہ یورپ کے مختلف ملکوں میں زیر زمین سرگرمیوں میں مصروف رہا۔ ۱۹۶۲ء اور ۱۹۶۳ء کے درمیان وہ زیادہ تر زیورخ، میونخ اور فرکفرٹ میں رہا۔ ۱۹۶۴ء میں اسے میٹلر ٹرانسفر کیا گیا۔ یہاں اس نے اپنے مالکوں کیلئے مسائل پیدا کرنا شروع کئے۔ اس کی ایک وجہ تو اس کی انتہائی قلیل تنخواہ تھی۔ اپنی مالی حیثیت مستحکم کرنے کیلئے اس نے بطور ٹورگائیڈ کام شروع کیا۔ آخر ایک دن اس نے اپنے سپروائزر کیساتھ ملاقات میں واضح کر دیا کہ اس کی تنخواہ بڑھادی جائے ورنہ وہ کام کرنا چھوڑ دے گا اور اسکے علاوہ جو کچھ اس نے کہا وہ دھمکی کی شکل میں تھا۔ یعنی ”مجھے

تمہارے نیٹ ورک کا پورا علم ہو چکا ہے۔ میں یہ راز با آسانی مارکیٹ میں فروخت کر سکتا ہوں۔ اس کا خریدار آپ لوگ جانتے ہیں کہ کون ہوگا۔ مصری افسر نے اس کی ساری باتیں بڑے تحمل سے سنی۔ اسے اب اندازہ ہو گیا تھا کہ ایک غیر مطمئن جاسوس بڑے مسائل بھی پیدا کر سکتا ہے۔

آخر اس نے لووک کو کہا کہ وہ روم میں مصری سفارت خانے آئے تاکہ وہاں تفصیل سے اس کی تکالیف پر بحث کی جاسکے۔ لیکن لووک بھی کچی گولیاں نہیں کھیا تھا۔ اسے اچھی طرح پتہ تھا کہ مصری سفارت خانے میں قدم رکھنا مصری سرزمین پر قدم رکھنے کے مترادف تھا اور اگر وہ ایک بار وہاں چلا گیا تو اس کی خیر نہیں ہوگی۔ لہذا اس نے صاف انکار کر دیا۔ آخر مصریوں نے روم کے فیشن ایبل ریسٹوران، ڈی پیرس کی تجویز پیش کی۔ یہاں روم کی اعلیٰ سوسائٹی کے افراد کا ہر وقت ہجوم رہتا تھا۔ لووک کو یہ جگہ محفوظ اور مناسب لگی۔ اس نے حامی بھری۔

کینے ڈی پیرس میں مصری انٹیلی جنس کے تین آدمی اس کے استقبال کیلئے موجود تھے۔ جبکہ تین آدمی کینے کے باہر ایک کار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے میٹنگ میں اسے بتایا کہ اسکی فراہم کردہ معلومات ہمیشہ کیلئے کم درجے کی رہی ہیں۔ اس حساب سے اس کی تحفہ مناسب ہے۔ اسے انفارمیشن کی کوالٹی بڑھانے کو کہا گیا۔ ان باتوں کے دوران اسے شراب کے کئی گلاس پلائے گئے جس سے وہ ڈرنگ ہو گیا۔ اس کے بعد چند آدمیوں نے اسے سہارا دے کر اسے ایک کار میں بٹھا کر سیدھا مصری سفارت خانے پہنچایا جہاں اُسے بیہوشی کی حالت میں ایک تابوت میں بند کر دیا گیا۔

مصریوں کی اس کارروائی پر شروع سے لیکر آخر تک موساد کے ایجنٹ نظر رکھے ہوئے تھے۔ کینے سے نکلنے کے بعد وہ لووک کو مصر ایجنسی لے جا رہے تھے تو موساد کے ایجنٹوں نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ انہوں نے اسی وقت تل ابیب میں اپنے ہیڈ کوارٹر سے رابطہ کیا۔ وہاں سے انہیں حکم ملا کہ لووک کو مصر اغواء ہونے سے بچایا جائے۔

انہوں نے فوراً اطالوی محکمہ سراغ رسانی کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ پھر ان کے ساتھ ملکر مصری سفارت خانے کی نگرانی شروع کر دی۔ روم کے انٹرنیشنل ایئر پورٹ حکام کو خبردار کر دیا گیا کہ مصری سفارت خانے کے لوگ ایک شخص کو اغواء کرنے کی کوشش کریں گے۔ یہی وجہ تھی کہ اطالوی کسٹم والے الارٹ کھڑے تھے۔

میری جان بچائی۔ میں اپنے ملک، بیوی اور بچوں سے معافی چاہتا ہوں میں نے ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا ہے۔ میں ہر قسم کی سزا بھگتنے کو تیار ہوں۔ میں اپنی فیملی کیساتھ پریشانی زندگی کا آغاز کرنا چاہتا ہوں بشرطیکہ وہ مجھے معاف کر دیں۔ میں اصل میں پیٹھے کے لحاظ سے ایک ترکھان ہوں اور آج کے بعد میں یہی کام شروع کرنے والا ہوں۔

یوں چار نومبر کو لوک اسرائیلی ازل لائن ELAL کے فرسٹ کلاس سیکشن میں تل ابیب روانہ ہوا۔ اسرائیل پہنچتے ہی اس پر ایک عدالت نے مقدمہ شروع کیا اور اسے جرم ثابت ہونے پر تیرہ سال کی قید سنائی۔

جیل سے رہائی کے بعد وہ اب اسرائیل میں اپنی بیوی بچوں کیساتھ رہتا ہے اور وعدے کے مطابق اب صرف بڑھتی کام کرتا ہے۔ اس کا جاسوسی کیریئر ہمیشہ کیلئے ختم ہو چکا ہے۔

کاغذی قیامت

ہماری دنیا میں ایک ایسا کاغذ بھی موجود ہے جس کے گرد اس وقت پوری دنیا گھوم رہی ہے۔ اس کاغذ نے پوری دنیا کو پاگل بنا رکھا ہے۔ دیوانہ کر رکھا ہے۔ اس کاغذ کے لئے قتل ہوتے ہیں۔ عزتیں نیلام ہوتی ہیں۔ معصوم بچے دودھ کی ایک ایک بوتل کو ترستے ہیں۔ اور یہ کاغذ ہے کرنی نوٹ..... یہ ایسا کاغذ ہے جس پر حکومت کے اعتماد کی مہر لگی ہے۔ لیکن اگر یہ اعتماد ختم ہو جائے یا کر دیا جائے تو پھر کیا ہوگا؟ اس کاغذ کی اہمیت لیکن ختم ہو جائیگی اور یقین کیجئے پھر کاغذی قیامت برپا ہو جائے گی۔ جی ہاں! کاغذی قیامت.....

اور اس بار مجرموں نے اس اعتماد کو ختم کرنے کا مشن اپنا لیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے کاغذی قیامت پوری دنیا پر برپا ہو گئی۔ اس قیامت نے کیا کارخانہ اختیار کیا۔ پوری دنیا کی حکومتوں اور افراد کا کیا حشر ہوا؟ اسے روکنے کے لئے کیا کیا حربے اختیار کیے گئے۔ کیا مجرم اپنے اس خوفناک مشن میں کامیاب ہو گئے..... یا.....؟

اس کہانی کی ہر ہر سطر میں خوفناک ایکشن اور اس کے لفظ لفظ میں اعصاب شکن سنسن موجود ہے۔ یہ ایک ایسی کہانی ہے جو یقیناً اس سے پہلے صفحہ قرطاس پر نہیں ابھری۔ اس کہانی کا پلاٹ اس قدر منفرد ہے کہ پہلے دنیا بھر کے جاسوسی ادب میں کہیں نظر نہیں آیا۔ **عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس** نے اس کہانی میں کیا کردار ادا کیا ہے جہاں دنیا بھر کی حکومتیں اور سیکرٹ سروسز خوف و دہشت سے کانپ رہی ہوں جہاں موت کے بے ہیاکتہ جڑوں نے دنیا میں بسنے والے ہر فرد کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہو۔ **عمران** اور **سیکرٹ سروس** کے جیالوں نے کیا رنگ دکھائے۔ یہ **عمران** کی زندگی کا وہ لافانی اور ناقابل فراموش کارنامہ ہے کہ جس پر آج بھی **عمران** کو فخر ہے اور کیوں نہ ہو، یہ کارنامہ ہے ہی ایسا.....

کاغذی قیامت کتاب گھر کے جاسوسی ناول سیکشن میں دیکھا جاسکتا ہے۔

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

آپریشن یورینیم شپ

Operation Urinium Ship

اسرائیل نے 1950ء کی دہائی میں ایٹمی ہتھیار بنانے کیلئے تنگ دودشروع کی تھی۔ اس مقصد کیلئے اُس نے نیوکلیری ایکٹر اور یورینیم کے حصول کیلئے فرانس سے رابطے شروع کئے۔ لیکن یہاں ایک مسئلہ یہ تھا کہ فرانس نیوکلیر کلب کا مستقبل رکن تھا جس میں اس کے علاوہ امریکہ، سویت یونین برطانیہ اور چین شامل تھے کلب کے قانون کے مطابق یہ ٹیکنالوجی اُن کے علاوہ دنیا کے کسی ملک کو منتقل نہیں کی جاسکتی تھی کیونکہ اس سے ایٹمی ہتھیاروں کی بے لگام دودشروع ہونے کا خطرہ تھا۔

اسرائیلی وزیراعظم ڈیوڈ بن گوریان نے ایک مرتبہ ایک اخباری پریس کانفرنس میں کہا تھا "اسرائیل کو اپنی دفاع اور بقا کیلئے ایٹم بم کی اشد ضرورت ہے کیونکہ ہم نہیں چاہتے ہیں کہ یہودی نسل ایک بار پھر بھیڑ بکریوں کی طرح قصائیوں کے ہتے چڑھ جائے۔ کچھ عرصے بعد اسرائیل نے اپنے صحرائیو Negeve میں ڈیمونا (Dimona) نیوکلیر پلانٹ کی بنیاد رکھ دی۔ سرکاری سطح پر تشہیر کی گئی کہ یہ پلانٹ زرعی ریسرچ کیلئے تعمیر ہو رہا ہے۔ ڈیوڈ برگ مین جو سابقہ جرمن یہودی سائنسدان تھا، اُس نے آٹھ دس ذہین ترین یہودی ماہرین کو ساتھ ملا کر اس پروجیکٹ پر کام شروع کیا۔ ڈیوڈ برگ مین مشہور عالم سائنسدان البرٹ آئن سٹائن کے ساتھ کام کر چکا تھا۔ اس کے بعد اسرائیل نے ایک مرتبہ پھر در پردہ فرانس کیساتھ ایٹمی ری ایکٹر کیلئے گفت و شنید شروع کی۔ بالآخر 1956ء میں فرانس نے اسرائیل کو چوٹیس میگا واٹ کا طاقتور ری ایکٹر جمع وافر مقدار میں یورینیم اور ماہرین فراہم کر دیا۔

یہ منصوبہ انتہائی رازداری میں شروع ہوا۔ موساد اور شین بتھ (Shin Beth) نے پلانٹ کے ارد گرد ایریا میں سخت حفاظتی انتظامات کا بندوبست کیا۔ اس کے ارد گرد جگہ ایٹمی انزکرافٹ گنیں نصب کی گئیں۔ اسرائیلی آرمی پلانٹ کی حفاظت کیلئے اس قدر حساس تھی کہ ایک مرتبہ تو اس نے اپنی ہی انفرورس کے ایک میراج لڑاکا طیارے کو مار گرا دیا تھا۔ یہ طیارہ اپنے کسی مشن سے واپسی پر غلطی سے پلانٹ کی فضائی حدود میں نکل آیا تھا۔ آرمی والے سمجھے کہ شاید یہ دشمن طیارہ ہے۔ اور پلانٹ پر حملہ کرنے آیا ہے۔

اسرائیل نے اس پراجیکٹ کو صیغہ راز میں رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن امریکہ اور سویت یونین کو اس کا پتہ چل چکا تھا۔ 1960ء میں ایک امریکی جاسوس طیارے (U-2) نے انتہائی بلندی سے ان تنصیبات کی فوٹو گرافی کی تھی۔ امریکی احتجاج پر اسرائیل نے موقف اختیار کیا کہ صحرا میں زیر تعمیر عمارت ایک ٹیکنائٹ مل کی ہے۔ جب کہ کچھ دن پہلے وزیراعظم نے اپنی پارلیمنٹ کو خطاب کے دوران کہا تھا یہ نیوکلیر پلانٹ بن رہا ہے جو صرف اور صرف ریسرچ کے مقاصد میں استعمال ہوگا۔

پلانٹ کیلئے مزید یورینیم کی سپلائی کیلئے موساد کے اُس وقت کے ہیڈ اسرہیل نے نیوکلیرا ایکسپرت برگ مین سے ملاقات کی انہوں نے ایک خفیہ پلان پر اتفاق رائے کیا۔ ایک صیہونی یہودی ریسرچ کیسٹ ڈاکٹر زلمان شپیر (Zlaman Shapir) جس نے پہلے امریکی ایٹم بم کی تیاری میں امریکی اور برطانوی سائنسدانوں کی ایک ٹیم کیساتھ کام کیا تھا اُسے 1957ء میں دوبارہ امریکی نیوکلیر ریسرچ پروجیکٹ میں ملازمت مل گئی تھی۔ اُس نے وہاں ایک فرم Numec (nuclear material & equipment corporation) کے نام سے قائم کی جو اسرائیلی حکومت کی سرمایہ کاری سے چل رہی تھی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد سی آئی اے کو شک ہو گیا تھا کہ ڈاکٹر زلمان جو اکثر اسرائیل آتا جاتا تھا، اپنے ساتھ کچھ حساس انفارمیشن بھی سگل کر رہا تھا۔ امریکی ایٹامک انرجی کمیشن نے بھی تفتیش کے بعد پتہ چلا کہ واقعی ڈاکٹر زلمان کچھ اس قسم کی سرگرمیوں میں مصروف تھا۔ اس کے علاوہ پلانٹ سے 206 پاؤنڈ افزودہ یورینیم (Enriched Uraniu) بھی غائب ہو چکی تھی۔ آخر امریکی حکومت نے اس فرم کو فوراً بند کرانے کے احکامات جاری کئے سی آئی اے کے اندازے کے مطابق انرجی یورینیم کے علاوہ عام یورینیم بھی 200 پاؤنڈ کے قریب فرم سے چوری کر کے اسرائیل پہنچائی گئی تھی۔ ایک امریکی عدالت نے فرم پر ان بے قاعدگیوں کے جرم میں دس لاکھ ڈالر جرمانہ عائد کیا۔

1967ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد امریکہ نے یورینیم کی سپلائی کے متعلق اپنے قوانین اور بھی سخت کر دیے دوسری طرف فرانس جو کسی زمانے میں اسرائیل کا زبردست حامی اور مددگار رہا تھا، کی پالیسی میں بھی یک لخت تبدیلی آ گئی۔ فرانس کے صدر جنرل ڈیگال نے اسرائیل کے ساتھ اپنے تمام عسکری ساز و سامان کے معاہدے کا اہم قدم قرار دے دیے۔ یوں اسرائیل کیلئے اپنے نیوکلیر پروگرام کیلئے تابکار مواد کا حصول مزید مشکل ہو گیا۔ اسی سال موساد کا سربراہ اسرہیل اپنی ملازمت سے سبکدوش ہو گیا تو اُس کی جگہ میرا میت نے چارج سنبھالا۔ نئے سربراہ نے وزیراعظم کو یقین دہانی کرائی کہ وہ اپنی یورینیم کا بندوبست کر کے دیکھائے گا کہ وہ کم از کم 20 ایٹم بموں کیلئے کافی ہوگا۔ موساد نے اس مقصد کیلئے اپنے تمام ایکسپرت ذرائع بروئے کار لائے۔ ایک امریکی جریدہ Rolling Stone کے مطابق موساد نے یورینیم کے حصول کیلئے ایک خصوصی ٹیم تشکیل دی جس نے دنیا کے مختلف ممالک میں بڑی دوڑو چوپ کی۔ ان کے کچھ اہل کاروں نے جن کے پاس آنسو گیس کے کنسترتھے فرانس میں چند فزکوں کو اغوا کر لیا تھا جو یورینیم کے کریٹ کسی دوسرے شہر لے جا رہے تھے۔ موساد نے مغربی جرمنی میں ایک ڈمی کمپنی قائم کی جسے ایک سابقہ جرمن انفرورس پائیلٹ ہربرٹ شلزن کے حوالے کیا گیا۔ اُس نے یورینیم کی باقاعدہ قانونی طور پر خریداری کیلئے اس فرم کو استعمال کیا۔ موساد نے اس کے بدلے اُسے اچھی خاصی رقم ادا کی۔

مارچ 1988ء میں شلزن نے یورینیم کی ایک کمپنی جس کے پاس افریقہ سے درآمد شدہ یورینیم آکسائیڈ کا اچھا خاصا شناک تھا، کے ساتھ رابطہ کیا۔ اُس نے کمپنی کے ڈپٹی ہیڈ کو جو یورینیم ڈویژن کا انچارج تھا کہا کہ اُسے یہ مواد اپنی فرم میں پیٹر ویکیمیل کی تیاری کیلئے درکار ہے، اور وہ اُسے کا سبلا لکا (مراش) لیجانا چاہتا ہے۔ کچھ دنوں کی بات چیت کے بعد بالآخر ان کے درمیان سودا طے ہو گیا۔ شلزن نے مذکورہ کمپنی کو پچاس لاکھ ڈچ مارک کی ادائیگی کر دی۔ یہ رقم ایک سوکس پینک کے ذریعے ادا کی گئی۔

اس مرحلے پر موساد کو اچانک ایک غلطی کا احساس ہوا۔ وہ یہ کہ یورینیم اینٹامک انرجی کمیشن کی باقاعدہ اجازت کے بغیر وہ یہ مواد بین الاقوامی بحری روٹ پر مراکش منتقل نہیں کر سکتے تھے۔ آخر ایک نیا پلان بڑی جگت میں تیار کیا گیا۔ جس کے مطابق یورینیم کی اس کھپ کو اٹلی شفت کر کے وہاں ایک کیمیکل فیکٹری کے حوالے کرنا تھا، حالانکہ اس فیکٹری نے اس سے قبل کبھی یورینیم خریدنا تھا اور نہ اُسے اس کی ضرورت تھی۔ بہر حال یہ تو موساد اور فیکٹری کے ہیڈ کے درمیان خفیہ ڈیل تھی۔ پلان کے مطابق کچھ خام مواد پٹیجیم سے اٹلی منتقل کر کے وہاں اُسے پروسس (Process) کرنا تھا۔ یہ نقل و حمل بالکل قانون کے عین مطابق تھا۔ بس موساد کو ایک خدشہ تھا کہ اُن کے مال بردار بحری جہاز کو ایٹامک کنٹرول استھارٹی کے انسپٹر کہیں چیک نہ کر لے۔ خوش قسمتی سے ایسا کوئی حادثہ رونما نہیں ہوا۔ اس مقصد کیلئے انہوں نے ڈیمبرگ (مغربی جرمنی) میں ایک لائبرین رجسٹرڈ مال بردار بحری جہاز ڈیڑھ لاکھ پاؤنڈ کے عوض خریدا۔ اُسے خریدنے والا ایک ٹرک نژاد باشندہ تھا۔ اکتوبر کے مہینے میں موساد نے آپریشن یورینیم شپ کا آغاز کیا۔ یورینیم کے 560 بیرل جن پر پلٹ Plombat پینٹ کیا گیا تھا اُس بحری جہاز پر لادے گئے۔

پندرہ نومبر کو یہ جہاز اینٹ ورپ کی بندرگاہ سے بظاہر اٹلی کیلئے روانہ ہوا۔ لیکن وہ اطالوی ساحل کے بجائے بحیرہ روم میں مشرق کی طرف مڑ گیا۔ دو ہفتے کے سفر کے بعد وہ جہاز قبرص کی سمندری حدود میں ایک اسرائیلی شنگر سے جا ملا۔ شنگر کے عملے نے یورینیم کے تمام بیرل اپنے جہاز میں منتقل کر دیے۔ تھوڑی دیر بعد وہ شنگر اسرائیلی بندرگاہ حیفے کیلئے تیزی سے روانہ ہوا۔ یوں موساد نے اسرائیلی کابینہ کے فیصلے کے مطابق چودہ مہینے کے عرصے میں ایٹم بم بنانے کیلئے یورینیم کی ایک بڑی کھپ غیر قانونی ذرائع سے حاصل کر کے ڈیمونا (Dimona) نیوکلیئر پلانٹ پہنچائی۔

اسی سال دسمبر میں موساد کا وہ بحری جہاز ٹرک بندرگاہ سکندرون میں نظر آیا۔ جہاز کے رجسٹر میں اُن دو ہفتوں کے سفر کا ذکر درج نہیں تھا جس میں یورینیم سگل کی گئی تھی۔ جہاز کا پہلے والا کپتان اپنے عملے سمیت غائب تھا۔ یورینیم (یورینیم اینٹامک کنٹرول آرگنائزیشن) نے سات ماہ کی تحقیقات کے بعد بیان جاری کیا کہ مذکورہ جہاز میں لاد گیا یورینیم کہیں غائب کر دیا گیا تھا۔ پولیس انکوائری بھی ہوئی لیکن وہ سب یہ معلوم کرنے میں ناکام ہوئے کہ آخر وہ 560 بیرل کہاں گئے۔ اس واقعے میں ملوث پٹیجیم کی کمپنی نے اس پر کسی قسم کا تبصرہ کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ آخر تحکیم ہارکر یورینیم نے اس تفتیش کو داخل و فتر کر دیا۔

موساد کے سینئر اپنے آپریشن یورینیم شپ کی زبردست کامیابی سے بے حد خوش تھے۔ انہوں نے آپریشن کے کڑا دھرتا ایجنٹ ڈان آرتیل کو ترقی دیکر ناروے بھیج دیا۔ یہ شخص 1971ء میں موساد کی ایک ہٹ ٹیم میں بھی شریک ہوا جو میونخ اولمپک میں اسرائیلی کھلاڑیوں کے قتل میں ملوث فلسطینی مجاہد علی حسن سلا سے کی تلاش میں ناروے پہنچی تھی۔ موساد کا یہ آپریشن سخت ناکامی کا شکار ہوا جب ہٹ ٹیم نے سلا سے کے بجائے ایک مراکشی ویز کو غلطی سے مار ڈالا۔ پولیس نے ڈان آرتیل کو موقع ہی پر حراست میں لے لیا تھا۔ پوچھ گچھ کے دوران ڈان آرتیل نے حیران کن حد تک ناروےجن پولیس کے ساتھ تعاون کیا۔ اُس نے نہ صرف موساد کے اس آپریشن کی تفصیلات بتائی بلکہ یورینیم والے واقعے کا بھی جھلک خیز انکشاف کیا۔ دنیا بھر کے اخبارات نے یہ خبر ہیڈ لائنز میں شائع کی۔ ادھر اسرائیلی نیوکلیئر سائنسدانوں نے موساد کی مدد سے وافر مقدار میں ایٹم بم تخلیق کئے، لیکن ہر اسرائیلی حکومت کی پالیسی رہی ہے کہ وہ دنیا کے سامنے اپنے ایٹمی اسلحے کی موجودگی کی تردید کرتے رہے ہیں، لیکن 1969ء میں جب

وزیراعظم مسرگولڈامیر وائٹنگٹن گئی تو وہاں صدر کنسن نے جب اُس سے پوچھا کہ کیا اسرائیل کے پاس کوئی خطرناک کھلونا تو نہیں ہے تو گولڈامیر نے مسکراتے ہوئے کہا ہاں بالکل ہمارے پاس ہے۔

گولڈامیر کے اُس اعتراف کی تصدیق بعد میں موٹے دایان نے 1973ء کی جنگ میں بھی کر دی تھی جب مصر اور شام نے مشترکہ طور پر اسرائیل پر بحرہ پر حملہ کر دیا تھا۔ وہ حملہ اس قدر شدید اور اچانک تھا کہ اسرائیلی فوج کو مجبوراً فرنٹ لائن سے کافی پیچھے ہٹنا پڑا۔ اس موقع پر اسرائیلی وزیر دفاع موٹے دایان نے دھمکی دی کہ وہ اپنی بقاء کیلئے ایٹم بم استعمال کرنے والا ہے۔ کہتے ہیں کہ اسرائیل نے تیرہ کے قریب بم جو صحرائے نیو (Negev) میں واقع ٹنلز میں پڑے ہوئے تھے ایکشن کے لیے تیار کر دیے تھے۔ اسرائیلی کابینہ کا اس دوران ایک اجلاس طلب کیا گیا، جہاں چوبیس گھنٹے تک اس سنگین اقدام کے بارے میں صلاح و مشورے ہوئے۔ اجلاس ابھی جاری تھا لیکن دوسری طرف اتر فورس کا حملہ اپنے فائنل اور کیفیر (Kfir) حملہ طارواں ایٹم بم بولڈ کر رہے تھے۔ امریکا اور سویت یونین کو بھی اسرائیل کے عزائم کا پتہ چلا، گستاخانہ اور کے خلاف سازشوں نے

ساز و سامان وافر مقدار میں موجود ہے۔

اسرائیل نے اپنی سرحدوں پر میڈیم رینج (medium range) کیلے ایک میزائل میگزین کیسٹرو وار ہیڈز نصب کر رکھے ہیں۔ 1988ء اور 1990ء کے درمیان اس نے خلاء میں ایک اور میزائل دانغا جو ایک ہزار روزنی وار ہیڈ لیکر دو ہزار میل کے فاصلے تک مار کر نے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ وٹو نو کے انکشافات نے اسرائیل کی حکومت میں کھلبلی مچا دی تھی۔ ادھر لندن میں ماہرین وٹو نو سے باقاعدہ جرح کر رہے تھے کہ کہیں وہ مذاق تو نہیں کر رہا۔ امریکی وزارت دفاع میں ایٹمی ہتھیاروں کے شعبے کے انچارج نے بھی وٹو نو کی دستاویزات اور تصاویر کا بغور معائنہ کیا۔ اُس کے مطابق اسرائیل سالانہ دس ایٹم بم بنانے کی صلاحیت حاصل کر چکا تھا۔ وٹو نو فیٹی راز لیکر سب سے پہلے آسٹریلیا پہنچا تھا، جہاں اُس نے عیسائیت اختیار کر لی تھی۔ آسٹریلیا میں قیام کے دوران اُسے ایک جرنلسٹ ملا ہے اُس نے ڈیمونائیکس سٹریٹر کے متعلق تمام باتیں سنائیں۔ اُس جرنلسٹ نے وٹو نو کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی سٹوری سنڈے ٹائمز کو فروخت کر سکتا ہے۔ اسی دوران میں یہ بات کسی طرح آسٹریلیا میں سیکرٹ سروس کو معلوم ہو گئی تو اس کے ہیڈ نے موساد کو اکراٹ کر دیا تھا۔ وٹو نو جس وقت لندن پہنچا تو موساد کے ایجنٹ اُس کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ سنڈے ٹائمز میں جب یہ کہانی شائع ہوئی تو اس کے چند ہی دنوں بعد وٹو نو اچانک لندن سے غائب ہو گیا۔ اُس سے اخبار کو بھی سخت پریشانی کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ وٹو نو کو ہر قسم کے تحفظ کی ضمانت دی گئی تھی۔

ادھر اسرائیل میں شین بیٹھ (سیکورٹی سروس) پر زبردست تنقید کی گئی کیونکہ مذکورہ پلانٹ کی حفاظت اس کی ذمہ داری میں آتا تھا۔ ایک معمولی ٹیکنیشن ہاتھ میں کمرہ لئے حساس تنصیبات کی تصاویر اتار کر نہایت سہولت کیساتھ ملک سے فرار ہو گیا اور اُسے پتہ تک نہیں چلا۔ وٹو نو نے مختلف جگہوں کی 57 تصاویر نکلنے کے علاوہ انتہائی خفیہ کتابچوں سے ڈیا گرامز بھی نقل کئے تھے۔ شین بیٹھ کیلئے یہ بات ایک معرکہ بن چکی تھی کہ آخر کیسے اتنی سخت سیکورٹی کے باوجود وہ یہ حرکت کر گیا۔ ڈیمونائیکس سٹریٹر میں تو حفاظتی اقدامات میں تو چلو کوئی طرح خامی رہ گئی ہوگی لیکن تل ابیب ایئر پورٹ پر سیکورٹی والے کہاں سو گئے تھے جن کے متعلق مشہور ہے کہ کبھی بھی اُن کی تلاشی کے بغیر ملک سے باہر نہیں نکل سکتی۔ شین بیٹھ والوں نے تو موساد پر الزام لگایا کہ یہ سارا ڈرامہ اُس نے خود ہی رچایا ہے تاکہ ارد گرد کے عربوں کو ڈرایا جائے کہ اسرائیل کے پاس خوفناک ایٹمی اسلحہ ہے۔ وٹو نو لندن میں ماؤنٹ بیٹن ہوٹل میں قیام کے دوران غائب ہوا تھا۔ برطانوی پولیس اور سیکورٹی سروس (MI-5) کیلئے یہ بات بے حد اسرار حیثیت اختیار کر گئی تھی۔

آخر کچھ روز بعد امریکی جریدے نیوز ویک (news week) میں سٹوری شائع ہوئی کہ اسرائیلی وزیراعظم شیمن پیرز نے موساد کو حکم دیا تھا کہ اُسے اغوا کر کے تل ابیب لایا جائے۔ اس خبر پر اسرائیلی حکومت کا رد عمل بالکل حسب توقع تھا یعنی فوراً تردید کرنا۔ ہمیں اس واقعے کا بالکل علم نہیں ہے پر ائم مسٹر کے ترجمان نے پریس کو بیان دیا۔ درحقیقت اسرائیل میں ہر کسی کو پتہ تھا کہ وٹو نو کسی نامعلوم مقام پر زیر حراست رکھا گیا ہے۔ برطانوی گورنمنٹ نے اپنی سرزمین پر اس اغوا کی سخت مذمت کرتے ہوئے اسرائیل سے سفارتی سطح پر احتجاج کیا تو کچھ روز اسرائیل نے جواباً خاموشی ہی اختیار کی۔ آخر کچھ دنوں بعد یروشلم میں برطانوی سفیر کو تیلی دی گئی کہ وٹو نو گرفتار کرنے کے دوران برطانوی قانون کی ہرگز

خلاف ورزی نہیں کی گئی ہے۔ حالانکہ اسرائیل نے اس بات کی سرکاری طور پر مزید وضاحت ہی نہیں کی کہ اگر برطانوی قانون نہیں توڑا گیا تو وونو کو کیسے اسرائیل پہنچایا گیا تھا۔

نیوز ویک کے مطابق حقیقت یہ تھی کہ اسرائیلی گورنمنٹ وونو کے خلاف ایکشن کا فیصلہ کر چکی تھی۔ موساد کو باقاعدہ احکامات مل چکے تھے کہ اس یہودی جاسوس کو لندن سے کچھ اس طرح سے اٹھایا جائے کہ برطانوی حکومت کو زیادہ پریشانی کا سامنا کرنا نہ پڑے کیونکہ اسرائیل مسرتھیچر کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا جس نے کچھ ہی عرصہ قبل شام کیساتھ صرف اس بات پر سفارتی تعلق توڑ دیا تھا کہ اس کا ایک باشندہ اسرائیلی ائیر لائن ELAL کی ایک پرواز جوئل ایب سے لندن جانے والی تھی پر بم نصب کرتے ہوئے گرفتار ہوا تھا۔ وونو جب سنڈے ٹائمز کی دعوت پر لندن پہنچا تو موساد کا طویل بازو اُس کے قریب پہنچ چکا تھا۔

موساد نے اُسے کچھ روز لندن کی گلیوں میں خوب گھومنے پھرنے کا موقع دیا۔ ایک دن اتفاق سے اُس کی ملاقات ایک خوب رو خاتون سنڈی (cindy) سے ہوئی۔ وہ موساد کی بھیجی ہوئی ایجنٹ تھی۔ چند روز کی ملاقاتوں کے بعد وہ وونو کو روم (اطلی) لے گئی۔ یوں اسرائیل کیلئے جواز بھی بن گیا کہ وونو کو کم از کم برطانوی سرزمین سے نہیں اغوا کیا گیا تھا۔ روم پہنچنے ہی سنڈی نے اسرائیلی سفارت خانے کو فوراً اطلاع دی کہ شکار پہنچ چکا ہے۔ تھوڑی دیر بعد موساد کے چند کمائڈ وونو نے اُسے ایک ہوٹل کے کمرے میں شراب کے نشے کی حالت میں گرفتار کر لیا۔ اُسے ایک دو دن اسرائیلی سفارت خانے میں چھپائے رکھنے کے بعد ایک اسرائیلی بحری جہاز میں بے ہوشی کی حالت میں اسرائیل سمگل کر دیا گیا۔ اُس کی اغوا کی یہ کہانی شاید کبھی دنیا کو پتہ نہیں چلتی اگر وونو یروٹلم ڈسٹرکٹ کورٹ کے باہر منتظر صحافیوں کو خود نہ بتاتا۔ ہوا یوں کہ جب اُسے عدالت میں پیشی کیلئے ایک وین میں لایا گیا تو اُس نے صحافیوں کو وین کی کھڑکی سے اپنی ہتھیلی دیکھائی جس پر انگریزی کے تین جملے جلی حروف میں لکھے ہوئے تھے۔

Vanunu M was Hijack in Rome Italy. 30.9.21.00.came to Rome by B.A fly 504.

جس کا مطلب تھا کہ اُسے 30 ستمبر 1986ء کو رات نو بجے اغوا کیا گیا تھا اور وہ برٹش ایئر ویز کی پرواز نمبر 504 کے ذریعے لندن سے روم پہنچا تھا۔ وونو کے ہاتھ کی تصویر دنیا بھر کے اخبارات نے شائع کی لیکن ملٹری سنسر شپ نے اُسے اسرائیلی پریس میں چھپنے نہیں دیا لیکن وونو کے اشارے سے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اُسے روم سے اسرائیل کیسے لایا گیا تھا۔ اُس کے بعد اُس پر بند کردہ عدالت میں مقدمہ شروع ہوا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد جب اُسے قید کی سزا سنائی گئی تھی تو اُس کا بھائی اُسے ملنے جیل گیا۔ وونو نے اپنے بھائی کو اپنے اغوا کی اصل حقیقت بتائی کہ سنڈی اُسے روم کے ایک ہوٹل لیکر گئی تھی جہاں ایک کمرے میں اُس پر موساد کے دو آدمیوں نے حملہ کیا اور اُسے فرش پر گرا کر بے بس کر دیا۔ تب سنڈی نے اُسے بے ہوشی کا ایک انجکشن لگایا اُس کے بعد اُسے ایک سترچر پر ڈال لیا گیا۔ دو دن بعد ایک اسرائیلی مال بردار بحری جہاز میں اُسے ریسیوں میں جکڑ کر سوار کیا گیا جو اسرائیل روانہ ہونے والا تھا۔



کتاب گھر کی پیشکش

http://kitaabghar.com

کتاب گھر کی پیشکش

http://kitaabghar.com

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

روگ آپریشن

http://kitaabghar.com

http://kitaabghar.com

Rogue Operation

نومبر 1984ء کی ایک شام جوناتھن پولارڈ اپنی سبز رنگ کی مسٹنگ کار میں اچانک واشنگٹن میں واقع اسرائیلی سفارت خانے پہنچا۔ اُس کے ہمراہ اُس کی بیوی اور ایک پالتو بلی Dusty بھی تھی۔ سفارت خانے کے باہر ایک کار میں بیٹھے ایف۔بی۔آئی (FBI) کے چند ایجنٹ جو دراصل اُس کی نگرانی پر معمور تھے، اُسکی دیدہ دلیری پر سخت حیران ہو گئے۔ اُس نے گاڑی روک کر تیزی سے شیشے نیچے اتارتے ہوئے سیکورٹی گارڈ کو چیخ کر کہلاوا I am an Israeli Spy (میں ایک اسرائیلی جاسوس ہوں)۔

جیسے کہ پچھلے ایک باب میں ذکر ہو چکا ہے کہ موساد کی جاسوسی سرگرمیاں عربوں کے علاوہ یورپ اور امریکہ میں بھی جاری رہتی ہیں۔ امریکہ میں تو کئی بار اُس کے کارندے رنگے ہاتھوں پکڑے گئے ہیں مگر یہاں کی مضبوط یہودی لابی انہیں کسی نہ کسی طریقے سے چھڑا لیتی ہے۔ لیکن جوناتھن پولارڈ کا واقعہ ایسا تھا کہ اس نے امریکہ اسرائیل تعلقات کی جڑیں ہلا دیں تھیں پولارڈ ایک رضا کار جاسوس یا جاسوسی اصطلاح کے مطابق walk-in ایجنٹ تھا۔ وہ امریکی یہودی تھا اور اکثر اپنے دوستوں کے سامنے ڈینگیں مارتا تھا کہ وہ موساد کا ایک اہم عہدیدار ہے۔ وہ امریکی نیول انجینئر جنس ایجنسی میں کام کر چکا تھا۔ 1979ء میں وہ واشنگٹن میں اسی ایجنسی کے دفتر میں بطور analyst کام کر رہا تھا۔ پولارڈ کی اسرائیل کیساتھ جذباتی وابستگی تھی۔ وہ اس صیہونی ریاست کی کسی نہ کسی طریقے سے خدمت کرنا چاہتا تھا۔

ایک دن نیویارک میں اُس کے ایک بااثر رشتہ دار نے اُسے کہا کہ اُس کی جان پیچان اسرائیل کے ایک زندہ ہیر وکیسا تھا ہے۔ اُس کا نام کرٹل ایوئم سیلا (Aviem Sella) تھا۔ وہ اسرائیلی انزفوس میں پائیلٹ رہ چکا تھا۔ اُس نے 1981ء میں آپریشن بے بیلون میں حصہ لیا تھا جس میں انہوں نے بغداد میں عراقی نیوکلیسری ایکٹر کو تباہ کر دیا تھا۔ کرٹل سیلا ان دنوں ایک یہودی تنظیم کیلئے عطیات اکٹھے کرنے آیا ہوا تھا۔ پولارڈ اس شخص سے پہلی ملاقات میں ہی سخت متاثر ہوا۔ کرٹل سیلا نے اُسے بڑے فخر سے بتایا کہ لیبنان پر ہوائی حملوں میں بھی اُس نے شرکت کی تھی۔ جس میں اسرائیلی لڑاکا طیاروں نے شام کے جگ فائٹر سکواڈرن کا مکمل صفایا کر دیا تھا۔

پولارڈ نے کرٹل سیلا سے وعدہ کیا کہ وہ اُسے چند ایسی فلمیں فراہم کرے گا جو اسرائیل کیلئے انتہائی اہمیت کی حامل ہوں گی۔ کرٹل سیلا لڑاکا کا ہو اباز تھا، اُس کا جاسوسی کاروائیوں سے واسطہ ہی تجربہ نہیں تھا لہذا اُس نے پولارڈ کی اس پیشکش کی اطلاع فوراً موساد کو کر دی۔ موساد پہلے ہی سے اس امریکی یہودی کے بارے میں بہت کچھ جانتی تھی۔ لیکن موساد کو اُسکی شخصیت پر شک تھا کیونکہ وہ اکثر ڈینگیں مارتا تھا۔ اُس کی آفر پر اس لیے وہ ذرا ہچکچا رہے تھے۔ ویسے بھی موساد رضا کاروں پر اتنا اندھا اعتماد نہیں کرتی اور خصوصاً اس کیس میں تو وہ سی آئی اے کی کوئی چال محسوس کر رہے تھے۔

لیکن موساد کی ایک دوسری برانچ Lekem اس آفر کو بڑا سنجیدہ سمجھ رہی تھی۔ یہ ادارہ منسٹری آف ڈیفنس کو سائنٹیفک مواد مہیا کرتی تھی۔ اس کے کارندے نیویارک، بوٹمن اور لاس اینجلس میں واقع اسرائیلی قونصل خانوں میں موجود تھے۔ اس کا ایک فرد جوزف یاگر (Josef yagur) نیویارک قونصلیٹ میں سائنٹیفک اتاشی تھا۔ اُس نے پولارڈ کے متعلق ایک تفصیلی رپورٹ تل ابیب روانہ کی۔ Lekem کے سربراہ نے کرنل سیلا کو یہ پراجیکٹ مزید آگے بڑھانے کا حکم دیا۔ دوسری مرتبہ جب پولارڈ اور کرنل سیلا ایک ریسٹوران میں ملے تو اُس نے پولارڈ کو کچھ ہدایات دیں کہ آئندہ اُس کے ساتھ رابطہ کیلئے وہ پبلک ٹیلی فون پر عبرانی حروف تہجی کے مخصوص حرف بطور کوڈ استعمال کرے۔

نیویارک قونصلیٹ میں جوزف یاگر اُس کا کیس آفیسر تھا جو اُس کے مالی معاملات کا بھی انچارج تھا۔ لیکن Lekem کا سربراہ رافیل بذات خود اس شخص سے ملنا چاہتا تھا۔ لہذا 1984ء میں پولارڈ اپنی بیوی کے ہمراہ پہلی مرتبہ یورپ گیا جہاں بیجس میں ایک اسرائیلی ٹیم نے اُس کو اجلاس دیا۔ پولارڈ نے اس اجلاس میں شرکت کی اور اس کے بعد اس نے اسرائیلی قونصلیٹ میں ایک ملازمت کی۔

Lekem کی ایک پوری ٹیم ان کا غذات کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد انہیں اپنی مخصوص خفیہ زبان میں ترجمہ کر کے تل ایب روانہ کرتی تھی۔ یوں کافی عرصہ وہ امریکی اٹلیے جنس کے ثمرات موساد کو بہم پہنچاتا رہا۔ لیکن کچھ عرصے بعد وہ آہستہ آہستہ رازوں کی چوری میں بے احتیاطی برتنے لگا۔ اُس کے ساتھ کام کرنے والے ساتھیوں کی توجہ بھی اُس کی طرف مبذول ہو گئی کیونکہ وہ بڑی دیدہ دلیری کیساتھ ٹاپ سیکرٹ Communication Document آفس کی حدود سے باہر لیجا رہا تھا۔

اُس کا اپنا پاس چیری بھی اس کی پُر اسرار حرکات سے واقف ہو چکا تھا۔ اُس نے جب دیکھا کہ پولارڈ وافر مقدار میں ایسی فائیلیں اڑا چکا ہے جو عربوں کی عسکری صلاحیتوں اور سویت و چین سسٹم (weapon systems) کے متعلق تھیں اور ان فائیلوں سے سرکاری طور پر اس کا واسطہ بھی نہیں تھا، اُس نے فوراً ایف بی آئی (FBI) کو پوری صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ ایف بی آئی نے اُس کی نقل و حرکت پر کڑی نگرانی کیلئے اُس کے دفتر میں خفیہ ویڈیو کیمرے نصب کر دیے۔

آخر چند روز بعد ایف بی آئی والے اُس کے آفس میں اچانک آ گئے، وہ ایک دروازے سے کچھ دستاویزات نکال رہا تھا۔ پولیس کے ہینڈ نے اُسے حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کو فون پر اطلاع دے کہ وہ آج ذرا دیر سے گھر آئے گا۔ پولارڈ نے اُن کے کہنے پر بیوی کو فون کیا۔ دوران گفتگو اُس نے بیوی کو ایک لفظ Cactus کہا یہ دراصل پہلے سے طے شدہ کوڈ تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ کسی مصیبت میں پھنس گیا ہے۔ اسی دن شام کو پولارڈ نے بیوی کے ہمراہ کرٹل سیلا کیساتھ ایک ریسٹوران میں ڈرکھانا تھا۔ اینی (Anne) نے شوہر سے باتیں کرنے کے بعد فوراً کرٹل سیلا کو نیلے فون پر اس واقعے کی اطلاع دی۔ یہ سن کر کرٹل بے حد گھبرا گیا کیونکہ وہ خود بھی کسی بھی لمحے گرفتار ہو سکتا تھا۔ اُس کے پاس اب ایک ہی صورت تھی، کہ فوراً امریکہ سے فرار ہو جائے، اُس دن واشنگٹن سے بیرون ملک کوئی پرواز نہیں تھی۔ لہذا کرٹل اپنی بیوی کے ہمراہ ایک ٹیکسی میں نیویارک پہنچا جہاں سے اُنہوں نے صبح سویرے لندن کی فلائٹ پکڑی۔ اُن دونوں نے جعلی پاسپورٹ پر برطانیہ تک سفر کیا۔ جہاں سے وہ ایک دوسری پرواز کے ذریعے اسرائیل پہنچ گئے۔

موساد نے نیویارک کو تفصیلات میں اپنے آدمی جوزف یاگر کو بھی الرٹ کر دیا تھا۔ ویسے پیشہ ورانہ طور پر موساد کے پاس ہر لمحہ ایمر جنسی پلا ن ہوتے ہیں تاکہ بوقت ضرورت اپنے کارندوں کو گرفتاری سے بچایا جاسکے۔ لیکن یہ آپریشن Lekem چلا رہی تھی جو عملی طور پر اپنے آدمیوں کو تحفظ دینے میں ناکام ہو چکی تھی۔ جو تاہن پولارڈ کو اسرائیلیوں نے اس سے قبل یقین دہانی کرائی تھی کہ خطرے کے وقت وہ اُس کی مکمل مدد کریں گے۔ پوچھ گچھ کے دوران اُس نے ایف بی آئی کو صاف کہہ دیا کہ اُس نے امریکہ یا امریکی مفاد کے خلاف کوئی جانوسی نہیں کی ہے اور نہ وہ امریکہ کو کسی قسم کا نقصان پہنچانا چاہتا تھا۔ گرفتاری سے قبل ایف بی آئی (FBI) نے کئی دنوں تک اُسکی خفیہ نگرانی کی۔ وہ اُسے بغیر ٹھوس ثبوت کے پکڑا نہیں چاہتے تھے۔

اُس دن جب پولارڈ کو مکمل یقین ہو گیا کہ اُس کی حرکات کا ایف بی آئی کو علم ہو چکا ہے تو اُس نے بڑی عجلت میں اپنا ضروری سامان چند بیگوں میں ڈھونسا پھر اپنی بیوی اور پائٹوبلی کو لیکر کار میں سوار ہوا اور ایک زُگ زیگ راستے سے اسرائیلی سفارت خانے کی طرف روانہ ہوا۔ تھوڑی ہی

دیر میں وہ سفارت خانے پہنچا جس کی چھت پر نیلے ستارے والا اسرائیلی جھنڈا لہرا رہا تھا۔ اُس نے اندر گھستے ہی ایک سفارتی گاڑی کے عین پیچھے زوردار بریک لگائی۔ اُس نے ڈیوٹی پر متعین سیکورٹی گارڈ سے کہا کہ وہ اسرائیلی سفیر سے ملنا چاہتا ہے۔ لیکن سیکورٹی گارڈ کو اوپر سے سخت احکامات تھے کہ پولارڈ کو کسی صورت میں بھی سفیر کے قریب پہنکنے نہ دیا جائے۔ اسرائیلی حکومت ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ ایک زیر حراست جاسوس بھاگ کر اُس کے سفارت خانے میں پناہ لے۔

لہذا پولارڈ کو مجبوراً واپس لکھنا پڑا۔ اُس نے کار جو فی سفارت خانے سے باہر نکالی تو ایف بی آئی کے درجن بھر ایجنٹوں نے اُسے روک کر گرفتار کر لیا۔ پولارڈ نے بعد میں اعتراف کیا کہ اُس نے اپنے اسرائیلی آقاؤں کو ہائی گریڈ انٹیلی جنس میٹریکل (High-grade Intelligence material) فراہم کیا جس میں آٹھ سو کے قریب (classified publication) اور ایک ہزار خفیہ پیغامات شامل تھے۔ پولارڈ کو ایک امریکی عدالت نے عمر قید اور اُس کی بیوی کو اعانت جرم کی پاداش میں پانچ سال کی قید سنائی۔



خواتین کا مقبول ترین ناول

ماہی ماہی کوکری میں

- معاشرے کے سب سے اونچے سنگھاسن پر بیٹھے زور آوروں کی کہانی۔
- ان مقدس دو شیرازوں کی کہانی جن کا تقدس ان کے لیے عذاب بن گیا تھا۔
- اس باپ کا قصہ جسے اپنی عزت، آن اور زبان اپنی اولاد سے زیادہ عزیز تھی۔
- صدیوں سے غیرت کے نام پر سولی پر لٹکائی جانے والی عورت کی کہانی۔
- عظمت کے ساتویں آسمان پر بیٹھی عورت پاتال کی گہرائی میں کیوں گرتی ہے۔
- اپنی اپنی خواہشوں کے بھنور میں پھنسے لوگوں کی داستان۔
- خاندانی روایات کے باغی ایک بلند ہمت نوجوان کی کہانی۔

محمد حسرت
350 روپے

ہما کوکب بخاری

دو حصے

اپنے قریبی بکسٹال یا ہا کر سے طلب فرمائیں

اسٹاکسٹ
علی بکسٹال

نسبت روڈ، چوک میوہ پستال، لاہور۔

ناشر
علی میاں پبلیکیشنز

۲۰۔ عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔

Ph: 7247414

براہ راست
منگوانے
کا پتہ

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

موساد اور راء (RAW):

<http://kitaabghar.com>

ٹارگٹ پاکستان

اسرائیل اپنی سرحدوں سے باہر پوری دنیا کو بالعموم اور مسلم ممالک کو بالخصوص اپنا ٹارگٹ سمجھتی ہے لیکن اب اُس کی خصوصی توجہ اسلام کے قلعے یعنی پاکستان پر مرکوز ہے۔

اس بات کا اندازہ پہلے اسرائیلی وزیر اعظم ڈیوڈ بن گوریان کے ان الفاظ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے:

"It is essential that we Strike and Crush Pakistanis, enemies of Jews and Zion by all disguised and secret plans"

”یہ انتہائی اہم بات ہے کہ ہم اپنے خفیہ منصوبوں کو بروئے کار لاتے ہوئے پاکستانیوں پر کاری ضرب لگا کر انہیں کچل دیں جو کہ یہودیوں اور صیہونیت کے دشمن ہیں۔“

جینز انفارمیشن گروپ (Janes information group) انٹیلی جنس معلومات کے سلسلے میں دنیا کا قابل اعتماد ادارہ ہے۔ اس کا انٹرنیٹ پر باقاعدہ ویب سائٹ بھی ہے۔ اس کی جولائی 2001ء کی رپورٹ کے مطابق ”ہندوستانی جاسوس ادارے راء (Raw) اور موساد نے باہمی اشتراک سے چار نئے گروپ بنائے ہیں جن کا کام پاکستان میں سرایت کر کے وہاں اہم مذہبی، فوجی شخصیات، صحافیوں، وکیلوں، ججوں اور بیوروکریٹس کو نشانہ بنانا ہے۔ اس کے علاوہ ریلوے اسٹیشنوں، ریل گاڑیوں، لاری اڈوں، ٹپوں، سینما گھروں، ہوٹلوں میں دھماکے کرانا اور مختلف مذہبی فرقوں کی مساجد میں بلاست کرانا تاکہ فرقہ وارانہ فسادات بھڑک اٹھیں، ان ایجنسیوں کے ایجنڈے میں شامل ہے۔“

پاکستانی خفیہ اداروں کی رپورٹ کے مطابق راء نے ایک اور پلاٹ بھی بنایا ہے جس کے مطابق پاکستان میں ہندوستانی سفارت خانوں نے نو جوان لڑکوں کو جن کی عمریں 20 اور 30 سال کے درمیان ہیں ہندوستان کی سیر کے بہانے مفت ویڑوں کی پیشکش کرنا ہے بعد میں ان لڑکوں کو انڈین سرحد کے اندر ”دہشت گردی اور جعلی کرنسی“ کے جھوٹے موٹے کیسوں میں گرفتار کرنا اور پھر انہیں رہائی کے عوض پاکستان کے خلاف جاسوسی پر آمادہ کرنا ہے۔

یہود اور ہندو کا یہ پھندہ بہت پہلے تیار ہو چکا ہے جو آہستہ آہستہ پاکستان، افغانستان اور وسطی ایشیا کے ممالک کے گلوں پر ٹائٹ ہوتا جا رہا ہے۔ موساد اور راء مل کر کشمیریوں کی جنگ آزادی کو ناکام بنا کر پاکستان کے استحکام کو ہارنے کی تگ و دو میں مصروف ہیں۔

ہندوستانی اخبار پائونیئر (Pioneer) نے اپنے تین مارچ 2001ء کے شمارے میں لکھا ”پاک ہند سرحد پر خاردار باڑھ لگانا کافی نہیں

ہے۔ سرحد پار دہشت گردی کو روکنے کیلئے اسرائیلی فوجی ماہرین نے تجویز پیش کی ہے کہ کشمیر کی لائن آف کنٹرول اور پنجاب کی سرحد پر جدید ترین حساس راڈار Thermal Imaging Devices لگائی جائیں۔ اب انڈیا نے اسرائیل سے سرحدوں پر نظر رکھنے کیلئے خصوصی جاسوسی طیارے خریدیں ہیں۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

لندن میں پاکستانی سابقہ سفارت کار قطب الدین عزیز نے ایک عمدہ آرٹیکل "Dangerous Nexus between Israel and India" لکھا تھا جو اپریل 2001ء میں ایک ممتاز پاکستانی اخبار میں شائع ہوا۔ انہوں نے لکھا "جون 2000ء میں ہندوستانی ہوم منسٹر ایل۔ کے ایڈوانی نے اپنے اسرائیل کے دورے میں وہاں کی انٹیلی جنس کمیونٹی کے اعلیٰ عہدیداروں کے ساتھ خفیہ ملاقاتیں کیں اور موساد اور راء کے اشتراک سے مسلم دنیا کے خلاف منظم طریقے سے خفیہ آپریشن شروع کرنے پر اتفاق کیا۔ اس دورے کے بعد بھارتی حکومت نے اپنے ملک میں موساد کو ایک وسیع جاسوسی جال پھیلانے کی سہولیات فراہم کیں جو کشمیری حریت پسندوں کی نقل و حرکت کو نوٹ کرنے کیلئے فعال ہو چکا ہے۔"

یروشلم پوسٹ اور دیگر اسرائیلی اخبارات میں اس نے کھلم کھلا اسرائیلی شہریوں کو ملازمت کی دعوت دی۔ اس کا اشتہار کچھ یوں تھا:

"If you are Sensitive, creative and Charming, Mossad wants you. Mossad has Opened its gates. Not to every body not to many but may be to you. You need to be daring, Charismatic and must Come with a Sense of Personal and national mission."

اس اشتہار کا مقصد "کیس آفیسرز" بھرتی کرنا تھا کیس آفیسرز کسی بھی انٹیلی جنس میٹ ورک کے اہم ترین افراد ہوتے ہیں۔ ان کا کام بیرون ملک ایجنٹ اور مخبر بھرتی کرنا ہوتا ہے۔ اس اشتہار کے پس پردہ جو اہم بات تھی وہ تو اخبارات نے شائع نہیں کی کہ ان تازہ کیس افسروں کو وسطی ایشیاء پاکستان، افغانستان، افغانستان اور ایران میں تعینات ہونا تھا۔

1968ء میں جب بھارت کا جاسوسی ادارہ راء (Raw) وجود میں آیا تو اندرا گاندھی نے اس کے ڈائریکٹر میٹھور ناتھ کاؤ کو حکم دیا تھا کہ

بھارت اور اسرائیل نے 1983ء کے دوران میں مشترکہ طور پر کھوٹے پروائی حملے کا پلان بنایا تھا، لیکن آپریشن کے عین ابتدائی لمحات میں انہیں پیچھے ہٹنا پڑا کیونکہ سی آئی اے نے اچانک ضیاء الحق کو یہ راز منکشف کر دیا تھا۔ یہ انکشاف حال ہی میں مارکیٹ میں آنے والی ایک کتاب:

Deception: Pakistan, the united states and the Global weapon Conspiracy.

میں ہوا ہے۔ یہ کتاب دو تفتیشی صحافیوں Catherine Scott-clark اور Adrian Levy نے مل کر لکھی ہے۔

وہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: فروری 1983ء میں بھارت اور اسرائیل کا ابھی باقاعدہ سفارتی تعلق بھی قائم نہیں ہوا تھا، لیکن ان کا کھوٹا ریسرچ لیبارٹری پر ہوائی حملے کا پلان ایڈوانس سٹیج پر تھا۔ بھارتی ملٹری افسروں نے خفیہ طور پر تل ابیب کا دورہ کیا۔ انہوں نے کھوٹے ایئر ڈیفنس سسٹم کو ناکارہ بنانے کیلئے جدید الیکٹرانک آلات کی خریداری کی۔ نئی دہلی کو اپنا پلان ایک اور وجہ سے بھی منسوخ کرنا پڑا جب 1983ء میں بھارتی ایٹم ریسرچ سنٹر (انڈیا) کے ڈائریکٹر راجد رمانا کو پاکستان ایٹم انرجی کمیشن کے منیر احمد خان نے ویانا میں دھمکی دی کہ اگر بھارت نے کوئی حرکت کی تو پاکستان ان کی ایٹمی تخصیصات کو نشانہ بنائے گا۔

پلان کے مطابق اسرائیلی ایئر فورس کے ایف-16 اور ایف-15 جیٹ جہازوں نے ہندوستانی ریاست گجرات کے شہر جام نگر میں ایک ہوائی اڈے سے آپریشن کا آغاز کرنا تھا۔ ان طیاروں کی ری فیلینگ کے لئے شمالی ہند کے ایک دوسرے ایئر فورس بیس کو منتخب کیا گیا تھا۔

مارچ 1984ء میں ممبئی میں گاندھی نے اس حملے کے پلان پر دستخط کر کے برصغیر کو ایٹمی تباہ کاری کے دھانے پر پہنچا دیا تھا۔ مذکورہ کتاب کے مطابق امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے بھارت کو باقاعدہ وارننگ دی کہ اگر انہوں نے یہ حملہ کیا تو امریکہ ان کے خلاف کارروائی کرے گا۔ گاندھی نے جب اس آپریشن کو منسوخ کرنے کا حکم دیا تو بھارتی اور اسرائیلی افواج کے اعلیٰ حکام نے اس کا بے حد بُرا منایا، کیونکہ کئی سالوں کی سوچ بچار اور پلاننگ یک دم رائیگاں ہو گئی۔

امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی حال ہی میں ایک دستاویز سے پتہ چلا ہے کہ اسرائیلی حملے کا پلان صدر جمی کارٹر کے دور حکومت میں ترتیب دیا گیا تھا۔ یہ ڈی کلاسیفائڈ (Declassified) ڈاکومنٹ نیشنل سکیورٹی آرکائیو نامی ایک غیر سرکاری تنظیم نے آزادی صحافت ایکٹ کے تحت شائع کیا تھا۔ اس ادارے کے ایک سینئر اہل کار نے کہا کہ یو۔ ایس سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے اسے ریلیز کرنے سے پہلے اس کے بعض حساس حصوں کو سنسر کر دیا تھا یا دوسرے لفظوں میں اسرائیلی آپریشن کی مکمل تفصیلات کو حذف کر دیا تھا، اب یہ ادارہ باقیہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

آسٹریلین انسٹیٹیوٹ فار سٹڈیز (Australian Institute for Studies) کی ایک رپورٹ کے مطابق 1980ء کی دہائی میں اسرائیل نے امریکی سی آئی اے کی فراہم کردہ معلومات اور سیاروں کی مدد سے لی گئی تصاویر کی مدد سے بالکل عراقی ری ایکٹر آپریشن کی طرز پر کھوٹے پر حملہ کرنے کا پلان بنایا تھا۔ یہ پلان آج بھی اسرائیلی ایئر فورس کے ہیڈ کوارٹر میں آپ۔ ڈیٹ ہوتا رہتا ہے۔ ایئر فورس کے ایف-16 اور ایف-15 سکواڈرن کے پائلٹوں کو وقتاً فوقتاً خصوصی مشق کرائی جاتی ہے۔ اس مقصد کیلئے اسرائیل کے جنوبی صحرائے نگیو میں کھوٹے پور ماراڈول بنایا گیا ہے جہاں اسرائیلی ایئر فورس کے مذکورہ طیارے حملے کی مشق کے دوران غوطے لگاتے رہتے ہیں۔

پاکستانی ایٹمی تخصیبات پر حملے کیلئے ان ہوا بازوں کو چنا گیا تھا جنہوں نے آپریشن بے بیلون میں حصہ لیا تھا۔
اسرائیل نے اس آپریشن کیلئے دو تجویز اپنے سامنے رکھی تھیں۔

(1) بھارتی ہوائی اڈوں کا استعمال

(2) اسرائیل سے نان-سٹاپ براہ راست کھوڑے پرواز کے دوران ان طیاروں کو فضا میں دوبارہ ایندھن مہیا کرنے کیلئے ایک ہوائی میٹکر مختص کیا گیا۔ اس کے علاوہ پاکستانی ایئر ڈیفنس سسٹم کو ناکارہ بنانے کیلئے اسرائیلی ایو اےکس (Awacs) طیارے کو فضا میں شامل کیا گیا۔

بھارت اس سلسلے میں اسرائیل کی بڑی خوشامد کرتا رہا کہ وہ جلد از جلد اس منصوبے کو عملی جامہ پہنائے، لیکن ساتھ ہی وہ اپنے ہوائی اڈوں کو استعمال کرنے سے کتر ا رہا تھا کیونکہ اُسے پتہ تھا کہ اس صورت میں اُس کے اپنے ایٹامک تخصیبات پاکستان ایئر فورس کے نشانے سے بچ نہیں سکیں گے۔

ریگن ایڈمنسٹریشن نے بھی دونوں ممالک کو وارننگ دے دی تھی۔ اس سلسلے میں امریکی دلچسپی کی بنیادی وجہ افغانستان میں روس کے خلاف جنگ تھی اور پاکستان اس کا ان کوششوں میں اہم فریق تھا۔

اس دوران پاکستان نے اسرائیل کو صاف کہلوادیا کہ اگر انہوں نے پاکستان میں کسی مہم جوئی کی کوشش کی تو یاد رکھنا کہ اُس کا مقابلہ عراقی ایئر فورس سے نہیں بلکہ پاکستان ایئر فورس سے ہوگا۔ ایک دوسرے زریعے سے اسلام آباد نے انہیں یہ بھی باور کرایا کہ اُن کے ممکنہ آپریشن کی صورت میں پی اے ایف (PAF) صحرائے گیبو میں واقع ڈیو مونا نیو کیئر ریسرچ سنٹر کو نشانہ بنائے گا۔

1981ء میں اسرائیلی آپریشن بے بیلون کی کامیابی کے بعد جزل ضیاء الحق نے پی اے ایف ہیڈ کوارٹر کو اپنا دفاعی نظام انتہائی چوکس کرنے کا اور پاکستان پر حملے کی صورت میں جوابی کارروائی کیلئے تیاری کا حکم دیا۔ اس پرائیز ہیڈ کوارٹر چکلا لہ میں سیشنل آپریشن روم قائم کیا گیا۔
میراج-3 کے ایک سکواڈرن کو اسرائیلی ایٹمی تخصیبات پر حملے کیلئے ریڈارٹ کر دیا گیا۔

15 جنوری 1983ء کو پاکستان نے امریکہ سے ایف-16 طیارے خریدے۔ پی اے ایف نے ان جدید لڑاکا جہازوں کو بھی اپنے ہنگامی آپریشن میں شامل کر لیا۔

13 مئی 1998ء کو بھارت نے جب ایٹمی دھماکہ کیا تو پاکستانی نیوکلیر تخصیبات پر اسرائیل اور بھارتی ایئر فورسز (Air Forces) کے مشترکہ حملے کا امکان انتہائی بڑھ چکا تھا۔ ان نازک حالات میں پی اے ایف (PAF) نے مملکت خدا داد کی حفاظت اس قدر مؤثر انداز میں کی کہ دنیا دگ رہ گئی۔ چافٹی میں ایٹمی سائنسدان ٹیٹ میں مصروف تھے اور پاکستان کے سین اوپر ہزاروں فٹ کی بلندیوں پر آسمان پاکستان ایئر فورس کے جیٹ لڑاکا طیاروں سے بھرا ہوا تھا۔ کسی بھی دشمن طیارے کیلئے پاکستانی فضاؤں میں داخل ہونا ناممکن ہو چکا تھا۔ دوسری طرف زمین پر ایٹمی ایئر کرافٹ گنز اور ریڈار سسٹم انتہائی چوکس حالت میں تھے۔

کہتے ہیں کہ دھماکے سے ایک روز قبل پاکستان ایئر فورس کا ایک ایف-16 چافٹی کے علاقے میں انتہائی نیچی پرواز کرتا ہوا چانگ گزرا تو

نیچے پاکستانی ایئر ڈیفنس سسٹم والوں نے سمجھا کہ شاید کوئی اسرائیلی جیٹ حملہ کرنے آ گیا ہے۔ اسی غلط فہمی میں واشنگٹن میں پاکستانی سفیر نے اسرائیلی سفارت خانے سے زبردست احتجاج کیا لیکن انہوں نے اس واقعے سے لاعلمی کا اظہار کیا۔

اقوام متحدہ میں پاکستانی سفیر احمد کمال نے سی این این کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا۔
 ”ہمارے پاس ٹھوس ثبوت ہیں کہ بھارت ہماری ایٹمی تنصیبات پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اگر اس نے ایسی ویسی کوئی حرکت کی تو پاکستان کی جوابی کارروائی اس سے زیادہ تباہ کن ہوگی۔“

مئی 1998ء میں پی اے ایف نے پورے پاکستان کی حفاظت کا جو زبردست آپریشن شروع کیا تھا اُسے آپریشن بدر کا نام دیا گیا تھا۔ یہ اپنی نوعیت کا ایک منفرد آپریشن تھا جس میں پی اے ایف کے چاروں کمانڈنگ سیکٹر ہیڈ کوارٹرز نے پورے ماحول پر قبضہ کر لیا تھا، یعنی پشاور، مسمگلی (کوئٹہ) فیصل (کراچی) اور سرگودھا۔

ایٹمی جنس اطلاعات کے مطابق بھارت اسرائیل کا مشترکہ حملہ نہ صرف پاکستانی ایٹمی تنصیبات پر بلکہ کھارن اور راس کوہ کے نیوکلیئر ٹیسٹ سائٹس پر بھی ہو سکتا تھا۔

کہتے ہیں کہ بھارتی اور امریکی جاسوس اداروں کو کھارن ڈیزرٹ سائٹس کا بالکل علم نہیں تھا۔ مغرب یا جنوب مغرب کی طرف سے کسی بھی ممکنہ ہوائی حملے سے بچنے کیلئے پاکستان نے کوئٹہ میں 1982ء سے TPS-43G ہائی لیول ریڈار سسٹم نصب کیا ہوا تھا۔

مئی 1998ء میں پاکستان کے دو مقامات نے دنیا بھر میں زبردست شہرت اختیار کی، یعنی چاغی کے پہاڑوں اور دالبنڈین ایئر فیلڈ نے دالبنڈین (Dalbandin) چاغی سے انیس کلومیٹر جنوب مشرق میں ریت کے ٹیلوں میں واقع ہے اس کے قریب ہی پاک افغان سرحد ہے۔

دالبنڈین ایئر فیلڈ 1935ء میں تعمیر ہوا تھا۔ یہ مسمگلی ایئر بیس کے متبادل کے طور پر بنایا گیا تھا، دوسری جنگ عظیم کے دوران اسے رائل انڈین ایئر فورس نے افغانستان یا ایران کے راستے ممکنہ روسی حملے سے بچنے کیلئے استعمال کیا۔ 1970ء کی دہائی میں یہ ایئر فیلڈ پی اے ایف کے استعمال میں نہیں رہا۔ یہ ہوائی پٹی انتہائی بلندی سے صاف دیکھائی دیتی ہے لیکن پائلٹ جب اس پر لینڈنگ کی کوشش کرتے ہیں تو یہ آہستہ آہستہ

نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے کیونکہ پٹی پر چھیلی ہوئی ریت اور ارد گرد کے ریتلے نیلے انسانی بصارت کو دھوکہ دیتی ہیں۔ یہ قدرتی طور پر کیمو فلاج جگہ ہے۔ یہاں ریت کے طوفان بسا اوقات چلتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے جہازوں کیلئے لینڈنگ اور ٹیک آف میں مشکلات پیش آتی ہیں۔ 1985ء

میں سول ایوی ایشن (Civil Aviation) نے اس کی بڑے پیمانے پر مرمت کی اور یہاں ایئر ٹریفک کنٹرول اور دیگر جدید سہولیات کا انتظام کیا۔

1998ء میں چاغی اور دالبنڈین کے درمیان جہازوں کی آمد و رفت بڑے زور و شور سے شروع ہوئی۔ ٹیسٹ سے چند دن پہلے پی اے ایف کے دو دیوبند ای 130 ٹرینسپورٹ طیاروں میں نیوکلیئر آلات الگ الگ حصوں میں چھکالہ سے دالبنڈین ایئر فیلڈ پہنچائے گئے۔ ان طیاروں کی حفاظت کیلئے ایف-16 جیٹ لڑاکا طیارے اس کے ارد گرد اوپر نیچے پرواز کرتے رہے۔ دوران سفر ان حفاظتی جہازوں کے ریڈیو مکمل آف

رکھے گئے تھے تاکہ انہیں کسی جعلی حکم سے گمراہ نہ کیا جاسکے۔

29 مئی 1998ء کو پاکستان نے چھٹا ایٹمی دھماکہ کر کے دنیا کو اگشتِ بدنواں کر دیا۔ چاغی کا پہاڑ سفید راگھ کا ڈھیر بن گیا، لیکن اسرائیل اور بھارت کا پاکستان کے خلاف مہم جوئی کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ اس کے ساتھ ہی پاکستان ایئر فورس کا آپریشن بدر اپنے انجام کو پہنچا۔ اللہ نے پاکستان کی حفاظت کی بالکل اسی طرح جب غزوہ بدر میں مسلمانوں کی ایک قلیل جماعت بے سرو سامانی کی حالت میں مشرکین کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ لگرائی، اللہ نے مسلمانوں کی حفاظت کیلئے تین ہزار فرشتے اتارے۔

مئی 1998ء میں مذکورہ حملے کا امکان کتنے فیصد تھا اس کا جواب شاید ہم کبھی نہیں دے سکیں گے لیکن خطرات کچھ اس نوعیت کے ہوتے ہیں کہ انہیں نہ Over-estimate کیا جاسکتا ہے اور نہ Under-estimate البتہ Over-estimation سے تو چلو زیادہ سے زیادہ سفارتی پریشانی کا ہی سامنا ہو سکتا ہے لیکن Under-estimation کی صورت میں پاکستان ایک خوفناک تباہی سے دوچار ہو سکتا تھا، لیکن اس موقع پر پاکستان نے حملے کا امکان Over-estimate کر کے اعلیٰ ذہانت کا ثبوت دیا۔

اسرائیل اپنے ارد گرد تمام مسلم ممالک کے وہین سسٹم پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے ہے۔ پاکستان کے بعد وہ سب سے زیادہ ایران کے نیوکلیئر پروگرام سے خوف زدہ ہے۔ ابھی 18 جون 2008ء کو نیٹ پر موساد کے ایک سابقہ ڈائریکٹر کا بیان نظر آیا۔ اُس نے متنب کیا ہے کہ اسرائیل کے پاس ایرانی ایٹمی تخصیبات تباہ کرنے کیلئے اب صرف بارہ ماہ رہ گئے ہیں ورنہ وہ خود ہی نیوکلیئر حملے کا شکار ہو جائے گا۔ اُس نے کہا ہے کہ امریکی انتخابات میں بارک اوباما کی جیت سے پہلے اسرائیل کو یہ حملہ کرنا انتہائی ضروری ہے۔

4 مئی 2008ء کو برطانوی انٹیلی جنس سروس ایم۔ آئی۔ 6 کے چیف نے ایرانی نیوکلیئر خطرے کے پیش نظر قتل ایبیب میں موساد کے ہیڈ کوارٹر کا دورہ کیا۔

دونوں ملکوں کے جاسوسی اداروں کے باہمی اشتراک سے ایک منظم نیٹ ورک پورے مڈل ایسٹ میں پھیلا ہوا ہے۔ ایک امریکی انٹیلی جنس کمیٹی کہتی ہے کہ اسرائیل اپنی پوری کوشش کر رہا ہے کہ ایران ایٹمی اسلحہ بنانے میں کامیاب نہ ہو۔ ابھی چند ماہ قبل ایران کا ایک ذہین ترین نیوکلیئر سائنسدان اردو شیر حسن پور انتہائی بُرا سرحال میں موت کے گھاٹ اُتارا گیا۔

وہ شیراز یونیورسٹی میں نیوکلیئر فزکس پڑھاتا تھا۔ چوالیس سالہ اردو شیر حسن پور اصفہان کے ایٹمی ری ایکٹر میں بھی کام کر چکا تھا۔ اس جگہ یورینیم ہیڈروفلورائیڈ گیس پیدا ہوتی ہے جو یورینیم کی افزودگی (Enrichment) میں استعمال ہوتی ہے۔ اسرائیل اسی چیز سے ڈر رہا ہے کیونکہ یہ گیس ایٹمی ہتھیار کی تیاری میں بھی استعمال ہوتی ہے۔ اردو شیر کی موت میں ایرانی ایجنسیوں کے مطابق موساد کا ہاتھ ہے۔



کتاب گھر کی پیشکش (ختم شد) کتاب گھر کی پیشکش

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>